قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟

قرآنِ کریم کی سادہ اور بلیغ دعوت، قرآنِ کریم ہی کے الفاظ میں مختصر تشریحات کیساتھ

مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم

ناشر

ادارۂ اسلامیات

۱۹۰-انارکلی لاہور ۲ پاکستان

فون ۷۳۲۴۷۸۵-۷۲۴۳۹۹۱-۷۳۵۳۲۵۵

قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟

قرآنِ کریم کی سادہ اور بلیغ دعوت، قرآنِ کریم ہی کے الفاظ میں مختصر تشریحات کیساتھ

مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم

ادارۂ اسلامیات
۱۹۰۔ انارکلی لاہور۲، پاکستان
فون ۷۳۲۲۷۸۵۔۷۲۲۳۹۹۱۔۷۳۵۳۲۵۵

نام کتاب ——— "قرآن آپ سے کیا کہتا ہے" ؟

طباعت ——— اگست ۱۹۹۶ء مطابق ربیع الاوّل ۱۴۱۷ھ

باہتمام ——— اشرف برادران سلمہم الرحمٰن

کتابت ——— مشتاق احمد جلالپوری

ناشر ——— ادارۂ اسلامیات ۱۹۰ - انارکلی لاہور نمبر ۲

فون نمبرز : ۷۲۴۳۹۹۱ - ۷۳۵۳۲۵۵

ملنے کے پتے

ادارۂ اسلامیات - ۱۹۰ - انارکلی لاہور نمبر ۲

دارالاشاعت - اردو بازار کراچی نمبر ۱

مکتبہ دارالعلوم جامعہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴

ادارۃ المعارف ڈاکخانہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴

ادارۃ القرآن چوک لسبیلہ گارڈن ایسٹ کراچی نمبر

فہرست مضامین

مقدمہ

صاحبِ قرآن اور قرآن کا تعارف

یہ کتاب "قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟" اب سے تیس سال پہلے سنہ ۱۳۷۱ھ سنہ ۱۹۵۱ء میں شائع ہوئی تھی، اس کے قریباً ۱۲ سال بعد اس کا انگریزی اڈیشن شائع ہوا تو اس کے لئے حضرت مصنف نے ایک مستقل مقدمہ لکھا تھا، ہم نے مناسب سمجھا کہ اس جدید اڈیشن میں مقدمہ کے طور پر اس کو بھی شامل کر دیا جائے۔

(محمد حسان نعمانی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ ایک مسلّم تاریخی حقیقت ہے کہ اب سے قریباً ڈیڑھ ہزار سال پہلے پانچویں چھٹی صدی عیسوی میں پوری انسانی دنیا نورِ ہدایت سے محروم اور روحانیت و اخلاق کے لحاظ سے اندھیر نگری بنی ہوئی تھی۔ یورپ پر قرونِ وسطیٰ کا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ ایران اور اس کے زیرِ اثر ملکوں میں مزدکیت کا دور دورہ تھا جس نے اخلاق و شرافت کی حدود کو درہم برہم کر کے انسانوں کو حیوان بنا دیا تھا۔ ہندوستان پورا ایک عہد کی تاریکی میں بھٹک رہا تھا۔ یہاں ایک طرف تو جمادات و حیوانات بلکہ سانپوں تک کی پرستش ہوتی تھی اور دوسری طرف بے چارے ان انسانوں کے ساتھ جن کو نسلی اور پیدائشی طور پر اچھوت قرار دیا گیا تھا، حیوانوں سے بدتر سلوک ہوتا تھا۔ وہ انسان ہونے کے باوجود انسانی حقوق سے محروم تھے۔ جس کے کچھ اثرات اتنا طویل زمانہ گزر جانے کے باوجود اب تک بھی باقی ہیں۔ کم و بیش یہی حال انسانیت کی پستی اور انسانوں کی بے راہروی کے لحاظ سے اس وقت دنیا کے ان دوسرے ملکوں کا بھی تھا، جن کی تاریخ معلوم ہے۔

پھر ان سب کے گویا قلب میں جزیرہ نمائے عرب تھا جو یورپ ایشیا اور افریقہ کے مقامِ اتصال پر واقع تھا اور اسی لئے پُرانے زمانے میں اُسے "دُنیا کی ناف" کہا جاتا تھا۔ یہ بھی اس دور میں خداوندی ہدایت اور تعلیم و تہذیب کی روشنی سے یکسر محروم تھا۔ تاریکیوں اور گمراہیوں کے بادل تہہ بہ تہہ چھائے ہوئے تھے۔ ایک خدا کو چھوڑ کر بے شمار دیویوں، دیوتاؤں اور اُن سے نسبت رکھنے والی پتھر کی مورتیوں کی پُوجا ہوتی تھی۔ اُن کے لئے انسانوں تک کی قربانی دی جاتی تھی۔ شہر مکہ کا وہ کعبہ جس کو خدا کے پیغمبر ابراہیمؑ و اسماعیلؑ نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے مرکز کے طور پر اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا وہ ایک بڑا بُت خانہ بن گیا تھا۔ پُورے ملک میں جنگل کا قانون چالو تھا۔ کوئی حکومتی نظام بھی نہ تھا۔ انسانی جان کی کوئی قیمت نہ تھی۔ قتل و غارت اور لُوٹ مار کا بازار گرم تھا۔ سنگدلی اور قساوت اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ خود اپنے نومولود بچّوں کو گڑھا کھود کر زمین میں زندہ دفن کر دیتے تھے۔ بے شرمی اور بے حیائی کا یہ حال تھا کہ بہت سے لوگ مادر زاد برہنہ ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے۔ بعض قبیلوں میں باپ کے مرنے کے بعد بیٹا اس کی بیوہ بیوی کو اپنی بیوی بنالیتا تھا اور یہ گویا اُس کا حق تھا۔

اخلاق و روحانیت کی اس تباہی کے علاوہ دُنیا بھی برباد تھی۔ بہت بڑی تعداد ایسے غریبوں کی تھی جو غربت و افلاس کی مجبوری سے زمین کے کیڑے مکوڑے اور مردار تک کھالیتے تھے۔

پُوری انسانی دُنیا کے اور خاص کر ملک عرب کے یہ حالات تھے کہ اب سے ٹھیک چودہ سو سال پہلے عرب کے مرکزی شہر مکہ میں ابراہیمؑ و اسماعیلؑ ہی کی نسل کے ایک معزز قبیلہ قریش کے ایک شریف گھرانے میں ایک بچّہ پیدا ہُوا۔ یہ بچّہ پیدا ہونے سے پہلے ہی یتیم ہو چکا تھا۔ یعنی ابھی یہ ماں کے پیٹ ہی میں تھا کہ باپ عبداللہ بن عبدالمطلب کا انتقال ہو گیا اور بیوہ ماں ہی نے اس کو پالا۔ عمر کا چھٹا سال تھا کہ ماں کا سایہ بھی سر سے اُٹھ گیا تو دادا عبدالمطلب نے اپنے آغوشِ تربیت میں لے لیا۔ اس کے دو ہی سال بعد دادا کا بھی انتقال ہو گیا تو آٹھ سالہ بچّہ کو چچا ابوطالب نے اپنی کفالت میں لے لیا۔

اس بچّہ کا نام "محمّد" رکھا گیا تھا جس کے معنیٰ ہیں وہ ذات جو اپنی صفات اور کارناموں کی وجہ سے بہت ہی قابلِ تعریف ہے۔

چونکہ عربوں میں اس زمانے میں تعلیم کا رواج نہیں تھا، اس لئے آپ بھی اُمّی یعنی نوشت و

خواندہ سے بالکل نا آشنا رہے لیکن فطرت کی سلامتی اور رُوح کی پاکیزگی جو اللہ تعالےٰ کا خاص عطیہ تھا، اس کی وجہ سے اس انتہائی فاسد ماحول میں بھی آپ کی زندگی نہایت معصومانہ اور شریفانہ رہی ۔جب سِن شعور کو پہنچے تو کسبِ معاش کی فکر ہوئی تاکہ چچا ابو طالب پر (جن کے خود بھی کافی اولاد تھی) بوجھ نہ پڑے ۔تجارت خاندانی پیشہ تھا، اسی کا اپنے لئے انتخاب کیا لیکن سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے اپنا ذاتی کاروبار نہیں کر سکتے تھے، اس لئے اپنی محنت دوسروں کے سرمایہ کے ساتھ لگا کر کام شروع کیا۔ تھوڑے ہی دنوں میں معاملات میں آپ کی امانت و دیانت، سچائی اور نیک کرداری کی شہرت ہوگئی اور آپؐ کا لقب ہی "امین" پڑ گیا جس نے آپؐ کے ساتھ کاروباری معاملہ کیا اُس نے آپؐ کو ایک فرشتہ صفت انسان اور بالکل نئے قسم کا ایک پاکباز تاجر پایا اور وہ متاثر ہُوا۔

مکہ میں قریش ہی کے قبیلہ میں خدیجہ ایک دولت مند بیوہ خاتون تھیں جن کا اپنا کاروبار بھی تھا اور دوسروں کو سرمایہ دے کر بھی وہ تجارت کراتی تھیں، بڑی صاحبِ فراست اور نیک فطرت خاتون تھیں، اُن سے بھی آپؐ کا کچھ کاروباری واسطہ پڑا تھا۔ وہ اگرچہ صاحبِ اولاد تھیں اور اُن کی عمر چالیس۴۰ سال کی ہو چکی تھی اور آپؐ کی عمر ابھی صرف پچیس۲۵ سال ہی کی تھی اس کے باوجود انھوں نے آپؐ سے نکاح کرنا چاہا اور یہ نکاح ہوگیا۔

اس نکاح کے بعد آپؐ کو اپنے معاشی مسئلہ کی زیادہ فکر نہیں رہی تو آپؐ زیادہ وقت خلق اللہ کی خدمت خاص کر غریبوں، آفت رسیدوں اور ضرورتمندوں کی امداد و اعانت اور علاقہ میں امن وامان کی فضا قائم کرنے پر صرف کرنے لگے ۔زندگی اسی طرح چل رہی تھی اور آپؐ کی معصومانہ سیرت، نیک روی غرباء نوازی اور خدمتِ خلق کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں عام طور سے آپؐ کی عظمت اور محبت پیدا ہوگئی تھی اور اس طرح پوری قوم کی غیر رسمی سرداری آپؐ کو حاصل تھی کہ عمر کے چالیسویں سال میں آپؐ کے اندر ایک غیر معمولی تبدیلی پیدا ہوئی۔ دل میں شدت سے یہ داعیہ پیدا ہوتا کہ گھر سے اور آبادی سے دُور سب سے الگ بالکل تنہائی میں عبادت اور دعاء و مناجات کے ذریعے خدا کا قرب حاصل کریں۔ مکہ سے قریباً ڈیڑھ دو میل کے فاصلہ پر ایک اُونچی پہاڑی ہے جس کی چوٹی پر پتھر کی بڑی بڑی چند چٹانوں سے گھِرا ہُوا ایک قدرتی غار ہے جو آج بھی غارِ حرا کے نام سے معروف ہے۔ آپؐ ایک ہفتہ کے لئے صرف زندگی کی ضرورت کے بقدر کھانے پینے کا مختصر سامان لے کر وہاں چلے جاتے اُور بالکل یکہ و تنہا اس غار میں رہتے ہفتہ

میں ایک دفعہ گھر آتے اور پھر اسی طرح کھانے پینے کا مختصر سامان لے کر وہیں چلے جاتے اور سارا وقت توجہ الی اللہ اور تفکر و عبادت میں گزارتے۔

اگرچہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی وہ معرفت آپ کو حاصل نہیں تھی جو بعد میں وحی الٰہی سے حاصل ہوئی۔ اسی طرح طریق عبادت کی بھی کوئی خاص تعلیم آپ کو نہیں ملی تھی لیکن کسی طالب کو جس کی فطرت سلیم، روح پاکیزہ اور دل نورانی ہو جس درجہ کی خدا کی مجمل معرفت و محبت اور اسکی رضا جوئی اور حصول قرب کا شوق پیدا ہو جانا چاہیئے وہ یقیناً آپؐ کو حاصل تھا اور اپنے قلبی داعیہ کی رہنمائی کے مطابق آپؐ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اُس کے حضور میں دُعا کرتے تھے۔ یہ سلسلہ کئی مہینے اسی طرح جاری رہا۔

اسی زمانہ میں ایک نئی کیفیت آپؐ میں یہ بھی پیدا ہوئی کہ آپ بکثرت خواب دیکھتے اور جو کچھ خواب میں دیکھتے وہ اگلے دن واقعہ کی شکل میں سامنے آجاتا لیکن آپ لوگوں کے سامنے اس کا اظہار و اعلان بالکل نہ کرتے۔ یہ عالم بالا کے ساتھ آپؐ کے روحانی رابطہ کا آغاز تھا اور شروع ہونے والے دن کی صبح صادق تھی۔

اس کے بعد یہ ہُوا کہ ایک دن جبکہ غارِ حرا کے اس مجاہدہ اور اعتکاف کے تسلسل پر چھ مہینے گزر چکے تھے آپ غارِ حرا سے اس غیر معمولی حالت میں گھر آئے کہ رنگ پیلا تھا جیسا کہ کسی سخت دہشت زدہ انسان کا ہو جاتا ہے اور جسم پر لرزہ کی سی کیفیت طاری تھی۔ آپؐ آتے ہی پڑ گئے اور گھر والوں سے فرمایا "مجھے موٹے کپڑے اوڑھا دو، مجھ پر موٹے کپڑے ڈال دو" (زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ) پھر جب حالت کچھ سنبھلی تو بیوی خدیجہؓ کے دریافت کرنے پر غار میں خدا کے فرشتے کا ظاہر ہونا اور خدا کا پیغام پہنچانا اور اس کا کلام پڑھوانا اور اس سلسلہ میں جو کچھ پیش آیا تھا اور آپؐ کے قلب اور روح پر اس کا جو غیر معمولی بوجھ پڑا تھا وہ سب آپؐ نے بیان کیا اور بتلایا کہ میری یہ حالت اُس کے اثر سے ہے۔ خدیجہؓ جو بڑی صاحبِ فراست خاتون تھیں، انھوں نے پہلے تو خود آپؐ کو تسلی دی کہ آپؐ جیسے نیک اور سب کے کام آنے والے بندہ کے ساتھ اُس کا خدا جو کچھ کرے گا وہ بہتر ہی ہوگا۔ اس کے بعد وہ آپؐ کو اپنے چچا ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو بہت بوڑھے تھے آنکھوں سے بھی معذور ہو چکے تھے، انھوں نے بہت پہلے اپنی بت پرست قوم کے کیش و مذہب کو چھوڑ کر نصرانیت اختیار کر لی تھی۔ وہ قدیم آسمانی کتابوں تورات و انجیل کے اچھے عالم بلکہ مترجم بھی تھے انھوں نے غارِ حرا کا واقعہ سن کر یقین کے ساتھ کہا کہ تمہارے پاس جو فرشتہ آیا تھا یہ اللہ کا وہی خاص فرشتہ ہے جو پیغمبروں کے پاس اللہ تعالیٰ کا کلام و پیام اور اس کے احکام لایا کرتا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو منصب نبوت پر فائز کیا ہے اور پیغمبری کا کارِ عظیم تمہیں سپرد کیا جائے گا اور سُن لو تمہاری قوم تمہاری دشمن ہو جائے گی اور تم کو جلاوطن کر دے گی۔ پھر بوڑھے ورقہ نے حسرت سے کہا کہ کاش میں اس وقت زندہ و توانا ہوتا اور تمہارا ساتھ دے سکتا۔"

بس یہاں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ نبوت کا آغاز ہوا۔

آپؐ کا اب تک حال یہ تھا کہ اپنی ذات سے معصوم فطرت اور خادم خلق تھے لیکن خاموشی پسند تھے اس دور میں عربوں میں شعر و سخن سے دلچسپی عام تھی لیکن آپؐ نے اس میں بھی کبھی کوئی دلچسپی نہیں لی نہ قوم کے سامنے کبھی خطیب اور مقررین کے کھڑے ہوئے کبھی مصلحانہ حیثیت سے بھی کسی تحریکیت اور ہنگامہ خیزی کا آپؐ سے ظہور نہیں ہوا حتیٰ کہ قوم کی حد سے گزری ہوئی بداخلاقی و بے راہروی کی اصلاح کے لئے بھی آپؐ نے کوئی تحریک کھڑی نہیں کی اور کوئی پلیٹ فارم نہیں بنایا۔ وحی و رسالت، قیامت و آخرت اور دین و شریعت کے موضوع پر بھی اس پورے چالیس سال میں کبھی آپؐ سے کچھ نہیں سُنا گیا۔ اگلے پیغمبروں اور اُن کی اُمتوں کے سبق آموز واقعات کا بیان بھی آپؐ کی زبان پر کبھی نہیں آیا۔ سیاسیات و عمرانیات، معاشیات و اقتصادیات کے بارے میں بھی اس پورے عرصہ میں اپنی قوم کو آپؐ نے کوئی رہنمائی نہیں دی۔

الغرض چالیس سال کی عمر تک آپؐ کی زندگی کا ان باتوں سے کوئی ادنیٰ تعلق ظاہر نہیں ہوا اور کسی نے کوئی ایسی بات آپؐ سے نہیں سُنی جس سے اندازہ کیا جا سکتا کہ آپؐ ان مسائل کی الف ب سے بھی واقف و باخبر ہیں۔

لیکن عمر کے اکتالیسویں سال میں غارِ حرا کے مذکورہ بالا واقعہ کے بعد اچانک آپؐ میں ایک محیر العقول انقلاب پیدا ہو گیا۔ گویا آپؐ کے قالب میں ایک دوسری رُوح آگئی اور آپؐ ایک بالکل دوسری قسم کے انسان بن گئے۔ اب آپؐ کی خاموشی ٹوٹ گئی اور اپنی قوم سے آپؐ نے کہا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے وحی والہام سے نوازا ہے اور اپنی پیغمبری کی خدمت میرے سپرد کی ہے جیسے کہ کبھی پہلے ابراہیمؑ و اسماعیلؑ، اسحٰقؑ و یعقوبؑ اور پھر موسیٰؑ و عیسیٰؑ کو سپرد کی تھی۔

آپؐ نے قوم کو بتایا کہ وہ خدا میرا اور تمہارا اور ساری کائنات کا خالق و پروردگار ہے۔ ہر نقص سے پاک اور عظمت و کمال کی ساری صفات کا جامع ہے۔ صرف وہی عبادت اور پرستش کے لائق ہے۔ میری تمہاری اور سب کی موت و حیات اُسی کے قبضہ میں ہے۔ ہر طرح کا بناؤ بگاڑ اور کسی کو نفع یا نقصان پہنچانا بھی اسی کے اختیار میں ہے۔ کسی دوسرے کی یہ شان نہیں ہے۔ اس کے سوا جن بتوں اور دیویوں، دیوتاؤں کی پوجا کی جاتی

ہے اور جن کو حاجت روا سمجھا جاتا ہے اُن کے قبضہ و اختیار میں کچھ بھی نہیں ہے، ان کی عبادت اور اللہ کے سوا کسی مخلوق کی بھی عبادت بہت بڑا گناہ اور ناقابلِ معافی جُرم ہے۔ اس لئے صرف ایک اللہ کی عبادت کرو جو معبودِ برحق ہے، اسی سے لو لگاؤ۔ اس سے بھرپور محبت کرو اور اس سے بہت زیادہ ڈرو۔ یہ حکم میرے لئے بھی ہے اور تم سب کے لئے بھی۔

آپؐ نے قوم کو یہ بھی بتایا اور اُن کے دلوں میں اس کا یقین اُتار دینے کی پوری کوشش کی کہ یہ دُنیا جس میں ہم رہ بس رہے ہیں، ہمیشہ نہیں رہے گی۔ جس طرح ہر پیدا ہونے والا آدمی اپنی مقررہ زندگی پُوری کر کے مَر جاتا ہے اسی طرح یہ پُوری دُنیا بھی ایک وقت اللہ کے حکم سے فنا کر دی جائے گی۔ وہ قیامت کا دن ہوگا۔ پھر خدا ہی اپنی قدرت سے سب کو دوبارہ زندگی بخشے گا اور ایک دوسرا عالم برپا ہوگا یہ آخرت کا عالم ہوگا جس میں سب کو اپنے کئے ہوئے اعمال کے مطابق جزا یا سزا ملے گی جنہوں نے دنیا میں اللہ کو اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو مان کر پاکبازی اور نیک کرداری کی زندگی گزاری ہوگی اُن پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوگی۔ اور ان کو بھرپور لذتوں اور مسرتوں والی زندگی عطا فرمائی جائے گی اور اس کے برعکس جنہوں نے اس دُنیا میں اپنے خالق و پروردگار کو بھلا کر اور اُس کے احکام سے بے پروا اور آخرت کے انجام سے بے فکر ہو کر مجرمانہ زندگی گزاری ہوگی وہ سخت عذاب میں گرفتار ہوں گے۔

پھر آپؐ نے وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بندوں پر اللہ کے حقوق اور بندوں پر دوسرے بندوں کے حقوق اور اعمالِ صالح اور اخلاقِ حسنہ کی بھی قوم کو تعلیم و تلقین کی اور فواحش و منکرات اور بداعمالیوں اور بداخلاقیوں سے منع بھی فرمایا اور اُس کے بُرے انجام سے ڈرایا۔

اسی طرح آپؐ نے قوم کو خرید و فروخت، تجارت و سوداگری اور مالی لین دین اور محنت و مزدوری وغیرہ کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ کی ہدایات پہنچائیں اور بتایا کہ ان میں یہ طریقے صحیح و جائز اور یہ غلط و ناجائز ہیں۔

کھانے پینے کے بارے میں بھی آپؐ نے بتایا کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے حلال اور یہ حرام قرار دی ہیں۔

پھر آپؐ نے ان باتوں کو صرف بتا کر اور بیان کر کے نہیں چھوڑ دیا بلکہ یہی آپؐ کی زندگی کا مشن ہو گیا اور ان سچائیوں کی دعوت اور اپنی قوم عرب کی اور پوری انسانی دُنیا کی ہدایت کی فکر آپؐ پر اس طرح چھا گئی کہ اس سے الگ کسی چیز سے گویا کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ دن رات اسی کی فکر اور جدوجہد میں مشغول رہتے اور اسی کے لئے اپنے اللہ سے دُعائیں کرتے۔

اس راستہ میں آپ نے سخت سے سخت تکلیفیں اُٹھائیں، ماریں کھائیں، ذلتیں برداشت کیں، آپ کا اور آپ کے کُنبہ کا طویل مُدت تک بائیکاٹ کیا گیا۔ کھانے پینے کی چیزوں کی بھی ناکہ بندی کی گئی لیکن آپ نے اپنی دعوت اور جدوجہد میں کوئی کمی نہیں کی۔ مخالفین سے کسی آویزش کے بغیر آپ امکان بھر اپنے کام میں اسی طرح لگے رہے اور اُن کے لیے اللہ تعالیٰ سے اور زیادہ الحاح سے ہدایت اور رحمت کی دعائیں کرتے رہے۔

قوم میں سے جن لوگوں کی روحوں میں نیکی کا جوہر اور حق کو قبول کرنے کی کم و بیش صلاحیت موجود تھی وہ ایک ایک دو دو کرکے آپ کی سچائی سے متاثر ہو کر آپ کی دعوت کو قبول کرتے رہے اور پھر وہ بھی مکہ کے شرارت پسند عنصر کے مظالم کا نشانہ بنتے رہے۔ تقریباً دس بارہ سال اسی طرح گزرے۔ اس کے بعد جب وہاں کے لوگوں نے آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو مکہ سے باہر نکل جانے پر مجبور کر دیا اور اس کا کوئی امکان نہیں رہا کہ مکہ میں رہ کر دینِ حق کی دعوت اور بندگانِ خدا کی ہدایت کی خدمت کا سلسلہ جاری رہ سکے تو آپ نے اللہ کے حکم سے مکہ سے ہجرت فرمائی اور مدینہ کو اپنا مستقر اور اپنی دعوت و جدوجہد کا مرکز بنا لیا۔ یہاں پہنچ کر کام اور زیادہ جذبہ اور محنت سے ہونے لگا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے دعوت قبول کرنے کی رفتار بہت تیز ہو گئی۔

تھوڑے ہی عرصہ کے بعد مدینہ میں آپ کے پیروؤں اور رفیقوں کی اجتماعیت سے ایک عجیب و غریب قسم کا حکومتی نظم و نسق بھی قائم ہو گیا۔ اس حکومت کی کوئی باقاعدہ فوج نہیں تھی، پولیس نہیں تھی، تھانیدار نہیں تھا، تحصیلدار نہیں تھا، جج نہیں تھا، منصف نہیں تھا، کوئی بھی عہدیدار نہیں تھا، اور سب تھے۔ یعنی حسبِ ضرورت ان عہدوں کے سارے کام ہوتے تھے اور آپ کی دعوت کو قبول کرنے والے بندگانِ خدا صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور ثواب کے لیے بغیر کسی تنخواہ اور حکومتی منصب و لقب کے یہ ساری خدمات انجام دیتے تھے۔

نئے طرز کی اس حکومت نے جس کے مؤسس اور سربراہ نبی اُمّی حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تھے، دنیا کو عملی طور سے دکھا دیا کہ بغیر فوج اور خزانے کے بھی حکومت ہو سکتی ہے اور مقاصدِ حکومت بہتر سے بہتر طریقہ پر انجام پا سکتے ہیں۔ دشمن طاقتوں سے اس حکومت کی جنگیں بھی ہوئیں جو دُنیا کے لئے مختلف پہلوؤں سے جنگوں کا بہترین نمونہ تھیں اور جن سے بہت کچھ سبق سیکھا جا سکتا ہے۔ مخالف طاقتوں سے معاہدے بھی ہوئے صلحیں بھی ہوئیں۔ اس حکومت نے اپنوں پر اور پرایوں پر ٹیکس بھی لگائے اور دُنیا کو دکھا دیا کہ ٹیکس کے بارے میں اچھی حکومتوں اور اُن کے عوام کا رویہ کیا ہونا چاہیئے۔

مدینہ پہنچنے کے بعد صرف دس سال آپ اس دُنیا میں رہے اور اتنی تھوڑی مدت میں قریب قریب پُورا ملک عرب آپؐ کے لئے مسخر ہو گیا اور آبادی کے بہت بڑے حصّے نے آپؐ کی دعوت و ہدایت کو قبول کر لیا۔ ہزار ہا ہزار وہ آدمی جو پہلے اللہ تعالیٰ سے ناآشنا تھے۔ آخرت اور جزا و سزا کے تصور سے جن کا ذہن بالکل خالی تھا اور ساری عمر انتہائی گمراہیوں اور بداخلاقیوں میں گزاری تھی وہ آپ کے فیضِ صحبت اور تعلیم و تربیت سے ایسے معیاری اور کامل انسان بن گئے کہ طویل انسانی تاریخ اُن کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔ افراد ہی نہیں بلکہ کامل انسانوں کی ایک پوری قوم پیدا ہو گئی جس کی مثال چشم فلک نے نہ ان سے پہلے دیکھی تھی نہ اس کے بعد دیکھی۔

یہ سب کچھ صرف دس سال میں ــ اور مکہ کے ابتدائی دور کو بھی شامل کر لیا جائے تو قریباً قریباً بائیس بائیس سال میں ــ ایک ایسے آدمی کے ذریعے ہو گیا جس کے متعلق معلوم ہے کہ وہ الف ب بھی نہیں جانتا تھا اس کو اچھے مہذب، دانشمند اور خدا پرست انسانوں کی کبھی صحبت بھی نہیں ملی تھی۔ اس کی زندگی میں چالیس سال کی عمر تک (جو اندرونی جذبات اور رجحانات کے ظہور کا خاص زمانہ ہوتا ہے) کسی قسم کی ہنگامہ پسندی تحریکیت اور کسی مہم کی قیادت کے جذبہ کی ادنیٰ سی جھلک بھی کسی نے نہیں دیکھی تھی، جو نہ شاعر تھا، نہ خطیب نہ شاعروں یا مقرروں کی کوئی ٹیم اس کے ساتھ تھی۔ رسالوں، اخباروں اور ریڈیو کا تو وہ زمانہ ہی نہیں تھا، تو سوچنے کی بات ہے کہ اتنا عظیم الشان اور دُنیا کی تاریخ میں عدیم المثال یہ انقلاب اس آدمی کے ذریعے کیسے ہو گیا۔

خدا کا وہ بندہ کہتا تھا کہ خود مجھ میں کچھ نہیں ہے، میں تو ایک غریب قریشی عورت کا بیٹا ہوں پڑھا لکھا بھی کچھ نہیں ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور توحید وغیرہ کے بارے میں جو بیان کرتا ہوں قیامت و آخرت اور دوزخ و جنت کے بارے میں جو بتاتا ہوں اور زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق جو احکام دیتا ہوں اور جو کچھ بھی تعلیم و تلقین کرتا ہوں یہ میرے اپنے فہم و فکر کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ یہ سب میرے اور تمہارے خدا کی طرف سے ہے۔ اس نے مجھے تمہاری ہدایت و خدمت کے لئے آلۂ کار اور وسیلہ بنا لیا ہے۔ وہ ایک کلام پڑھ کر سناتا تھا جو اس تعلیم و ہدایت کا سرچشمہ تھا۔ اس میں بلا کی تاثیر اور کشش تھی۔ اگرچہ وہ عربی زبان میں تھا جو پوری قوم کی زبان تھی، لیکن وہ بالکل نرالا کلام تھا، خود لانے والے (پیغمبر) کے کلام سے بھی بالکل ممتاز ــــ اس کے دُشمن بھی اس سے متاثر ہوتے تھے اور اس لئے اس کو "جادو" کہتے تھے لیکن وہ کلام سنانے والا کہتا تھا کہ اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ کلام میرا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ

کا کلام ہے، اُس نے مجھ پر نازل فرمایا ہے۔ یہ میرے لئے بھی اُس کا ہدایت نامہ اور حکمنامہ ہے اور تمہارے لئے اور ساری دُنیا کے لئے بھی ـــــ یہ خدا کی آخری کتاب قرآن ہے۔

وہ قرآن آج بھی جوں کا توں محفوظ ہے اور اس میں غور و فکر کر کے آج بھی سچائی کا ہر طالب یہ یقین حاصل کر سکتا ہے کہ ـــــ یہ کسی انسان کا کلام ہرگز نہیں ہو سکتا۔

اس میں صفاتِ الٰہی اور توحید جیسے مضامین کے بارہ میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ یقیناً معرفت کا آخری نقطہ ہے جس تک خدا کی ہدایت و تعلیم کے بغیر کسی ذہین سے ذہین انسان کی بھی رسائی نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح حیات بعد الموت اور اس قسم کے دوسرے مشکل مسائل پر قرآن میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ یقیناً انسانی علم و فکر سے بہت آگے کی چیز ہے۔ پھر انسانی زندگی کے مختلف شعبوں کے بارہ میں جو ہدایات دی گئی ہیں، جو زمانہ کی بڑی سے بڑی تبدیلیوں کے باوجود انسانوں کی رہنمائی کے لئے بالکل کافی ہیں۔ اُن کے بارے میں ہرگز نہیں سوچا جا سکتا کہ وہ کسی انسان اور خاص کر محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسے کسی اُمّی اور بالکل ناتعلیم یافتہ انسان کے فہم و فکر کا نتیجہ ہیں۔

الغرض قرآن خود ہی اس کی دلیل ہے کہ وہ خدا کا کلام اور اس کا نازل کیا ہوا ہدایت نامہ ہے اور اس کے لانے والے اور پیش کرنے والے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے سچے رسول ہیں۔

امید ہے کہ اس کتاب "قرآن آپ سے کیا کہتا ہے" کا مطالعہ اس سلسلہ میں آپ کا مددگار ثابت ہو گا۔

دیباچہ

(از مؤلف)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین وسلام علیٰ عبادہ المرسلین

یہ واقعہ ہے جس کے اظہار میں ذرہ برابر بھی انکسار اور تکلف کو دخل نہیں ہے کہ اس ناچیز نے قرآن مجید کو موضوع بنا کر کبھی کوئی خاص طالب علمانہ محنت نہیں کی اور اس لئے علوم قرآن میں مجھے کسی قسم کا اور کسی درجہ کا بھی امتیاز اور تخصص حاصل نہیں ہے بلکہ پرانے عربی مدرسوں کے عام طالب علموں اور تعلیم یافتوں کی طرح قرآن مجید کا بس ترجمہ اور سادہ مطلب سمجھ لیتا ہوں اور جب توفیق ہوتی ہے تو سمجھ کر تلاوت کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اور یہ بھی بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ لیکن اس سے بڑا انعام اس رب کریم کا اس عاجز بندہ پر یہ ہے کہ تلاوت کے وقت کبھی کبھی دل کو تاثر و تذکر کی دولت بھی نصیب ہو جاتی ہے اور اس کی یہ برکت ہے کہ قرآن مجید کا کلام الٰہی ہونا میرے لئے ایک بالکل محسوس حقیقت ہے۔ گویا جس طرح کسی میٹھی یا نمکین چیز کے کھاتے وقت اپنی زبان و تالو کے احساس کی بناء پر مجھے اس کی شیرینی یا نمکینی کا یقینی علم حاصل ہو جاتا ہے، الحمد للہ بالکل اسی طرح قرآن مجید کی تلاوت کے وقت کبھی میرے قلب کا جو تاثر اور احساس ہوتا ہے مجھے اس سے قرآن پاک کے کلام الٰہی ہونے کا قطعی یقین حاصل ہوتا ہے، ان دونوں یقینوں میں میرے لئے کوئی فرق نہیں ہے۔ ان میں سے کوئی یقین بھی میرے لئے فکری اور استدلالی نہیں ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ۔

قرآن مجید سے دل کے اس تاثر کا اگرچہ کوئی وقت اور موسم مقرر نہیں ہے لیکن خاص کر رمضان المبارک میں یہ دولت الحمد للہ زیادہ نصیب ہوتی ہے اور جب بھی اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے قدرتی طور پر اس وقت قرآن مجید اور اس کی دعوت و تعلیم کی عظمت کا احساس و یقین اور بڑھ جاتا ہے۔

کئی سال پہلے کی بات ہے، رمضان المبارک ہی میں ایک دن قرآن مجید کی تلاوت کر رہا تھا، یاد نہیں کون سا مقام تھا، بہرحال اس دن طبیعت بہت زیادہ متاثر ہوئی اور دل میں یہ داعیہ

بھی اس وقت بڑی شدت سے پیدا ہوا کہ قرآن مجید کی اس دعوت و تعلیم کو قرآن مجید ہی کے دعوتی انداز میں اللہ کے ان بندوں تک پہنچانے کی بھی کوئی کوشش اپنی بساط کے مطابق کی جائے جو بے چارے اس سے ناآشنا ہیں۔

اس کی ایک عملی شکل اسی وقت یہ ذہن میں آئی کہ متوسط ضخامت کی ایک کتاب لکھی جائے جس میں قرآنی دعوت و تعلیم کو عنوانات کے تحت اس طرح مرتب کر کے پیش کیا جائے کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں سب کے لئے اس کا سمجھنا آسان ہو اور اس میں اپنی طرف سے کسی دلیل اور بحث کا اضافہ بالکل نہ کیا جائے بلکہ صرف قرآن کی بات قرآن ہی کے سادہ دعوتی اور تذکیری طرز پر اپنی زبان میں کہی جائے۔ البتہ سمجھنے کے لئے جہاں کچھ تشریح اور وضاحت کی ضرورت ہو وہاں صرف بقدر ضرورت ہی وضاحت اور تشریح کر دی جائے۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اسی وقت اس کام کے کرنے کی نیت کر لی گئی اور ذہن نے کتاب کا ایک خاکہ بھی بنا لیا۔ آیات کے جمع و انتخاب کا کام بھی شروع کر دیا گیا جو رمضان المبارک ہی میں ختم ہو گیا۔ اس کے بعد بس تالیف و ترتیب کا کام باقی رہ گیا۔ اس وقت خیال تھا کہ اگر جم کر اور مسلسل کام کیا جا سکا تو زیادہ سے زیادہ بس تین چار مہینے میں ان شاء اللہ کتاب تیار ہو جائے گی۔ لیکن ہوا یہ کہ کبھی مسلسل چار دن بھی اس کام کو نہیں دیئے جا سکے اور اس کے برعکس ایسا بارہا ہوا کہ ایک دو دن بیٹھ کے اگر کبھی دو چار صفحے اس کے لکھے تو پھر مہینوں اس لکھے ہوئے کو اٹھا کر دیکھنے اور اس پر ایک سطر کا بھی اضافہ کرنے کی نوبت نہیں آئی، اور ایک دفعہ تو قریباً دو سال کا عرصہ اس درمیان میں ایسا گذرا جس میں اس کام کو ہاتھ نہیں لگایا جا سکا۔ الغرض یہ رہی رفتار اس کی تالیف اور تیاری کی۔

بہر حال اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سب مرحلوں سے گزر کر اب یہ کام اس کتاب کی شکل میں آپ کے سامنے ہے۔ اس میں جو کمی یا غلطی ہے اس کا ذمہ دار یہ ناچیز بندہ ہے اور جو خیر و خوبی اور نافعیت ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

فَلَهُ الْحَمْدُ وَلَهُ الشُّكْر

آخر میں مختصر مختصر چند باتیں کتاب کے بارے میں اور بھی عرض کرنی ہیں۔

۱۔ جس طرح قرآن مجید اس کے ماننے والے مسلمانوں کے لئے بھی ہے اور دوسرے سارے انسانوں کے لئے بھی، اسی طرح اس ناچیز نے اس کتاب کے لکھتے وقت مسلمانوں کے ساتھ دوسرے عام انسانوں کو بھی

سامنے رکھا ہے۔ اس لئے میری یہ قدرتی خواہش ہے کہ یہ کتاب مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں تک بھی کسی طرح زیادہ سے زیادہ پہنچ سکے۔ اپنے امکان اور وسائل کی حد تک یہ عاجز تو انشاء اللہ اس کے لئے کوشش کرے گا ہی دوسرے حضرات بھی مطالعہ کے بعد اگر کتاب کو اس لائق سمجھیں تو اردو خواں غیر مسلموں تک بھی اس کو پہنچانے کے ذرائع سوچیں اور اُن کو بروئے کار لائیں۔ اس مقصد کے لئے انگریزی اور بعض دوسری ملکی زبانوں میں اس کے ترجمہ اور اشاعت کا مسئلہ بھی زیرِ غور ہے[1]۔

۲۔ ناظرین کو یہ ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ قرآنی آیات کے ترجمہ میں لفظی ترجمہ اور نحوی ترکیب کی زیادہ پابندی میں نے نہیں کی ہے بلکہ ناظرین کی سہولتِ فہم کا زیادہ لحاظ رکھا ہے۔ اگر کسی کو لفظی ترجمہ ہی دیکھنا ہو تو اس عاجز کے خیال میں حضرت شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی بہت اچھی کفالت کی ہے۔

۳۔ جس خاص مقصد کے لئے یہ کتاب لکھی گئی ہے چونکہ اس کا یہ اہم تقاضا تھا کہ کتاب کی ضخامت بہت زیادہ نہ ہو۔ اس لئے قرآن مجید کی دعوت و تعلیم کے سارے گوشوں کو اس میں سمیٹ لینے کی گنجائش نہ تھی۔ تاہم اس عاجز کا خیال ہے کہ اس کا اہم حصہ اس میں سب ہی آگیا ہے اور اُمید ہے کہ پیشِ نظر مقصد کے لئے انشاء اللہ یہ کافی ثابت ہوگا۔

آخری گذارش اپنے ناظرین کرام سے

بس یہ ہے کہ وہ کتاب کے لئے مقبولیت و نافعیت کی اور اس کے مصنف کے لئے مغفرت و رحمت کی اللہ تعالیٰ سے دُعا فرمائیں۔ اس عاجز و مسکین بندہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بعد سب سے بڑا آسرا اُس کے صاحبِ ایمان بندوں کی دُعاؤں ہی کا ہے۔

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

محرم الحرام ۱۳۷۹ھ جولائی ۱۹۵۹ء

---

[1] الحمد للہ اس کا انگریزی ایڈیشن شائع ہو چکا ہے۔ ہندی ایڈیشن کا کام بھی شروع کیا جا چکا ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خُدا کی ہستی

دین و مذہب کے سلسلہ کی بنیاد اس حقیقت کے ماننے پر قائم ہوتی ہے کہ ہمارا اور ساری کائنات کا کوئی پیدا کرنے والا ہے اور وہی اپنی قدرت اور حکم سے اس سارے جہان کو چلا رہا ہے اگر کوئی شخص اس بُنیاد ہی کو نہ مانے تو اس کے نزدیک دھرم اور دین کے سلسلہ کی تمام باتیں بے وقوف انسانوں کے "توہمات" ہیں۔

بہرحال خدا کی ہستی کا مسئلہ دین و مذہب کا پہلا بنیادی مسئلہ ہے اور کوئی دینی دعوت ان ہی لوگوں کو دی جاسکتی ہے جو پہلے اس بُنیاد کو تسلیم کرلیں۔ مگر چونکہ واقعہ یہ ہے کہ خدا کی ہستی کا علم انسانوں کے لئے خود اپنی ہستی کے علم کی طرح بالکل فطری اور بدیہی ہے جس کے لئے کسی دلیل و برہان کی ضرورت نہیں، اور اسی لئے دُنیا کی عام انسانی آبادی ہمیشہ سے اس بُنیاد کی ماننے والی رہی ہے حتیٰ کہ ہمارے اس دَور میں بھی جس کو لادینیت اور دہریت کا دَور کہا جاتا ہے۔ انسانوں کی غالب ترین اکثریت اللہ کی ہستی کو ماننے والی ہی ہے۔ اس لئے قرآن مجید نے اپنی دعوت کے سلسلہ میں اس مسئلہ پر براہِ راست زیادہ بحث نہیں کی۔ لیکن پھر بھی جا بجا اس نے اشاروں ہی اشاروں میں اس مسئلہ پر ایسے دلائل و براہین قائم کئے ہیں جو ہر اس شخص کے دل میں خدا کی ہستی کا یقین پیدا کرنے کے لئے بالکل کافی ہیں جس کے ہوش و حواس صحیح و سالم ہوں اور جس نے اپنی عقل و بصیرت کی آنکھوں کو بالکل پھوڑ نہ لیا ہو۔

ہاں! اس سلسلہ میں یہ ایک بات پہلے سمجھ لینے کی ہے کہ قرآن پاک خدا کی ہستی (اور اسی طرح دوسری ایمانی حقیقتوں) کو منوانے کے لئے منطقیوں کے طریقے پر بحث و مناظرہ نہیں کرتا ہے جس کے مقابلہ میں مخاطب اگرچہ لاجواب ہو جائے لیکن اس کے دل میں اس سے یقین کی ٹھنڈک پیدا نہیں ہوسکتی بلکہ قرآن پاک کا طریقہ یہ ہے کہ وہ انسانوں کی صحیح اور سلیم فطرت سے اپیل کرتا ہے کہ کائنات کا نظام جس کو تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو، بلکہ تم خود اسی کے ایک جزء ہو۔ اس میں ذرا غور و فکر کرو تم خود حقیقت کو پالو گے اور جو تم کو بتلایا جا رہا ہے اس کی کھلی نشانیاں بچشم خود دیکھ لو گے اور تمہارا یہ غور و فکر اور مطالعہ

ہی یقین واطمینان کی ٹھنڈک تمہارے دلوں میں پیدا کر دے گا۔ اس تمہید کو ذہن میں رکھ کر ذرا پڑھئے۔ قرآن مجید کی یہ آیتیں :-

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ○ (البقرۃ - ع ۲۰)

"بلاشبہ آسمان وزمین کی ساخت میں اور رات دن کے یکے بعد دیگرے آنے میں اور اُن کشتیوں جہازوں میں جو انسانوں کے کام کی چیزیں لے کر دریاؤں اور سمندروں میں چلتے پھرتے ہیں اور اس بارش میں جسے اللہ آسمان سے برساتا ہے پھر اس سے زمین کو ایک زندگی بخشتا ہے بعد اس کے کہ وہ مُردہ ہو چکی ہوتی ہے اور اسی کے ذریعہ ہر قسم کے جاندار زمین کی وسعت میں پھیلا دیتا ہے اور ہواؤں کے بدلنے میں اور اُن بادلوں میں جو آسمان وزمین کے درمیان مسخر رہتے ہیں (تو ان سب چیزوں میں جن کو سب آنکھوں والے انسان اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ عقل سے کام لینے والے لوگوں کے لئے کھلی نشانیاں ہیں"

قرآن مجید نے یہاں آسمان وزمین کی ساخت، رات دن کی آمد ورفت کے مقررہ نظام، سمندروں میں جہازوں کی چلت پھرت، بارش اور اس کے آثار ونتائج ہواؤں کے تغیرات اور آسمان وزمین کے درمیان ایک خاص نظام کے تحت رہنے والے بادلوں کی طرف اشارہ کر کے انسانوں سے کہا ہے کہ ان چیزوں میں غور کرو۔ اگر تم عقلِ سلیم سے کام لو گے تو ان میں کی ہر چیز تمہیں زبانِ حال سے صاف صاف بتائے گی کہ وہ جو کچھ ہے اور جس حال میں ہے، آپ سے آپ نہیں بنی ہے بلکہ کسی حکیم وخبیر اور کامل القدرت ہستی نے اُسے ایسا بنا دیا ہے۔ پھر سورۃ انعام میں ارشاد ہے :-

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰی تُؤْفَكُوْنَ ○ (الانعام - ع - ۱۲)

"یقیناً اللہ تعالیٰ ہے دانے اور گٹھلی کا پھاڑنے والا، وہ زندہ کو مُردہ سے نکالتا ہے اور مُردہ کو زندہ سے نکالنے والا ہے، یہ سب کچھ کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے، پھر تم کدھر بہکے چلے جا رہے ہو"

قرآن کہتا ہے کہ تم دیکھتے ہو کسی اناج کے ایک دانے یا کسی پھل کی گٹھلی کو زمین میں دفن کر دیا جاتا ہے، نہ اُس دانے یا گٹھلی میں کوئی شعور و احساس ہے، نہ زمین میں اور نہ ان میں سے کسی میں ارادہ کی کوئی طاقت ہے، یہ سب چیزیں بالکل بے جان ہیں لیکن چند دنوں کے بعد کسی نظر نہ آنے والی طاقت کا مخفی ہاتھ زمین کے اندر ہی اندر اُس دانے اور گٹھلی کو پھاڑتا ہے اور اس میں سے نہایت نرم و نازک ایک ریشہ نکلتا ہے۔ پھر وہ اپنے اوپر والی مٹی کی تہوں کو چیرتا ہُوا اُوپر نمودار ہو جاتا ہے، تو ذرا سوچو کہ مٹی میں دفن شدہ اس بے جان دانے یا گٹھلی کو کس نے پھاڑا ؟ کس نے اس میں سے وہ جاندار اکھوا نکالا۔ پھر سُوت کے دھاگے جیسے نرم و نازک اس اکھوے نے کس کی طاقت سے زمین کو چیر ڈالا ؟

کیا تمہاری عقل میں یہ آسکتا ہے کہ اُس بے جان دانے یا گٹھلی نے یہ سارے کام خود کر لئے ؟ یا بغیر کسی کرنے والے کے آپ سے آپ یہ سب کچھ ہو گیا۔ ہرگز نہیں ! یہ سب ایک حکمت و قدرت والی ہستی نے کیا اور وہ ہستی خدا کی ہستی ہے۔ اِنَّ اللہ فالق الحب والنویٰ۔

اور اس کی قدرت صرف بے جان دانے اور گٹھلی ہی کے ساتھ یہ عمل نہیں کرتی ہے بلکہ اور بھی کتنی بے جان چیزوں سے وہ جاندار چیزیں پیدا کرتا ہے اور اسی طرح کتنی ہی جاندار چیزوں سے بے جان چیزوں کو برآمد کرتا ہے۔ اور تم یہ سب دیکھتے ہو مثلاً بے جان انڈوں سے جاندار بچوں کا نکلنا بھی دیکھتے ہو اور جانداروں میں سے بے جان مادوں کے برآمد ہونے کا بھی مشاہدہ کرتے ہو۔ خدا کی قدرت کی یہ کیسی کھلی کھلی نشانیاں تمہارے سامنے ہیں، پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے تم کیوں اور کدھر بہک رہے ہو ؟ اور سورۂ رعد میں ارشاد ہے :۔

وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَّنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ط (سورہ رعد۔ ع ۱)

" اور دیکھو زمین میں مختلف قطعے ہیں جو باہم ملے ہوئے اور پاس پاس ہیں اور انگوروں کے باغات ہیں اور غلّہ کے کھیت ہیں اور کھجور کے درخت ہیں، ان میں کچھ ایسے ہیں جو جڑ سے دوسرے درخت کے ساتھ جڑے ہوتے ہیں اور کچھ ایسے جو اس طرح جڑے نہیں ہوتے۔ ان سب چیزوں کو ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے اور پھر ان میں سے بعض کو بعض پر ہم مزہ میں فوقیت اور برتری دیتے ہیں۔ اس سب میں بڑی

نشانیاں ہیں عقل سے کام لینے والوں کے لئے۔"

قرآن کہتا ہے، زمین جس پر تم چلتے ہو اور جس سے تمہاری غذا پیدا ہوتی ہے، ذرا اس کی اس حالت پر تو غور کرو کہ اس کے باہم ملے ہوئے قطعوں میں بسا اوقات کیسا کیسا فرق ہوتا ہے، ایک زیادہ پیداوار والا ہے، دوسرا کم پیداوار والا مثلاً ایک گیہوں کی کاشت کے لئے زیادہ مناسب ہے اور دوسرا مثلاً کپاس یا ایکھ کی کاشت کے لئے، پھر کسی ٹکڑے میں انگور کی بیلیں ہیں اور اُن سے انگور اترتے ہیں اور اسی کے برابر والے دوسرے ٹکڑے میں مثلاً غلہ کا کھیت ہے جس میں سے غلہ پیدا ہوتا ہے اور ساتھ ہی کے تیسرے ٹکڑے میں کھجور کے درخت ہیں اور وہ بھی سب یکساں نہیں بلکہ مختلف طرح کے ہیں۔ الگ الگ اکہرے اکہرے بھی ہیں اور ایک ہی جڑ سے نکلے ہوئے کئی کئی جڑے ہوئے بھی ہیں۔ پھر حال یہ ہے کہ سب کو ایک پانی ملتا ہے، ایک ہی ہوا لگتی ہے، ایک ہی سورج کی شعاعیں سب پر پڑتی ہیں۔ اس کے باوجود ان کی ظاہری شکل وصورت کے علاوہ ان کے ذائقوں میں بھی کتنا فرق ہے۔ کیا یہ فرق، یہ چھوٹائی بڑائی اور یہ اونچ نیچ آپ سے آپ ہے کسی ارادہ اور قدرت کے عمل کے بغیر یوں ہی خود بخود ہو رہا ہے؟

ہرگز نہیں! قطعات زمین کے اس کیفیاتی فرق واختلاف میں اور اس کی پیداوار کی اس رنگارنگی میں عقل وبصیرت سے کام لینے والوں کے لئے کھلی نشانیاں موجود ہیں جن سے وہ اصل حقیقت کے بارے میں یقین حاصل کر سکتے ہیں اور جس کی حکمت وقدرت سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے اس کو جان سکتے ہیں؟ اور سورۃ عبس میں ارشاد ہے:۔

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ ۝ أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ۝ ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ۝ فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ۝ وَعِنَبًا وَقَضْبًا ۝ وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ۝ وَحَدَائِقَ غُلْبًا ۝ وَفَاكِهَةً وَأَبًّا ۝ (سورۃ عبس)

"انسان ذرا اپنی غذا پر نظر ڈالے اور اس میں غور کرے، ہم پہلے زمین پر پانی برساتے ہیں، پھر اُس زمین کی سطح کو شق کرتے ہیں، پھر ہم اس میں غلہ، انگور، ترکاریاں، زیتون کھجور کے درخت اور گنجان باغ اور میوے اور جانوروں کے لئے چارہ پیدا کرتے ہیں۔"

پس ہماری پیدا کی ہوئی ان غذاؤں کو استعمال کرنے والے انسان کو چاہیئے کہ وہ سوچے کہ یہ غلہ جس سے تیار کی ہوئی روٹی میں کھاتا ہوں اور یہ ترکاریاں اور یہ طرح طرح کے میوے اور یہ پھل اور ہمارے

جانوروں کے کام آنے والے یہ چارے، یہ سب چیزیں کہاں سے آتی ہیں اور کون ان کو پیدا کرتا ہے جس پانی سے یہ سب چیزیں پیدا ہوتی ہیں وہ کون برساتا ہے۔ اور پھر کس کے حکم اور کس کی قدرت سے زمین کے اندر دبے ہوئے دانوں یا گٹھلیوں سے ان چیزوں کے پودے اُگتے ہیں اور بالکل ابتدا میں زمین میں سے ان پودوں کے نکلنے کے لئے کون سطح زمین کو ان کے واسطے چیر دیتا ہے، تو انسان اگر حقیقت کا طالب بن کر اپنی غذا ہی پر غور کرے گا تو وہ حقیقت کو پالے گا اور غذا کے خالق کا، اور اس کی قدرت و حکمت کا اس کو علم حاصل ہو جائے گا۔ اور سورۂ نحل میں ارشاد ہے:۔

وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝ (سورۂ نحل ع ۔ ۵)

"اور تمہارے لئے تمہارے مویشیوں میں بھی غور و عبرت کا سامان ہے، ہم تم کو اُن کے پیٹ میں سے خون اور غلیظ فضلہ کے درمیان سے پاک صاف دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لئے بڑا خوشگوار ہوتا ہے۔"

قرآن کہتا ہے کہ جن مویشیوں کا تم دودھ پیتے ہو ذرا اُن ہی میں تم غور کرو، ان کے پیٹ میں خون کی نالیاں ہیں، غلیظ فضلہ کے رہنے کی جگہ اور اس کے راستے ہیں۔ اور کوئی لمحہ ایسا نہیں ہوتا کہ ان مویشیوں کے جسم میں سرخ ناپاک خون اور بدبودار غلیظ فضلہ کی کافی مقدار بھری نہ رہتی ہو۔ لیکن ان مویشیوں کے جسم کے جن حصّوں میں خون اور غلاظت بھری رہتی ہے۔ اسی کے قریب سے لطیف اور صاف دودھ نکلتا ہے۔ جس میں نہ خون کے رنگ کا کوئی شائبہ ہوتا ہے اور نہ غلیظ فضلہ کی بدبو کا کوئی اثر، وہ پینے والوں کے لئے کیسا خوشگوار، خوشذائقہ اور نفیس مشروب ہے تم خود اس کو جانتے ہو۔ تو ذرا سوچو کہ یہ کس کی کاریگری ہے؟ کیا جس گائے یا بھینس میں سے یہ دودھ نکلتا ہے، یہ اس کا فعل ہے؟ کیا کسی انسانی عقل نے دودھ کی یہ عجیب و غریب زندہ مشین بنائی ہے نہیں ہرگز نہیں! یہ صرف اس حکیم و خبیر ہستی کی قدرت کا کرشمہ ہے جس نے اس ساری دُنیا کو اور تم کو بھی پیدا کیا ہے۔

اور ایک موقع پر سوالیہ انداز میں "خدا کی ہستی" ہی کے متعلق نہایت مختصر لفظوں میں کتنی بلیغ اور کیسی تشفی بخش بات کہی گئی ہے۔ ارشاد ہے:۔

اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ (سورۂ ابراھیم ع ۲)

"کیا تمہیں اس اللہ کی ہستی میں شک ہے جو تمام آسمان و زمین (اور اُن کے اندر کی ساری کائنات) کا بنانے والا ہے"۔

اس مختصر سے سوالیہ جملہ کے ذریعے قرآن پاک نے انسانوں کے غور و فکر کے لئے اُن کے سامنے زمین و آسمان کی ساری وسعتیں رکھ دی ہیں۔

آنکھوں والا انسان آسمان کو دیکھتا ہے، چاند، سورج، ستاروں کو دیکھتا ہے، ان کی روشنی اور اُن کی گرمی یا خنکی کو دیکھتا ہے، زمین کو اپنے نیچے پاتا ہے، اس میں باغات دیکھتا ہے کھیتیاں دیکھتا ہے، اس سے پیدا ہونے والا غلہ اور میوے پھل کھاتا ہے۔ اُس کے خوش رنگ پھول دیکھتا ہے اور اُن کی خوشبو سونگھتا ہے۔ اس سے پیدا ہونے والی بے شمار چیزوں کو استعمال کرتا ہے اور اُن کے عجیب و غریب خواص اور منافع سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

پھر جب تک کہ اس کی عقل بالکل مسخ نہ ہو جائے وہ یہ نہیں سوچ سکتا کہ یہ سب چیزیں خود اپنے ارادہ اور فیصلہ سے ایسی بن گئی ہیں۔ وہ یہ بھی نہیں سوچ سکتا کہ کسی فلسفی یا صناع انسان کی فلسفہ دانی یا کاریگری کے یہ سب کرشمے ہیں۔ اس کی سلیم عقل و بصیرت اس کے سوا کسی توجیہہ کو قبول ہی نہیں کر سکتی کہ یہ سب کسی حکیم و خبیر ہستی کی قدرت اور صنعت کا کرشمہ ہے۔

اور سورہ ذاریات میں ارشاد ہے:۔

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ وَفِي أَنفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ۝

(ذاریات ع ۱)

"اور یقین لانے والوں کے لئے زمین میں بہت سی نشانیاں موجود ہیں اور خود تمہارے اندر میں موجود ہیں، پھر کیا تم کو دکھلائی نہیں دیتا"۔

یہاں انسانوں سے کہا گیا ہے کہ زمین و آسمان میں ہماری قدرت کی جو نشانیاں ہیں ان کے علاوہ خود تمہارے اندر ہماری نشانیاں موجود ہیں۔ تم اگر اپنی فطری بصیرت سے کام لو تو خود اپنے وجود اور اپنے نظام زندگی میں غور کر کے یقین حاصل کر سکتے ہو۔

واقعہ یہ ہے کہ انسان اگر صرف اپنے وجود، اپنے اعضاء اور اپنے نظام زندگی ہی پر غور کرے تو فاطر ہستی کے بارے میں اُسے ہرگز کوئی شک و شبہ نہ رہے۔ وہ اپنی ابتداء کو سوچے، رحم مادر میں میری یہ صورت کس نے بنائی؟ میرے قالب میں یہ روح کہاں سے آئی؟ میری زندگی کے یہ سامان

کس نے پیدا کئے۔ میری آنکھ میں روشنی کس نے ڈالی ؟ میرے کان کے پردوں میں آوازیں سُننے کی قابلیت کس نے رکھ دی ؟ میری ناک کے غدودوں کو خوشبُو اور بدبُو کا یہ احساس کس نے دیا؟ میری زبان اور میرے تالو میں یہ چٹخارہ اور ذائقہ کس نے رکھ دیا؟ جس سے کھانے پینے کے سارے لُطف ہیں ؟ اور مجھے یہ گویائی کی قوت کس نے دی ؟

کیا میرے ساتھ یہ مہربانیاں میری ماں نے کیں ؟ میرے باپ نے کیں ؟ کیا میرے ان کاموں کے لئے کسی ڈاکٹر کی خدمات حاصل کی گئیں ؟ کیا مَیں نے خود اپنے آپ کو ایسا بنا لیا ؟

ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے اور یہ سوچنا تو اور بھی زیادہ غلط ہو گا کہ مَیں اپنے یا کسی اور کے ارادہ کے بغیر ہی آپ سے آپ ایسا بن گیا ۔

پس حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ایک بڑی حکیم وخبیر اور بڑی کامل القدرت ہستی نے مجھے پیدا کیا ہے اور یہ سب مہربانیاں میرے ساتھ اُسی نے اور صرف اُسی نے کی ہیں ۔

فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ ؕ

خُدا کی صفات

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا اللہ تعالیٰ کی ہستی کا علم تو انسانوں کے لئے ایک وجدانی، فطری اور بدیہی علم ہے۔ یعنی صرف اتنی سادی سی حقیقت کہ ہمارا اور اس کائنات کا کوئی پیدا کرنے والا اور چلانے والا ہے۔ ہر آدمی کے لئے یہ اتنی ہی روشن اور اتنی ہی یقینی ہے جتنی کہ اس کی نظر میں خود اپنی ہستی اور اپنا وجود ——— لیکن آگے یہ بات کہ وہ ہستی کیسی ہے؟ اور اس کی صفات کیا ہیں؟ اگرچہ اس کا جاننا ہمارے لئے ضروری ہے (کیونکہ اس کے بغیر نہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو سکتی ہے اور نہ ہم اس کے ساتھ اپنے تعلق کی نوعیت کو جان سکتے ہیں) لیکن انسان بطورِ خود اس کی دریافت سے عاجز ہے ۔ الغرض انسان کے لئے جن چیزوں کا جاننا ضروری ہے اور جن کا صحیح علم حاصل کرنے میں وہ اللہ کے پیغمبروں اور اللہ کی کتابوں کی رہنمائی کا محتاج ہے، ان میں سے ایک صفاتِ الٰہی کا مسئلہ بھی ہے۔

نزولِ قرآن کے وقت اللہ کی ہستی کا عقیدہ تو قریب قریب سب قوموں میں اور سب مذاہب میں موجود تھا لیکن اس کی صفات کا صحیح تصور کہیں بھی نہیں تھا اور اس بارے میں دنیا بڑی سخت غلطیوں اور گمراہیوں میں مبتلا تھی۔ اس وقت کے بڑے بڑے مذاہب اور اُن کی ماننے والی قومیں اور اُن کی بنیادی کتابیں آج بھی موجود ہیں یا کم سے کم اُن کے بارے میں گواہی دینے والی تاریخ موجود ہے۔ تھوڑا سا وقت اور تھوڑی سی محنت صرف کر کے دیکھا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق ان کے تصورات کتنے غلط اور کتنے پست تھے اور اُن مذہبوں یا فلسفوں کے ماننے والے جو اب تک دنیا میں موجود ہیں وہ صفاتِ الٰہی کے بارے میں کیسی کیسی گمراہیوں میں آج تک بھی مبتلا ہیں۔ بہرحال قرآن مجید نے اپنی دعوت و تعلیم کے ذریعے اقوام و مذاہب کی جن سنگین غلطیوں کی اصلاح اور تصحیح کی ہے ان میں سے ایک صفاتِ الٰہی کا مسئلہ بھی ہے۔

قرآن مجید نے اس بارے میں جو کچھ دنیا کو بتایا ہے، اس کی صحیح قدر و قیمت جاننے کے لئے بلکہ اس کو سمجھنے کے لئے بھی کم از کم اجمالاً ہی یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ دنیا کے اقوام و مذاہب نزولِ قرآن کے وقت خدا کی صفات کے بارے میں کیسی غلط فہمیوں اور گمراہیوں میں مبتلا تھے، اور

خدا کو کیسا سمجھتے تھے؟ تفصیل تو ان مذاہب کی تاریخ سے متعلق کتابوں ہی میں دیکھی جا سکتی ہے، یہاں تو ہم بس اُن چند اصولی گمراہیوں کا ذکر کرتے ہیں جن میں نزولِ قرآن کے وقت خدا کی ماننے والی دُنیا عام طور سے مبتلا تھی۔

بہت سی قومیں اس دُنیا کو ایک خدا کی پیدا کی ہوئی دُنیا ماننے کے باوجود اس وہم میں مبتلا تھیں کہ جس طرح دنیا میں ایک بادشاہ یا راجہ ہوتا ہے لیکن ملک اور حکومت کے کام زیادہ تر وہ خود نہیں کرتا بلکہ اُس کے وزراء اور دیگر ماتحت لوگ کرتے ہیں اور جس طرح چاہتے ہیں کرتے ہیں اسی طرح خدا کا بھی معاملہ ہے کہ اس دُنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ سب براہِ راست خدا خود نہیں کرتا بلکہ اس کی مقرب کچھ اعلیٰ روحانی ہستیاں (دیوی دیوتا) ہیں جن کو اس نے بہت سے کام اور بہت سے اختیارات سپرد کر رکھے ہیں اور اُن کاموں کو وہی انجام دیتے ہیں۔ وہ جس سے راضی ہوں اُسے نہال اور خوشحال کر دیتے ہیں اور جس سے ناراض ہوں اُسے تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔ اور اسی لئے لوگوں کی بھلائی یا برائی کا تعلق عملی طور پر ان ہی دیویوں اور دیوتاؤں کی خوشی یا ناخوشی سے ہے۔

نیز اسی قسم کی گمراہیوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ جس طرح دُنیا کے بادشاہوں، راجوں اور مہاراجوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ بعض لوگوں سے رشتہ قرابت کا یا پیار و محبت کا ایسا تعلق ہوتا ہے کہ وہ اُن کی کسی خواہش اور کسی سفارش اور کسی بات کو رد نہیں کر سکتے بلکہ جو وہ چاہیں وہی کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح معاذ اللہ خدا کا بھی بعض خاص ہستیوں سے ایسا تعلق ہے کہ جو وہ خدا سے کرانا چاہیں وہ خدا کو چار و ناچار کرنا ہی پڑتا ہے۔

بعض قوموں کی گمراہی یہ تھی کہ وہ خدا کا تصور مادی شکل و صورت اور مادی صفات کے ساتھ کرتی تھیں اور سمجھتی تھیں کہ مثلاً غم و مسرت اور رنج و راحت جیسے طبعی حالات جو انسانوں پر آتے ہیں، یہ سب خدا پر بھی آتے ہیں، اور انسانوں پر ان حالات کے جو اثرات پڑتے ہیں وہی خدا پر بھی پڑتے ہیں اور انسان ان حالات سے متاثر ہو کر جیسے کام کرتا ہے ویسے ہی افعال اللہ تعالیٰ سے بھی سرزد ہوتے ہیں۔

عام مُشرک اور بُت پرست قوموں کے خیالات اللہ کے بارے میں کچھ ایسے ہی تھے اور اُن کے شرک کی بنیاد اُن ہی غلط اور گمراہانہ خیالات پر تھی۔

ان کے علاوہ بعض قومیں خدا کو قہر و غضب اور جلال و جبروت سے بھرپور ایک ایسے مطلق العنان بادشاہ کی طرح سمجھتی تھیں جس کا کوئی اصول اور آئین نہ ہو اور جو غصہ اور ناراضی کے وقت اپنے غیظ و غضب کی تسکین کے لئے لوگوں پر بے حساب تباہیاں اور بربادیاں نازل کرتا ہو اور رحم اور درگزر سے اس کی فطرت خالی ہو۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو ان سب گمراہیوں کی بلکہ ان کے علاوہ اور بھی جو گمراہیاں اللہ کی صفات کے بارے میں اقوام و مذاہب میں تھیں (اور اسی طرح جو آج بھی ہیں) ان سب کی یا کم از کم ان میں سے اکثر کی اساس و بنیاد صرف یہ ہے کہ دنیا کی نظر میں سب سے بڑی چیز بادشاہی تھی اور سب سے بڑی ہستیاں بادشاہوں کی تھیں، اس لئے جو باتیں اور صفتیں بادشاہوں میں ہوتی تھیں اُن ہی کو زیادہ بڑے اور اونچے پیمانے پر خدا میں مان لیا گیا تھا اور الوہیت کو شاہیت سمجھنے کے اس مغالطے کا ہی یہ نتیجہ نکلا کہ خدا کا تصور عام طور سے بس قہر اور غضب اور جلال و جبروت ہی کے ساتھ کیا جاتا تھا اور اس کو دہشت اور خوف ہی کی چیز سمجھا جاتا تھا اور اس سے بس ڈرا ہی جاتا تھا۔

حضرت مسیح علیہ السلام نے نزولِ قرآن سے کئی صدی پہلے اسی غلطی کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت پر بہت زیادہ زور دیا اور اس کو سمجھانے کے لئے (جیسا کہ انجیل سے معلوم ہوتا ہے) باپ کی محبت و شفقت کی تمثیل و تعبیر سے کام لیا۔ لیکن کچھ مدت کے بعد اُن کی ماننے والی امت کی کجروی نے اسی سے ابنیت اور کفارہ کے عقیدے پیدا کر لئے۔ بہر حال مسیحی اُمت میں ابنیت اور کفارہ کے عقیدے صفاتِ الٰہی کے غلط تصور ہی سے پیدا ہوئے۔

الغرض خدا کی صفات کے بارے میں اس قسم کی غلطیوں اور گمراہیوں میں نزولِ قرآن کے وقت دنیا کی عام قومیں اور اُمتیں مبتلا تھیں۔ اب ذرا دیکھئے کہ قرآن نے آکر اس بارے میں دنیا کو کیا بتلایا؟ سورۃ فاتحہ جس سے قرآن مجید شروع ہوتا ہے اس میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی صفات کی رونمائی اس طرح کرائی گئی ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝	ساری حمد و ستائش اُس اللہ ہی کے لئے ہے جو سب کائنات کا پروردگار ہے۔
الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝	بیحد رحمت کرنے والا اور نہایت مہربان ہے۔"

مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۔ "جزا اور انصاف کے دن کا مالک ہے"۔

پہلی صفت (رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ) نے یہ بتلایا کہ کائنات کے ساتھ اللہ کا تعلق صرف یہی نہیں ہے کہ وہ اس کا خالق اور پیدا کرنے والا ہے بلکہ پیدائش کے بعد جس کو جو کچھ بھی مل رہا ہے اور جس طرح بھی اس کی پرورش ہو رہی ہے، وہ سب براہِ راست اُسی کی طرف سے ہے، وہی سب کی تربیت اور پرورش کر رہا ہے حتیٰ کہ درختوں کو بظاہر ہوا، پانی اور زمین سے جو غذا ملتی ہے جس سے اُن کی حیات اور ان کی نشوونما ہے اور بچہ کو ماں کے پستانوں سے جو دُودھ ملتا ہے تو یہ سب بھی درحقیقت اللہ تعالےٰ کی ہی ربوبیت ہے اور اصل دینے والا وہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اُس نے ایسا نہیں کیا ہے کہ خود پیدا کر کے اور وجود دے کر پرورش (یعنی ضروریات مہیا کرنے کا کام) کسی اور کے سپرد کر دیا ہو، بلکہ جس طرح پیدائش اُسی کے پیدا کرنے سے ہے، اُسی طرح سب کی پرورش بھی اسی کی طرف سے ہو رہی ہے اور اس کی ربوبیت اور پروردگاری کا کائنات کے ہر ذرہ سے براہِ راست تعلق ہے۔

دوسری اور تیسری صفت (اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ) نے بتلایا کہ جس خدا کو لوگوں نے صرف قہار اور جبار سمجھ رکھا ہے، وہ تو بے حد رحمت والا اور نہایت ہی مہربان ہے اور مخلوق کو وجود بخشنا اور پھر اس کی پرورش کرنا اور اس کی ضروریات مہیا کرتے رہنا اس کی رحمت ہی کا کرشمہ ہے اور رحمت کی صفت اس میں اتنی ہے کہ اُس کے بیان کرنے کے لئے "الرحمٰن" کہنے کے بعد "الرحیم" کہنے کی بھی ضرورت ہے۔

چوتھی صفت (مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ) نے بتلایا کہ سب کا پروردگار اور رحمان و رحیم ہونے کے ساتھ وہ عادل اور انصاف کرنے والا بھی ہے۔ اور اس کی صفت کا پورا پورا ظہور اس دن ہوگا جو خالص انصاف اور جزا و سزا ہی کا دن ہوگا۔ گویا اس تیسری صفت کو بیان کر کے سب کو خبردار کر دیا گیا کہ اسکی پروردگاری اور انتہائی رحمت اور مہربانی کا کوئی یہ مطلب نہ سمجھے کہ وہ مجرموں کو بھی سزا نہ دے گا اور اس ماں کی طرح جو نالائق بیٹے پر بھی پیار کرنے پر اپنی مامتا سے مجبور ہوتی ہے، مجرموں اور نافرمانوں پر بھی وہ رحمت ہی کرے گا۔ ایسا نہیں ہے بلکہ ربّ اور الرحمٰن اور الرحیم ہونے کے ساتھ وہ جزا سزا دینے والا بھی ہے اور ایک آنے والے دَور میں اس کی اس صفت کا ایسا ظہور ہونے والا ہے کہ وہ پورا دَور ہی صرف جزا و سزا کا دَور ہوگا۔ یعنی وہ دنیا نہ کھانے کمانے کی دُنیا ہوگی نہ عبادت کرنے کی دُنیا ہوگی، بلکہ

صرف جزا و سزا اور انصاف و عدالت کی دنیا ہو گی۔ اسی لئے اُسے "یَوْمِ الدِّیْن" کہا گیا ہے۔

قرآن مجید نے اپنے بالکل ابتدائی ان چھوٹے چھوٹے تین بولوں میں اللہ تعالیٰ کی صفات کے متعلق جو کچھ بیان کر دیا ہے۔ اگر غور کیا جائے اور اسکی گہرائیوں میں اُترا جائے تو صرف اتنا بھی ناکافی نہیں ہے لیکن قرآن پاک چونکہ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہدایت ہے اور اس کے بعد کوئی آسمانی ہدایت نامہ آنے والا نہیں ہے' اس لئے اس قسم کے کسی بھی اہم مسئلہ میں اُس نے اختصار اور کفایت سے کام نہیں لیا ہے اور بلا مبالغہ ہزاروں جگہ (واقعۃً ہزاروں جگہ) اس میں خدا کی صفات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ چند آیتیں ہم یہاں بھی درج کرتے ہیں۔ ناظرین کی سہولت کے لئے ہم صفات کا عنوانات قائم کر کے اُن کے متعلق آیات درج کریں گے۔

اللہ تعالیٰ علیم کل ہے کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں

قرآن کریم بتلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چھوٹی بڑی اور کھلی چھپی چیز کا علم ہے وہ سب دیکھتا اور سنتا ہے۔ وہ ہر ایک کے قریب اور ہر ایک کے ساتھ ہے۔ سورۂ آل عمران میں ارشاد ہے:۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۝ (آل عمران ع ۱)

"اللہ تعالیٰ (علیم کل ہے) زمین اور آسمان کی کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔"

یہی بات کچھ اور اضافہ کے ساتھ سورۂ انعام میں یوں بیان فرمائی گئی ہے:۔

وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْأَرْضِ ۖ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ۝ (الانعام ع ۱)

"اور وہی ہے اللہ آسمانوں میں اور زمین میں (یعنی زمین و آسمان کی ساری کائنات کا وہی خدا ہے' وہی مالک اور رب ہے) وہ تمہاری چھپی اور کھلی سب باتوں کو جانتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اُس کو اس کا بھی پورا علم ہے۔"

نیز اسی سورۂ انعام میں اللہ تعالیٰ کی اسی صفت کو ایک آیت میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے:۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝ (الانعام ع ۹)

"وہ غیب اور شہادت سب کا جاننے والا ہے اور اس علم کل کے ساتھ حکمت بھی رکھتا ہے اور ہر چیز اور ہر بات سے ہر وقت باخبر رہنے والا ہے۔"

اور سورۂ قصص میں یہی مضمون اس طرح بیان فرمایا گیا ہے:۔

وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝ وَهُوَ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ لَهُ

الْحَمْدُ فِي الْأُولَىٰ وَالْآخِرَةِ ۖ وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝ (القصص ع-۷)

"اور تمہارا رب جانتا ہے اُن رازوں کو بھی جو وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں اور ان باتوں اور ان کاموں کو بھی جو وہ اعلانیہ کرتے ہیں اور وہی اللہ ہے اس کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں اُسی کے لئے ساری حمد اور ستائش ہے دُنیا اور آخرت میں اور اُسی کے ہاتھ میں حکم ہے اور تم سب کو اُسی کے پاس لوٹ کے جانا ہے"

اور سورۂ یونس میں ارشاد فرمایا :-

وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ ۚ وَمَا يَعْزُبُ عَن رَّبِّكَ مِن مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ۔ (یونس ع-۷)

"اور تم کوئی کام نہیں کرتے ہو مگر یہ کہ ہم تمہارے پاس اس وقت موجود ہوتے ہیں جب تم اس میں لگے ہوتے ہو (یعنی تم جو کچھ بھی کرتے ہو ہماری آنکھوں کے سامنے کرتے ہو اور تم اگرچہ ہمیں نہیں دیکھتے مگر ہم وہیں موجود ہوتے ہیں اور سب کچھ دیکھتے ہیں) اور زمین و آسمان میں کوئی ذرہ برابر چیز بھی تمہارے رب سے چھپی ہوئی نہیں ہے"

اور بندوں سے اپنا قرب بیان فرمانے کے لئے سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوا۔

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۝ (البقرہ ع-۲۲)

"اور اے پیغمبر! جب میرے بندے تم سے میری بابت دریافت کریں تو انہیں بتاؤ کہ میں اُن سے قریب ہی ہوں"

اور سورۂ قٓ میں فرمایا گیا :-

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ ۖ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ۔ (ق ع-۲)

"اور ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اُس کے جی میں جو وساوس اور خیالات آتے ہیں ہم ان کو بھی جانتے ہیں اور ہم اس کی شہ رگ سے زیادہ اس سے قریب ہیں"

اور سورۂ مجادلہ میں بندوں کے ساتھ اپنے اسی قرب و معیت کا بیان اس طرح فرمایا :-

مَا يَكُونُ مِن نَّجْوَىٰ ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَىٰ مِن ذَٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا (سورۂ مجادلہ ع-۲)

"کہیں نہیں ہوتا تین کا خفیہ مشورہ مگر اللہ ان کا چوتھا وہاں ہوتا ہے اور نہ پانچ کا، مگر اللہ ان کا چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس سے کم کا نہ زیادہ کا مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جہاں بھی وہ ہوں"۔
اور سورۂ نساء میں ایسے لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے جو آدمیوں سے شرم کرتے ہیں لیکن اللہ سے شرم نہیں کرتے۔ فرمایا گیا:۔

یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰہِ وَھُوَ مَعَھُمْ۔ (النساء ع-۱۶)

"وہ شرماتے ہیں لوگوں سے اور نہیں شرماتے ہیں اللہ سے، حالانکہ وہ ہر حال میں اور ہر وقت اُن کے ساتھ ہے"۔

ان آیات کے علاوہ قرآن پاک نے اتنے مقامات پر کہ اُن کا شمار کرنا بھی آسان نہیں، اللہ تعالیٰ کی اسی علم کُلی کی صفت کو علیم، خبیر، سمیع، بصیر، شہید، محیط کے الفاظ سے بیان کیا ہے، ان تمام آیات کا حاصل بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے، ذرہ ذرہ کو اس کا علم محیط ہے۔ کوئی چیز اور کسی کا کوئی عمل اور کوئی حال اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے کوئی چیز اُس کی قدرت سے باہر نہیں

اللہ تعالیٰ کے علمِ محیط اور علمِ کُلی کی طرح اس کے کمال قدرت کو بھی قرآن پاک نے طرح طرح سے اور اتنے مقامات پر بیان کیا ہے کہ اس سلسلہ کی آیات کا بھی شمار کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔
"اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ" اور "وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ"، قرآن مجید کی وہ آیتیں ہیں جن کو موقع بہ موقع بچاسوں جگہ دُہرایا گیا ہے اور بہت سے مقامات پر اس کی قدرت کے کمال کو دوسرے عنوانات سے بیان فرمایا گیا ہے۔ ذرا ذیل کی آیات پڑھئے:۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ط اِنْ یَّشَاْ یُذْھِبْکُمْ وَیَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ ہ وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ ہ۔ (ابراھیم ع ۳)

"کیا تم نہیں دیکھتے، نہیں جانتے کہ اللہ نے بنائے آسمان و زمین ٹھیک ٹھیک جیسا کہ بننے چاہئے تھے (اور اس میں یہ قدرت ہے کہ) اگر چاہے تو فنا کر دے تم کو اور لے آئے (تمہاری جگہ) نئی مخلوق اور اللہ کے لئے یہ ذرا بھی مشکل نہیں"۔
اسی کو سورۂ نساء میں یوں فرمایا گیا:۔

وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَکَفٰی بِاللّٰهِ وَکِیْلًا ۝ اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْکُمْ اَیُّهَا النَّاسُ
وَیَاْتِ بِاٰخَرِیْنَ ؕ وَکَانَ اللّٰهُ عَلٰی ذٰلِكَ قَدِیْرًا ۝ (النساء ع-۱۹)

"اور آسمان و زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ کا ہے اور اللہ کافی ہے کارساز، اے لوگو! اگر وہ چاہے تو تم کو فنا کر دے، اور تمہاری جگہ دوسروں کو لے آئے اور اللہ تعالےٰ کو اس پر پوری قدرت ہے۔"

اور سورۂ انعام میں فرمایا گیا ہے :-

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَکُمْ وَاَبْصَارَکُمْ وَخَتَمَ عَلٰی قُلُوْبِکُمْ مَّنْ اِلٰهٌ
غَیْرُ اللّٰهِ یَاْتِیْکُمْ بِهٖ ؕ (انعام ع-۵)

"اے پیغمبر! ان سے کہہ دو کہ بتاؤ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں لے لے اور تمہارے دلوں پر مُہر کر دے تو کون خدا ہے؟ اس کے سوا جو تمہیں یہ چیزیں لا دے۔"

اور سورۂ یٰسٓ میں اس کی قدرت کی کچھ نشانیاں ذکر کرنے کے بعد فرمایا :-

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ۝ فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ
مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ وَّاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ (یٰسٓ ع-۵)

"اس کا معاملہ یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کو کرنا چاہتا ہے تو اس کو بس کہتا ہے کہ "ہو جا" تو وہ ہو جاتی ہے۔ پس پاک ہے وہ ذات جس کے قبضہ میں تمام چیزوں کا اختیار ہے اور تم سب اُسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔"

اور سورۂ فاطر میں فرمایا :-

وَمَا کَانَ اللّٰهُ لِیُعْجِزَهٗ مِنْ شَیْءٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ اِنَّهٗ کَانَ عَلِیْمًا
قَدِیْرًا ۝ (فاطر ع-۵)

"اور اللہ نہیں ہے ایسا کہ زمین و آسمان میں کوئی چیز اُس کے بس سے باہر جا سکے، وہ سب کچھ جاننے والا اور ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔"

بہرحال قرآن مجید خالق ہستی کے متعلق جو کچھ لوگوں کو بتانا چاہتا ہے اور اس کی جن صفات سے انسانوں کو خاص طور سے روشناس کرانا چاہتا ہے اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کی قدرت وسیع اور بے انتہا ہے اور وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ اور اپنے کسی ارادہ کو پورا کرنے میں وہ نہ کسی کی مدد

کا محتاج ہے اور نہ اُسے آلات و اسباب کی ضرورت ہے۔ وہ صرف اپنی مشیت کے اشارہ سے اور صرف اپنے ارادہ اور فیصلہ سے سب کچھ کر سکتا ہے۔

وہی سب کا خالق و رازق اور پروردگار و کارساز ہے اور وہی اپنے حکم سے اس کارخانۂ ہستی کو چلا رہا ہے

قرآن مجید بڑے زور کے ساتھ اور بڑی تفصیل سے یہ بھی بتلاتا ہے اور دلوں میں اس کا یقین پیدا کرنا چاہتا ہے کہ ساری کائنات کو پیدا اور نیست سے ہست بھی خدا نے کیا ہے اور وہی اس کارخانۂ عالم کے سارے نظام کو بلا شرکت غیرے چلا رہا ہے۔ زندگی اور رزق وغیرہ زندگی کے جو سامان جس کو مل رہے ہیں وہ اللہ تعالیٰ ہی دے رہا ہے اور اس کے علاوہ کسی کے ہاتھ میں نہ زندگی ہے نہ زندگی کی ضروریات اور اس کے سامان ہیں، بلکہ وہی جس کو جب تک اور جتنا دینا چاہتا ہے دیتا ہے، اور جس کو دینا نہیں چاہتا نہیں دیتا۔ قرآن مجید کا کافی حصہ اسی مضمون سے متعلق ہے۔ چند آیتیں اس سلسلہ کی بھی یہاں پڑھ لیجئے۔ سورۂ اعراف میں فرمایا:-

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (اعراف ع ۔ ۷)

"سن لو! اسی کا کام ہے پیدا کرنا اور حکم چلانا، بابرکت ہے اللہ جو پروردگار ہے ساری کائنات کا۔"

اور سورۂ زمر میں فرمایا:-

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِيْلٌ ۝ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۝ (زمر ع ۔ ۶)

"اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز کا ذمہ دار ہے۔ زمین و آسمان (کے خزانے اور اُن) کی کنجیاں اُسی کے قبضہ اور تصرف میں ہیں۔"

اور سورۂ روم میں مشرکین سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:-

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَیْءٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ (الروم ع ۔ ۴)

"اللہ ہی وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا ہے اور وہی تمہارا رازق ہے، پھر (وقت آنے پر) وہی تم کو موت دے گا اور پھر تم کو وہی دوبارہ زندہ کرے گا۔ کیا تمہارے ان شریکوں میں (جن کو تم عبادت اور دعا میں خدا کے ساتھ شریک کرتے ہو) کوئی ہے جو ان کاموں میں سے کچھ بھی کر سکے۔ پاک ہے

وہ اللہ اور برتر ہے ان کے شرک سے اور شریکوں سے"۔

اور سورۂ شوریٰ میں فرمایا :۔

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ
اَزْوَاجًا ۚ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝ لَهٗ
مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ بِكُلِّ
شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ (الشوریٰ ع ۲)

"وہ اللہ زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے، اسی نے تم میں سے تمہارے واسطے جوڑے بنائے اور چوپایوں میں سے جوڑے بنائے، وہی تمہیں زمین میں پھیلا اور بڑھا رہا ہے، نہیں ہے اُس کی مثال کوئی، وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے (سب کی سنتا اور سب کو دیکھتا ہے) زمین و آسمان (کے خزانے اور اُن) کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں، جسے چاہتا ہے روزی میں وسعت دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگی کرتا ہے۔ وہ سب کچھ خوب جانتا ہے"۔

اور سورۂ ابراہیم میں فرمایا :۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاَخْرَجَ بِهٖ
مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ
لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ۝ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ
وَالنَّهَارَ ۝ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ۭ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا
اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۝ (ابراهیم ع ۔ ۵)

"اللہ ہی وہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو اور اُتارا آسمان سے پانی، پھر پیدا کئے اُس کے ذریعے غلّے اور میوے تمہاری روزی کے لئے اور تمہارے قابو میں کیا کشتیوں کو کہ اس کے حکم سے (تمہارے کاموں میں) سمندر میں رواں دواں رہتی ہیں اور اس نے تمہارے کام کا بنایا نہروں ندیوں کو (جن میں تم اپنی کشتیاں دوڑاتے ہو اور ان کے پانی سے اپنے بہت سے کام کرتے ہو) اور اُس نے تمہارے کام میں لگایا ہے سُورج اور چاند کو جو برابر ایک نظام کے مطابق چلتے رہتے ہیں (اور جن سے تمہارے بہت سے منافع وابستہ ہیں) اور اسی نے تمہارے کام کا بنایا ہے دن اور رات کو (یعنی اُس نے دن اور رات کا نظام ایسا قائم کیا جیسا

کہ تمہاری ضروریات اور مصالح کا تقاضا تھا، اور صرف یہی چیزیں تمہاری ضروریات کی اس نے نہیں بنائی ہیں بلکہ ان کے علاوہ بھی جو تمہاری زندگی کی ضروریات تھیں) اور زبانِ حال یا زبانِ قال سے جو کچھ تم نے اس سے مانگا اس میں سے تم کو اُس نے دیا۔ اور اسکے اسی فضل و کرم سے تمہاری زندگی کا نظام چل رہا ہے اور تم پر اس کے اتنے احسانات ہیں کہ اگر تم شمار کرو تو نہ کر سکوگے، واقعہ یہ ہے کہ انسان بڑا بے انصاف اور ناشکرا ہے"۔

اور سورۂ مومنون میں فرمایا :۔

وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۚ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ۝ وَهُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝ وَهُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ (المومنون ع ۔ ۵)

"وہی اللہ ہے جس نے تمہارے (سننے کے لئے) کان (دیکھنے کے لئے) آنکھیں اور (سوچنے سمجھنے کے لئے) دل پیدا کئے (مگر) تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو، اور وہی ہے جس نے تم کو (اس زندگی میں) زمین میں پھیلایا اور بڑھایا ہے، اور (یہاں سے جانے کے بعد) تم سب اسی کی طرف لے جائے جاؤ گے اور وہی ہے جو جِلاتا اور مارتا ہے (یعنی اُسی کے ہاتھ میں زندگی اور موت کا نظام ہے) اور اسی کا کام ہے رات دن کا الٹ پھیر اور یکے بعد دیگرے اُن کی آمد و رفت، تو کیا تم عقل و خرد سے بالکل کام نہیں لیتے (اور نہیں سوچتے کہ تمہارا رویہ اس خالق و مالک اور محسن کے ساتھ کیا ہونا چاہیئے"۔

اور سورۂ مومن میں ایک جگہ ارشاد فرمایا :۔

اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ قَرَارًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ ۖ فَتَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝

(مومن ۔ ع ۔ ۷)

"اللہ ہی ہے جس نے تمہارے واسطے زمین کو مستقر بنایا اور آسمان کو چھت کی طرح بلند کیا اور اس نے تمہاری صورت گری کی ایسی اچھی صورتیں بنائیں اور نفیس نفیس غذاؤں سے تمہیں رزق دیا۔ وہی اللہ تمہارا رب ہے، بڑی برکت اور عظمت والا ہے، جو ساری کائنات کا پروردگار ہے"۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ؕ (انعام ع - ۲۰)

"کہو! کیا اللہ کے سوا کسی اور کو میں اپنا رب بناؤں، حالانکہ وہی ہر چیز کا رب ہے اور اسی کی طرف سے سب کی پروردگاری ہو رہی ہے۔"

اور سورۂ جاثیہ میں ارشاد فرمایا :-

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَلَهُ الْكِبْرِيَاۤءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (جاثیہ ع - ۴)

"پس ساری حمد و ستائش صرف اللہ ہی کے لئے ہے (اور اس کے سوا کسی کے لئے حمد سزاوار نہیں کیونکہ تنہا وہی ہے) جو زمین و آسمان اور ساری کائنات کا رب ہے اور سب اسی کی پرورش سے فیض یاب ہیں۔ آسمان و زمین میں عظمت و کبریائی بھی صرف اسی کے لئے ہے اور وہ زبردست اور ہر کام اور فیصلہ حکمت سے کرنے والا ہے۔"

وہی ساری کائنات کا بادشاہ اور فرماں روا ہے سب کچھ صرف اسی کے اختیار میں ہے

یہ بھی قرآن مجید کے ان مضامین میں سے ہے جن کو اتنی کثرت سے بیان کیا گیا ہے کہ شمار بھی نہیں کیا جا سکتا۔ صرف نمونہ کے طور پر ذیل کی چند آیتیں پڑھ لیجئے۔ ارشاد ہے :-

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاۤءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاۤءُ ۖ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاۤءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاۤءُ ۖ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۝ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (آل عمران ع ۳)

"کہو! اے اللہ! سارے ملک اور ساری کائنات کے مالک! تو ہی ہے جس کو چاہے حکومت و بادشاہت دے اور جس سے چاہے چھین لے، جسے تو چاہے عزت دے اور جسے چاہے رسوائی اور ذلت دے، ہر خیر اور ہر قسم کی بھلائی تیرے ہی قبضہ اور اختیار میں ہے (اور صرف خیر اور بھلائی ہی نہیں بلکہ) ہر چیز (بھلی ہو یا بری) تیری قدرت میں ہے۔"

اور سورۂ توبہ میں فرمایا گیا :-

إِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ○ (توبہ ع - ۱۴)

”بے شک اللہ اور صرف اللہ ہی کی فرمانروائی اور بادشاہت ہے آسمان وزمین میں، وہی زندگی دیتا ہے اور وہی مارتا ہے اور اس کے سوا کوئی بھی تمہارا حمایتی اور مددگار نہیں ہے۔“

اور سورۂ مائدہ میں ارشاد فرمایا :-

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ۭ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ (مائدہ ع - ۱۶)

”آسمان وزمین اور اُن کے اندر کی ہر چیز کی بادشاہت اور حکومت اللہ ہی کے لئے ہے سب پر اُسی کی فرماں روائی ہے اور ہر چیز پر اُس کی قدرت ہے۔“

اور سورۂ شوریٰ میں اللہ تعالےٰ کی اُنہی ہمہ گیر بادشاہت اور قدرت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا :-

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ الذُّكُوْرَ ○ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَاۗءُ عَقِيْمًا ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ○ (شوریٰ ع - ۵)

”اللہ ہی کی حکومت اور اسی کا راج ہے آسمانوں اور زمین میں، پیدا کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے، جسے چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے عطا کرتا ہے، یا دونوں ان صنفوں، ذکور و اناث کو جمع کر دیتا ہے اور رکھتا ہے جس کو چاہتا ہے بے اولاد، وہ سب کچھ جاننے والا اور پوری قدرت والا ہے۔

اور سورۂ مومنون میں فرمایا :-

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ○ (مومنون ع - ۶)

”پس عالی شان اور برتر ہے وہ ہستی جو حقیقی بادشاہ ہے، اس کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں، عرشِ عظیم کا مالک ہے۔“

اور سورۂ فاطر میں اللہ تعالیٰ کی شان اور بندوں پر اُس کے انعامات تفصیل سے بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا :-

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ط وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ط اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ط وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ط وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ط يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ج وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ○ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ○ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ○ (فاطر ع-۲-۳)

"یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار، صرف اسی کی بادشاہی اور اسی کا اختیار ہے اور اس کے سوا تم جن سے دُعائیں کرتے ہو اور اپنی حاجتوں میں جن کو پکارتے ہو وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے جیسی کسی حقیر سے حقیر چیز کے بھی مالک اور مختار نہیں، اگر تم ان سے دُعا کرو تو وہ تمہاری دُعا نہ سنیں، اور اگر سُن بھی لیں تو قبول نہ کر سکیں (یعنی تمہارا کام نہ کر سکیں) اور قیامت کے دن وہ انکار کریں گے تمہارے اس شرک سے اور یہ باتیں نہیں بتلائے گا تم کو کوئی علیم و خبیر کی طرح، اے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو اور صرف اللہ ہی ہے جو غنی اور سب سے مستغنی ہے اور وہی لائق حمد ہے (اسے سب کچھ اختیار ہے) اگر چاہے تو تمہیں ایک دم فنا کر دے اور نئی مخلوق لے آئے اور اللہ کے لئے یہ کچھ مشکل بات نہیں۔

اور سورۂ فرقان میں اللہ تعالیٰ کی لاشریک حکومت و بادشاہی اور اولاد سے بھی اس کی پاکی بیان کرتے ہُوئے ارشاد فرمایا گیا :-

اَلَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ ۔ (فرقان ع-۱)

"وہ اللہ جس کی بادشاہی اور جس کا راج ہے آسمان و زمین میں اور اُس نے کسی کو اپنی اولاد نہیں بنایا اور کوئی نہیں اس کا شریک حکومت اور بادشاہت میں"۔

کسی اور کے اختیار میں کچھ بھی نہیں

اور کہیں کہیں اللہ تعالیٰ کی اسی شان اور صفت کے بیان میں یہ منفی عنوان اختیار کیا گیا ہے کہ اس کی خدائی میں اس کے سوا کسی کو کچھ بھی اختیار نہیں اور کوئی بھی ہستی اس کے سوا ایسی نہیں جس کے قبضہ اور اختیار میں کچھ ہو اور جو کسی کو کچھ دے سکے یا اس سے کچھ چھین سکے۔

مثلاً سورۂ احزاب میں فرمایا گیا :-

قُلْ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَعْصِمُکُمْ مِّنَ اللّٰہِ اِنْ اَرَادَ بِکُمْ سُوْٓءً اَوْ اَرَادَ بِکُمْ رَحْمَۃً ط وَ لَا یَجِدُوْنَ لَھُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا ۔ (احزاب ع - ۵)

" اے نبی ! آپ ان مشرکوں سے کہئے ، بتاؤ وہ کون ہے جو تمہیں اللہ سے بچا سکے ، اگر وہ کسی بُری حالت میں تمہیں مبتلا کرنا چاہے یا تمہارے ساتھ کچھ مہربانی کا ارادہ کرے اور نہیں پا سکتے وہ اللہ کے سوا اپنا کوئی حمایتی اور مددگار ۔"

اور سورۂ فاطر میں فرمایا :-

مَا یَفْتَحِ اللّٰہُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَۃٍ فَلَا مُمْسِکَ لَھَا وَمَا یُمْسِکْ فَلَا مُرْسِلَ لَہٗ مِنْۢ بَعْدِہٖ ط وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۝ (فاطر ع - ۱)

" اللہ اپنے بندوں کے لئے جس رحمت کا دروازہ کھولے اس کو کوئی روک سکنے والا نہیں ، اور وہ جو کچھ روکے اس کو کوئی جاری کر سکنے والا نہیں ، سوا اُس کے ، اور وہ زبردست اور حکمت والا ہے ۔"

اور سورۂ انعام میں فرمایا :-

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰہُ سَمْعَکُمْ وَاَبْصَارَکُمْ وَخَتَمَ عَلٰی قُلُوْبِکُمْ مَّنْ اِلٰہٌ غَیْرُ اللّٰہِ یَاْتِیْکُمْ بِہٖ ط ۔ (انعام ع - ۵)

" اے نبی ! آپ ان سے کہئے بتلاؤ اگر اللہ تعالےٰ تمہاری شنوائی کی طاقت اور تمہاری بینائیاں چھین لے اور تمہیں اندھا بہرا بنا دے اور تمہارے دلوں پر مہر کر دے (یعنی فکر و فہم کی صلاحیت سلب کرلے اور تمہاری عقلیں مسخ کر دے) تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو یہ چیزیں تمہیں دے سکے ۔"

اور سورۂ ملک میں فرمایا :-

اَمَّنْ ھٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُکُمْ اِنْ اَمْسَکَ رِزْقَہٗ ۔ (ملک ع - ۲)

" اگر اللہ تعالےٰ اپنا رزق روک لے اور بند کر دے تو وہ کون ہے جو تمہیں رزق دے سکے ؟"

پھر اسی سورہ میں چند آیتوں کے بعد فرمایا :-

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ٥

(ملک ع - ۲)

"اے نبیؐ! ان سے کہئے بتلاؤ کہ تمہارا پانی (جو کنوؤں کی تہہ سے نکلتا ہے) اگر غائب ہو جائے (یعنی اللہ تعالیٰ اُسے بالکل غائب اور معدوم کر دے) تو کون تمہارے لئے زمین کے سوتے کا پانی لا سکتا ہے"

اللہ تعالیٰ بڑی رحمت والا اور نہایت مہربان ہے، گناہوں کا بخشنے والا اور توبہ قبول کرنیوالا ہے

جیسا کہ چند ورق پہلے بیان کیا جا چکا ہے، اللہ تعالیٰ کے بارے میں بہت سی قومیں اس غلط فہمی میں مبتلا رہی ہیں کہ انہوں نے اس کو ایک جلالی شہنشاہ سمجھا جو قہر و غضب سے بھرپور ہے اور جس کو راضی اور خوش کرنا بڑا ہی مشکل ہے۔ گویا عام انسانوں کے بس کی بات ہی نہیں ہے اور جس کے پاس گناہ گار اور خطا کار بندوں کے لئے بس لعنت ہی لعنت ہے اور غضب ہی غضب اور عذاب ہی عذاب ہے۔

اور اگر وہ رحیم اور مہربان ہے بھی تو اس کی رحمت اور مہربانی بس کسی خاص خاندان یا خاص نسل اور قوم کے لئے محدود ہے، باقی ساری دُنیا کے لئے وہ بڑا سخت گیر اور جبار و قہار حاکم ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہی غلط فہمی اور گمراہی بہت سی قوموں کے شرک کا سبب بنی ہے۔ انہوں نے اپنے کو دیکھا کہ ان کی زندگی گناہوں سے پاک نہیں ہے اور اس دُنیا میں نیکی اور پاکی والی زندگی گذارنا گویا اُن کے بس کی بات ہی نہیں ہے اور اپنی جہالت سے انہوں نے سمجھا کہ خدا ایسا سخت گیر اور جلالی ہے کہ خطا کاروں اور گناہگاروں پر وہ ہرگز رحم اور مہربانی نہیں کر سکتا۔ اس لئے اللہ کی طرف سے تو وہ بالکل نا اُمید ہو گئے اور شیطان نے اُن کے کان میں پھونکا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں کچھ ہستیاں ایسی بھی ہیں جو اپنی نیکی اور پاکی کی وجہ سے اللہ کی بڑی مقرب اور بڑی پیاری ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی بہت کچھ اختیار دے رکھا ہے اور ان میں اللہ کا سا جلال اور غصہ بھی نہیں ہے اور انہیں راضی کرنا اللہ کی طرح زیادہ مشکل بھی نہیں ہے، اس لئے اُن کے دامنوں میں تم

جیسے گناہ گاروں کو بھی پناہ مل سکتی ہے اور ان سے تعلق جوڑنے سے اللہ تعالےٰ کے عذاب اور گرفت سے بچا جا سکتا ہے۔

بس اسی کو انہوں نے آسان سمجھا اور اللہ تعالےٰ سے نا اُمید ہو کر شیطان کی تبلائی ہوئی ان ہستیوں کی تعظیم و عبادت اور اُن کے نام کی نذر و نیاز اس اُمید پر کرنے لگے کہ ان کی مہربانی سے ہم سرسبز رہیں گے اور اُن کی توجہ اور عنایت سے ہمارے کام چلتے رہیں گے اور اللہ تعالےٰ کی گرفت اور اس کے عذاب سے بھی ان کا یہ تعلق ہمیں بچا لے گا۔

الغرض اکثر مشرک قوموں کے حالات اور خیالات پر گہری نظر ڈالنے سے یہی پتہ چلتا ہے کہ شرک میں ان کے مُبتلا ہونے کی وجہ ان کی یہی گمراہی رہی ہے کہ اللہ تعالےٰ کی رحمت و بخشش اور جود و کرم کی صفت کو انہوں نے نہیں جانا اور اس کو صرف قہار و جبار اور نہایت سخت گیر قسم کا جلالی بادشاہ سمجھ کر اس کی طرف سے نا اُمید ہو گئے اور شیطان کی بتائی ہوئی واقعی یا محض فرضی اور وہمی ہستیوں کو انہوں نے اپنی اُمیدوں کا قبلہ بنا لیا۔ اگر وہ اللہ تعالےٰ کی رحمت کی بے انتہا وسعت اور اس کی غفاریت اور بخشش کی شان سے واقف ہوتے تو اس شرک میں ہرگز گرفتار نہ ہوتے۔

اسی لئے قرآن مجید میں جو اس دُنیا کے لئے آخری ہدایت نامہ ہے اللہ تعالیٰ کی اس شان اور اس صفت کو بہت زیادہ اُجاگر کیا گیا ہے اور بلا مبالغہ سینکڑوں جگہ مختلف عنوانوں اور مختلف پیرایوں میں اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمت و رافت اور بخشش و غفاریت اور مخلوق کے ساتھ اس کی عنایت و محبت کو بیان فرمایا گیا ہے۔ جن خوش بختوں کو قرآن مجید کی تلاوت کی توفیق ہوتی ہے وہ جانتے ہیں کہ اس میں کتنی جگہ اللہ تعالےٰ کو "غَفُوْرٌ رَّحِیْم۔ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ، تَوَّابٌ رَّحِیْم۔ خَیْرُ الرَّاحِمِیْن۔ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْن" کی صفات سے یاد کیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ "بسم اللہ" جو قرآن مجید کا سرنامہ ہے اُس میں اسکی صفتِ رحمت ہی کا تذکرہ کیا گیا ہے، اسی طرح اسکی بالکل ابتدائی آیتوں میں سب سے پہلے اسکی صفتِ ربوبیت اور رحمت ہی کا تعارف کرایا گیا ہے۔ فرمایا گیا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ اس اجمالی بیان کے بعد چند آیتوں پر ذرا تفصیلی نظر بھی ڈال لیجئے۔ سورۂ بقرہ ہی میں ارشاد ہے:-

وَاِلٰـھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ۝ (بقرہ ع - ۱۹)

"تم سب کا اللہ ایک ہی اللہ ہے اس کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں، وہ بڑا

مہربان اور نہایت رحم والا ہے "

اور سورۂ آل عمران میں ایک جگہ یہ بیان فرمانے کے بعد کہ قیامت کے دن ہر شخص کے اچھے بُرے اعمال کا انجام اُس کے سامنے آنے والا ہے اور اس وقت ہر آدمی اپنے اعمال کی جانچ اور اپنے نتیجۂ عمل سے سخت ہراساں ہوگا۔ ارشاد فرمایا :-

وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ (آل عمران ع ۳)

" اور اللہ تعالےٰ تمہیں اپنے (مواخذہ) سے ڈراتا ہے اور اللہ تعالےٰ کے ساتھ نہایت مہربان ہے "

گویا قرآن مجید نے اس موقع پر بتلایا کہ اللہ تعالےٰ کا اپنے بندوں کو آخرت کے مواخذہ سے اور قیامت کے دن کی پکڑ سے ڈرانا بھی اس کی رحمت اور مہربانی ہی کا تقاضا ہے جس طرح کہ شفیق ماں باپ اپنی اولاد کو بُرے کاموں کی بدانجامی سے ڈراتے اور آنے والے خطرات سے ہوشیار کرتے رہتے ہیں۔ اور بندوں کے ساتھ اللہ تعالےٰ کی اسی مہربانی اور شفقت کی صفت کو سورۂ شوریٰ میں ایک جگہ ان لفظوں میں بیان فرمایا گیا :-

اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ ۝ (شوریٰ ع ۲)

" اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کے ساتھ بہت نرم معاملہ کرنے والا بڑا مہربان ہے "

اور سورۂ نحل میں بندوں پر اپنے بعض ایسے انعامات اور احسانات کا ذکر فرمانے کے بعد جن سے اس دُنیا میں ہر قسم کے لوگ متمتع ہو رہے ہیں، ارشاد فرمایا :-

اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ (النحل ع ۱)

" یقین کرو کہ تمہارا پروردگار بڑا ہی مہربان اور نہایت ہی رحم والا ہے (اور یہ اس کی مہربانی اور رحمت ہی کا کرشمہ ہے کہ تم کو اس دُنیا میں یہ آرام مل رہے ہیں "

اور سورۂ انعام میں ایک جگہ یہ بیان فرمانے کے بعد کہ بندے جو اچھے بُرے عمل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن سے پوری طرح باخبر ہے۔ ارشاد فرمایا :-

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ ۔ (انعام - ع ۱۶)

" اور تمہارا پروردگار سب سے بے نیاز ہے (اُسے کسی کی پرواہ نہیں اور کسی سے اُس کی کوئی حاجت

اٹکی ہوئی نہیں، ہاں) رحمت اور مہربانی اُس کی خاص صفت ہے (اور اسی رحمت کا صدقہ ہے کہ تم اپنی بدکاریوں کے باوجود زندہ ہو، ورنہ اس میں یہ قدرت ہے کہ) اگر وہ چاہے تو تمہیں فناء کر کے تمہارے بعد جسے چاہے تمہاری جگہ دُنیا میں آباد کرے۔"

اور سورۂ کہف میں ایک موقع پر فرمایا :-

وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ۖ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۚ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا ○ (کہف ع - ۸)

"اور تیرا رب بڑا ہی بخشنے والا اور بڑی رحمت والا ہے، اگر وہ اُن کے اعمال پر اُن کو پکڑنا چاہتا تو فوراً اُن کے لئے عذاب بھیج دیتا، بلکہ اُن کے واسطے ایک وقت معین کر رکھا ہے اور وہ اس کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں پا سکتے۔"

مطلب یہ ہے کہ اس دُنیا میں جو یہ دیکھا جاتا ہے کہ بہت سے شریر اور سرکش اللہ تعالےٰ کی نافرمانیاں کرتے ہیں، اُس کی مقرر کی ہوئی حدوں کو توڑتے ہیں، اس کے احکام کی کھلی خلاف ورزی کرتے ہیں اور اس کے باوجود زندہ رہتے ہیں اور اللہ تعالےٰ کی طرف سے اُن پر کوئی عذاب نہیں آتا، نہ اُن پر آسمان سے بجلی گرتی ہے اور نہ زمین اُنہیں نگلتی ہے۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ یہ اللہ تعالےٰ کی صفتِ رحمت اور بخشش ہی کا صدقہ ہے۔ اگر اللہ اپنے بندوں پر اتنا مہربان نہ ہوتا تو ایسے بدکاروں، نافرمانوں پر فوراً عذاب آجایا کرتا اور انہیں کوئی مُہلت نہ دی جاتی۔ لیکن چونکہ وہ بندوں کے ساتھ مغفرت اور رحمت کا معاملہ کرنا چاہتا ہے اس لئے اس نے سب گناہ گاروں کو اس دُنیا کی پوری زندگی میں مہلت دینا طے کر دیا ہے تاکہ جو بھی اُن میں سے اپنی خطاؤں کی معافی مانگ کے اور اپنے رویہ کو درست کر کے کسی وقت اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا چاہیں تو کر سکیں اور اُس کے عذاب سے بچ سکیں۔ اسی واسطے اس نے مواخذہ اور جزا سزا کے لئے اس دنیوی زندگی کے خاتمہ کے بعد ایک وقت مقرر کیا ہے اور اس وقت پر سب کو وہاں حاضر ہونا ہوگا اور کسی کے لئے اس کا کوئی امکان نہیں ہوگا کہ وہ کہیں روپوش ہو کر اس وقت اور اس مقام کی حاضری سے بچ سکے اور کسی جگہ پناہ لے سکے۔ اور اسی کو سورۂ انعام میں یوں فرمایا :-

كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۚ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۚ (انعام ع ۲)

"اللہ تعالےٰ نے لازم کرلی ہے اپنے پر رحمت اور مہربانی (اس لئے وہ مجرموں کو یہاں سزا نہیں دیتا بلکہ اس نے اس پوری زندگی کی سب کو مہلت دے رکھی ہے تاکہ جو چاہے معافی مانگ لے اور اپنے کو درست کر کے عذاب سے بچ سکے) اس نے مقرر کیا ہے کہ (انصاف اور جزا کے لئے) تم سب کو قیامت کے دن جوڑے گا (اور اس دن ہر ایک کو اپنے کئے کا بدلہ مل جائے گا۔ یہ بالکل یقینی اور اٹل بات ہے) اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے"۔

سبحان اللہ! اس آیت کا پہلا جملہ "كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ" (اللہ تعالیٰ نے رحمت کو اپنے پر لازم اور مقرر کر لیا ہے) ہم بندوں کے لئے کتنے اطمینان اور کیسی امیدوں کا سامان اپنے اندر رکھتا ہے۔ ایسے رحمت والے پروردگار سے ناامیدی اگر کفر نہیں تو کیا ہے؟

اور پھر اسی سورۂ انعام میں ۴ رکوع کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا گیا اور کیسے پیارے انداز میں فرمایا گیا ہے:۔

وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (انعام ع ۶۰)

"اور جب تمہارے پاس ہمارے وہ بندے آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو اے پیغمبر! تم (شفقت اور محبت سے ان کا استقبال کرو اور) کہو تم پر سلام! (اور انہیں خوشخبری سناؤ کہ) تمہارے پروردگار نے اپنے پر رحمت و مہربانی کو لازم کر لیا ہے (اس لئے تمہیں مطمئن رہنا چاہیئے کہ) تم میں سے جس نے نادانی سے کوئی برا عمل کیا، پھر اس کے بعد اس نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کر لی تو بلاشبہ تمہارا رب بہت بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے"۔

یقیناً بڑا شقی اور بدبخت ہے وہ انسان جو ایسے رحمت والے پروردگار کی رحمت سے بھی محروم رہے جو اپنے پیغمبر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اپنے خطاکار اور گناہ گار بندوں کو سلام کے بعد رحمت کا یہ پیام دلاتا ہے کہ: اپنے پروردگار سے مایوس نہ ہو اور نہ بھاگو اس نے تو رحمت کو اپنے ذمہ لکھ لیا ہے، اگر نادانی سے تم سے گناہ ہو گئے ہیں تو اب

توبہ کرلو اور اپنی حالت ٹھیک کرلو، میں بڑا بخشنے والا اور مہربان ہوں " اور سورۂ شوریٰ میں ایک جگہ فرمایا :-

وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُوا عَنِ السَّيِّئَاتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ۝ (شوریٰ ع ۳)

" اور وہی ہے جس کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے (گنہگار) بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے، اور خطاؤں سے درگزر کرتا ہے، اور تم جو کچھ کرتے ہو اس سب کو پوری طرح جانتا ہے "

اور سورۂ نساء میں زنا جیسے ناپاک اور خبیث گناہ سے آلودہ ہو جانے والے خطاکار بندوں کے متعلق ارشاد ہے :-

وَالَّذَانِ يَأْتِيَانِهَا مِنكُمْ فَآذُوهُمَا فَإِن تَابَا وَأَصْلَحَا فَأَعْرِضُوا عَنْهُمَا ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ۝ (نساء ع ۳)

" اور جو تم میں سے اس بدفعلی کا ارتکاب کریں تو ان کو سزا دو، پھر اگر وہ اس فعل حرام سے تائب ہو جائیں اور اپنی اصلاح کرلیں تو ان سے تعرض نہ کرو، بیشک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا اور بڑی رحمت والا ہے "

مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کے متعلق یہ ثابت ہو جائے کہ انہوں نے یہ خبیث اور حرام کام کیا ہے تو ان کو قانون کے مطابق سزا تو دی جائے لیکن اگر وہ اس کے بعد توبہ اور اپنی اصلاح کرلیں تو پھر ان سے کچھ نہ کہا جائے کیونکہ انہوں نے دراصل اپنے جس مالک اور آقا کا گناہ کیا ہے وہ خود توبہ کرنے والے مجرموں کو خوشی سے معاف کر دینے والا اور پھر ان کے ساتھ رحمت اور مہربانی سے پیش آنے والا ہے۔ اور اسی سورۂ نساء میں آگے ایک جگہ فرمایا اور ہر قسم کے گنہگاروں اور خطاکاروں کو مژدہ سنایا :-

وَمَن يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ يَجِدِ اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ۝ (نساء ع ۶)

" اور جو کوئی کسی قسم کا گناہ کرے اور اللہ کی نافرمانی کرکے اپنی جان پر ظلم کرے، پھر وہ (پچھتائے اور) اللہ سے معافی مانگے اور بخشش چاہے تو پا دے گا وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور بڑا شفیق اور مہربان "

اور سورۂ زمر میں اپنے کو تباہ کرنے والے خطا کار بندوں ہی کے لئے جو کچھ ارشاد فرمایا گیا اور جس شفقت اور پیار کے انداز میں انہیں پکارا گیا وہ تو اللہ کی صفتِ رحمت کی ایسی منادی ہے کہ بڑے سے بڑا سیہ کار اور عمر بھر کا سخت پاپی بھی اگر دل کے کانوں سے اُن کو سن لے تو بے تحاشا اللہ کے درِ رحمت کی طرف دوڑ پڑے۔ اپنے رسول رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ میرے مجرم اور خطا کار بندوں کو میری طرف سے یہ پیام دو:۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ (زمر ع-۶)

"اے میرے بندو! جنہوں نے گناہ کر کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے (اور اپنے ہاتھوں اپنے کو تباہ و برباد کیا ہے) تم اللہ کی رحمت اور مہربانی سے نا امید مت ہو، اللہ کی یہ شان ہے کہ وہ سب گناہ بخش دیتا ہے۔ حق یہ ہے کہ وہ بہت بخشنے والا اور بڑا ہی مہربان ہے، اور اب بھی رجوع ہو جاؤ اور رُخ کر لو اپنے اس غفور و رحیم پروردگار کی طرف اور اس کا حکم ماننے لگو قبل اس کے کہ تمہارے گناہوں کا وبال اور عذاب تمہیں آ پکڑے اور پھر کوئی تمہاری مدد نہ کر سکے اور کوئی تم کو بچا نہ سکے۔"

اللہ کی رحمت اور مغفرت کے حقدار کون سے گناہ گار ہیں؟

سورۂ زمر کی اس آیت رحمت سے بھی معلوم ہوا اور اس سے اوپر جو آیتیں اس مضمون کی درج کی جا چکی ہیں (جن میں خاص طور سے گنہگاروں اور خطا کاروں کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت میں گنجائش کا اعلان کیا گیا ہے) ان سب سے معلوم ہوا کہ اللہ کی رحمت کی وسعت اور بے پایانی کا حال تو یہی ہے کہ دنیا بھر کے بڑے سے بڑے مجرموں اور سیہ کاروں کے لئے اس میں گنجائش ہے لیکن اس کے دروازہ میں داخلہ کی یہ لازمی شرط ہے کہ بندہ اس رحمت والے آقا کی طرف رجوع ہو، اور اس کے ساتھ اپنے معاملہ کو درست کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ اگرچہ اس سے پہلے اپنی ساری عمر میں باغی اور نافرمان رہا ہو۔

اللہ تعالیٰ میں رحمت کے ساتھ عدالت بھی ہے

اسی لئے قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی بخشش و غفاریت کے بیان کے ساتھ اس کی دوسری صفت عدالت اور سرکش مجرموں کی سزادہی کا بھی بیان فرمایا گیا ہے۔ جیسا کہ سورۂ فاتحہ ہی میں "رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" اور "الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" کے ساتھ اس کی صفت "مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ" کا بھی ذکر فرمایا گیا۔

اس کا مقصد اور منشاء یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کی وسعت کے ان قرآنی اعلانوں سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو جائے کہ اب گناہوں کی کھلی چھٹی ہے اور زندگی خواہ کیسی ہی گزاری جائے، اللہ کی رحمت کا دروازہ ہمارے لئے کھلا ہوا ہے۔

بہرحال اسی غلط فہمی سے بچانے کے لئے قرآن مجید میں جا بجا رحمت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صفت عدالت کا بھی بیان فرمایا گیا ہے۔ ذیل کی چند آیتیں پڑھئے :۔

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا یُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ ۝ (انعام ع - ۱۸)

"اے پیغمبر! اگر یہ لوگ (اس واضح بیان اور اتمام حجت کے بعد بھی) تمہاری تکذیب ہی کریں تو آپ اُن سے کہہ دیجئے کہ تمہارا پروردگار بڑی ہی وسیع رحمت والا ہے (اور اسی رحمت کا صدقہ ہے کہ اس نے تم کو مہلت دے رکھی ہے) لیکن یاد رہے کہ مجرموں کو سزا دینا بھی اس کا قانون ہے اس لئے اگر تم اس باغیانہ اور مجرمانہ زندگی سے باز نہ آئے تو ضرور اس کی سخت سزا پاؤ گے) اور مجرموں پر سے اس کا عذاب ہٹایا نہیں جا سکتا۔

اور سورۂ حجر میں فرمایا :۔

نَبِّئْ عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝ وَاَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ ۝ (حجر ع ۴)

"اے پیغمبر! میرے بندوں کو خبردار کر دیجئے کہ بیشک میں بڑا بخشنے والا اور بہت مہربان ہوں اور اسی طرح اس میں بھی کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ (مجرموں کے لئے) میری سزا بھی بڑی دردناک سزا ہے"۔

اور سورۂ مومن کے شروع میں اللہ تعالیٰ کی شان بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا :۔

غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِی الطَّوْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ○ (سورہ مومن ع ۱-۱)

"وہ گناہ بخشنے والا ہے اور توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول کرنے والا ہے (اور اسی کے ساتھ سرکش مجرموں کے لئے وہ) بڑی سخت سزا دینے والا ہے، سب کچھ قدرت رکھتا ہے، اُس کے سوا کوئی بندگی اور عبادت کے لائق نہیں ہے سب کو اسی کی طرف لوٹنا ہے۔"

اور بعض مقامات پر اللہ تعالےٰ کی اس صفت یعنی عدالت اور مجرموں کی سزا ہی کو دوسرے عنوانوں سے بھی بیان فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ سورہ قلم میں سوالیہ پیرایہ میں ارشاد ہے:۔

اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ○ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ○ (قلم ع-۲)

"کیا ہم اپنے فرمانبردار بندوں کو نافرمانوں مجرموں کے برابر کر دیں گے؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے تم کیسے حکم لگاتے ہو (یعنی اللہ کے متعلق تم ایسی ناانصافی اور خلاف حکمت بات کا تصور کیسے کرتے ہو کہ وہ فرمانبرداروں اور نافرمانوں کے ساتھ یکساں سلوک اور ایک سا معاملہ کرے گا؟)"

اور اسی کو سورۂ صٓ میں فرمایا:۔

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِی الْاَرْضِ ؗ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ○ (صٓ ع-۳)

"کیا ہم ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو زمین میں فساد برپا کرنیوالوں کے برابر کر سکتے ہیں، کیا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں کے برابر کر سکتے ہیں (ہمارے عدل و انصاف سے یہ کیسے ممکن ہے؟)"

اور اسی کو سورۂ جاثیہ میں یوں فرمایا:۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ○ وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○ (جاثیہ ع-۲،۳)

"جو لوگ بُرائیاں کرتے ہیں کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان بدکاروں کو اپنے بندوں کے برابر کر دیں گے جن کی زندگی ایمان اور اعمالِ صالحہ والی زندگی ہے کہ یکساں ہو ان کا جینا مرنا (ایسا خیال کرنے والے احمق بڑا غلط اور) بہت بُرا حکم لگاتے ہیں (نہیں دیکھتے کہ) اللہ نے زمین و آسمان کو (اور ساری کائنات کو) بالکل حکمت کے مطابق پیدا کیا ہے (اور وہ عالم کا سارا انتظام حکمت ہی سے

چلا رہا ہے، پھر اس سے ایسی خلافِ حکمت اور خلافِ عدل بات کی توقع کیوں رکھتے ہیں
اس عالم کی تخلیق کا تو مقصد اور منشاء ہی یہ ہے کہ (بندے یہاں عمل کریں اور) وقت
پر ہر شخص کو اُس کے کئے کی جزا ملے اور (اس جزا سزا کے معاملہ میں ہرگز) کسی کے ساتھ کوئی
ظلم و زیادتی نہ ہوگی۔"

بہرحال قرآن مجید کا بیان ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کے ساتھ بڑا شفیق اور بڑا مہربان ہے
اور اس کی رحمت میں سب کے لئے پوری گنجائش ہے (وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ۔ اعراف ع ۱۹)
بڑے سے بڑا مجرم اور گنہگار بھی اگر اس کی رحمت اور مغفرت کا طالب بن کر اس کی طرف بڑھے
تو وہ اسے بخشنے کے لئے اور اپنے آغوشِ رحمت میں جگہ دینے کے لئے تیار ہے، لیکن اسی کے
ساتھ وہ صاحبِ عدالت بھی ہے اور سرکش مجرموں کو سزا دینا بھی اس کی عدالت اور حکمت
کا تقاضا ہے، اس لئے جو شریر اور مفسد سرکشی اور شرارت سے باز نہ آئیں گے اور تذکیر و
نصیحت کے باوجود نافرمانی اور بغاوت اور کفر و شرک ہی پر جمے رہیں گے۔ وہ آنے والے اس
عالم میں جس میں اللہ تعالیٰ کی اس صفتِ عدل کا پورا ظہور ہوگا۔ اللہ کی رحمت اور مہربانی سے
ذرہ برابر بھی حصہ نہ پاسکیں گے۔ سورۂ "السجدہ" میں ایسے ہی مجرموں کے بارے میں ارشاد ہے :-

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا ۚ إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ
مُنْتَقِمُونَ ۝ (السجدہ ع ۲)

"اور اُن سے زیادہ کوئی ظالم نہیں جن کو اُن کے پروردگار کی آیات کے ذریعے نصیحت
کی جائے اور پھر بھی وہ اُن سے بے رُخی اور بے پروائی اختیار کریں اور اپنے حال کو درست
نہ کریں۔ ہم ایسے مجرموں کو سخت سزا دینے والے ہیں۔"

تنزیہ و تقدیس

حق تعالےٰ کی صفات کے متعلق یہاں تک جو قرآنی بیانات نقل کئے گئے یہ سب اس کی
ایجابی صفات کے متعلق تھے، ان سے ہمیں معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ علیم کل ہے، کوئی چھوٹی بڑی اور کھلی
یا چھپی چیز اس کے علم سے باہر نہیں، وہ قادرِ مطلق ہے سب کچھ اُس کی قدرت میں ہے، وہ سب
کا خالق و رازق اور سب کا کارساز و پروردگار ہے۔ ساری کائنات کا وہی مالک اور حاکم
ہے اور ہر چیز اُس کے زیرِ حکومت ہے۔ کوئی چیز بھی اُس کے تصرف اور اقتدار سے باہر نہیں

پھر وہ بڑی رحمت والا اور نہایت مہربان ہے اور اسی کے ساتھ اس میں عدالت کی صفت بھی ہے یعنی نیکوکاروں اور فرمانبرداروں کو وہ اپنے خاص فضل و انعام سے نوازنے والا ہے اور سرکش مجرموں کو اپنی شان کے مطابق سزا اور عذاب دینے والا بھی ہے، لیکن اللہ تعالےٰ کی صفات کا بیان اور اس کا تعارف ناقص اور نامکمل رہتا ہے جب تک کہ ان چیزوں اور ان باتوں سے اس کا منزہ اور مبرّا ہونا بھی بیان نہ کیا جائے جو اس کی شانِ قدوسیت اور عظمت و کبریائی کے خلاف ہیں اور جن کے بارے میں جاہلوں اور خدا ناشناس لوگوں کو کبھی مغالطہ ہوا یا ہو سکتا ہے، اس لئے قرآن مجید میں صرف ایجابی صفاتِ کمال کے بیان پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ اس کی تنزیہ و تقدیس کو بھی پوری طرح نمایاں کیا گیا ہے۔ چند آیتیں اس سلسلہ کی بھی پڑھ لیجئے۔ سورۂ بنی اسرائیل کے بالکل آخر میں ارشاد ہے :۔

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا ۝ (بنی اسرائیل ع-۱۲)

”اور کہو ساری حمد و ستائش اللہ ہی کے لئے ہے جو نہ کوئی اولاد رکھتا ہے اور نہ حکومت و فرمانروائی میں کوئی اس کا شریک اور ساجھی ہے، اور نہ کمزوری و درماندگی کی وجہ سے کوئی اس کا مددگار ہے اور اس کی خوب بڑائی اور کبریائی بیان کرو۔“

اور سورۂ انعام میں ایک موقع پر یہ بیان کرنے کے بعد کہ ”جاہلوں، ناخداشناسوں نے اللہ تعالےٰ کے لئے شریک ساجھی اور بیٹیاں اور بیٹے ٹھہرائے“ ارشاد فرمایا گیا :۔

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یَصِفُوْنَ ۝ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنّٰی یَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ وَّخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ وَّهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْهُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ ۝ (انعام ع-۱۳)

”وہ پاک اور بالاتر ہے ان باتوں سے جو یہ لوگ اس کی نسبت بیان کرتے ہیں، وہ تو آسمانوں کا اور زمین کا موجد ہے (اور خود یہ نادان بھی جانتے اور مانتے ہیں کہ یہ شان اس کے سوا کسی کی بھی نہیں مگر یہ ظالم اس کے باوجود اس کے شریک اور بیٹیاں بیٹے ٹھہراتے ہیں) حالانکہ کیسے اس کی کوئی اولاد ہو سکتی ہے جبکہ کوئی اس کی شریکِ زندگی ہی نہیں ہے (بہرحال اس کی کوئی اولاد اور کوئی اس کا شریک نہیں ہے، بلکہ سب اس کی مخلوقات ہیں) اس نے سب کو پیدا

کیا اور اُس کو ہر چیز کا پُورا پُورا علم ہے۔ لوگو! یہ پاک و برتر اللہ تمہارا پروردگار ہے' اس کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں' وہ سب کا خالق ہے، لہٰذا تم اسی کی عبادت اور بندگی کرو، اور وہ ہر چیز کا کفیل اور کارساز ہے۔"

اس سب کے بعد تنزیہ کے سلسلہ میں آخری بات یہ فرمائی :۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝ (الانعام ع-۱۳)

"اس کی شان یہ ہے کہ نگاہیں اُس کو نہیں پا سکتیں اور وہ نگاہوں کو پا لیتا ہے اور وہ بڑا ہی باریک بین' باخبر ہے۔"

ان آیتوں میں قریب قریب ان سب باتوں سے اللہ تعالیٰ کا منزہ اور مبرّا ہونا بیان فرما دیا گیا ہے جو اس کی شان الوہیت و قدوسیت کے خلاف ہیں اور جن کے بارے میں خدا ناشناسوں اور مشرکوں نے عام طور سے غلطی کھائی ہے۔ پھر قرآن پاک کے اس تنزیہی بیان کی آخری بات لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ" (انسانوں کی بینائیاں جو بھیاں ان کو ملی ہوئی ہیں اللہ کو نہیں پاسکتیں اور وہ سب بینائیوں کو پا رہا ہے) بلاشبہ بڑی اعلیٰ اور بڑی لطیف اور بڑی جامع تنزیہ ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی اس قدر لطیف اور وراء الوراء ہے کہ ہر وقت قریب تر اور بالکل ساتھ ہونے کے باوجود کوئی نگاہ اس کو نہیں پا سکتی اور وہ سب کی نگاہوں کو پا رہا ہے۔

اسی طرح سورۂ شوریٰ میں ایک جگہ گنتی کے دو حرفوں میں حق تعالیٰ کی پوری تنزیہ و تقدیس بیان فرما دی گئی ہے۔ ارشاد ہے :۔

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (شوریٰ ع-۲)

"کوئی شے بھی (جس کو تم جانتے ہو اور جس کا تصور کر سکتے ہو) اس کے مثل نہیں۔"

قرآن مجید کے اس دو حرفی بیان پر غور کیجئے۔ واقعہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس کا کوئی پہلو اس سے باہر نہیں رہا۔ اور ان ہی دو حرفوں نے ان سب چیزوں سے حق تعالیٰ کا منزہ اور مبرّا ہونا بیان کر دیا جو اس کی شان الوہیت و قدوسیت کے خلاف ہیں، کیونکہ اس باب میں جتنی غلطیاں اور گمراہیاں ہوئی ہیں یا ہوتی ہیں، ان سب کی جڑ بنیاد یہی ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کو اور اس کے افعال و صفات کو اس عالم کی اپنی دیکھی بھالی اور جانی بوجھی چیزوں پر

اور ان کے افعال و صفات پر قیاس کر لیتے ہیں۔

پس قرآن مجید نے "لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ" فرما کر اس غلط بنیاد ہی کو ڈھا دیا اور بتلا دیا کہ اس کی کوئی مثال اور کوئی نمونہ نہیں۔ وہ موجود ہے لیکن اس کا وجود اس طرح کا نہیں جس طرح کا دوسری موجودات کا ہے۔ وہ اَلْحَیّ یعنی زندہ ہے لیکن دوسرے زندوں کی زندگی اور اُس کی زندگی میں کوئی مشارکت اور مشابہت نہیں۔ وہ علیم ہے سمیع و بصیر ہے لیکن اس کا علم اور اس کا سننا اور دیکھنا ہمارے علم اور ہماری سماعت و بصارت سے وراء الوراء ہے۔ وہ سب کے قریب ہے، سب کے ساتھ ہے لیکن یہ قریب اور ساتھ ہونا ایسا نہیں جیسا کہ اس دنیا کی کوئی چیز کسی کے قریب اور کسی کے ساتھ ہوتی ہے۔ اسی طرح رحمت و محبت اور غضب و انتقام اس کی صفتیں ہیں لیکن ان کی نوعیت وہ بالکل نہیں جو ہماری ان صفتوں کی ہے۔

بہر حال قرآن مجید کے اس نہایت مختصر تنزیہی بیان نے ان سب چیزوں کی نفی کر دی جو حق تعالیٰ کی شانِ قدوسیت کے خلاف تشبیہ و تمثیل کی وجہ سے خدا ناشناس لوگ اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ "لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ وَّ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ○"

قرآن مجید کی چند جامع الصفات آیات

اب ہم قرآنی تعلیم و دعوت کے اس باب (بیانِ صفات) کو بھی ایسی آیات سُنا کر ختم کرتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی مختلف شئون و صفات کو جامع ہیں اور جن میں اللہ تعالیٰ کی ایجابی صفات کمال کے ساتھ اس کی تنزیہی شان کو بھی جمع کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے سورۂ بقرہ کی وہ مشہور جامع الصفات آیت پڑھیے جو آیت الکرسی کے نام سے معروف ہے:۔

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ج لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّ لَا نَوْمٌ ط لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ط مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ ط یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ ج وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ج وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ج وَلَا یَئُوْدُہٗ حِفْظُھُمَا ج وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ○

(بقرہ ع ۳۴)

اللہ کی شان یہ ہے کہ (صرف وہی الٰہ حق ہے) اس کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق

نہیں وہ "الحی" زندہ جاوید ہے (یعنی حیات اس کی ذاتی صفت ہے اس کے لئے فنا و زوال نہیں) وہ "القیوم" ہے، ساری کائنات اُسی کے حکم سے قائم ہے (وہ ہمہ وقت بیدار اور خبردار رہنے والا ہے) نہ اُسے اُونگھ لگتی ہے اور نہ نیند آتی ہے (ایسے عوارض کا اس کے پاس گزر ہی نہیں) زمین و آسمان میں جو کچھ ہے اسی کا ہے (وہی سب کا مالک و مختار ہے) کون ہے جو اس کی جناب میں اُس کی اجازت کے بغیر کسی کی سفارش بھی کر سکے (کسی کی یہ مجال نہیں) جو کچھ بندوں کے سامنے اور حاضر ہے وہ اس کو بھی جانتا ہے اور جو اُن کے پیچھے اور ان سے غائب اور اوجھل ہے وہ اس سے بھی واقف ہے اور مخلوقات اور بندوں کا حال یہ ہے کہ اللہ کے غیر متناہی اور لامحدود علم میں سے وہ کسی ایک چیز کو بھی پُوری طرح نہیں جان سکتے۔ اِلّا یہ کہ کسی چیز کا علم وہ خود ہی ان کو دینا چاہے (تو وہ صرف اسی کو اور اس کے بتائے ہوئے کے بقدر ہی جان سکتے ہیں) اور اس کا تختِ حکومت زمین و آسمان کی وسعتوں پر چھایا ہُوا ہے اور اُن کے تھامنے سے وہ تھکتا نہیں اور وہ اُونچی شان والا بڑی عظمت والا ہے"۔

اسی طرح سورۂ حدید کے شروع میں اللہ تعالےٰ کی شئون و صفات کا بڑی جامعیت کے ساتھ اور بڑا روح پرور بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے :-

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۭ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ (حدید ع ۱)

" اللہ کی تسبیح و تقدیس کرتی ہیں (یعنی اس کی پاکی بیان کرتی ہیں) وہ سب چیزیں جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں، اور وہ بڑا زبردست اور صاحبِ حکمت ہے اسی کی حکومت اور فرمانروائی ہے آسمانوں میں اور زمین میں وہی (جسے چاہتا ہے) جلاتا ہے اور مارتا ہے (یعنی موت و حیات کا سارا نظام اسی کے ہاتھ میں ہے) اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، وہی اوّل ہے وہی آخر ہے (یعنی وہ اس وقت بھی موجود تھا جبکہ اس کے سوا کوئی موجود نہ

تھا اور سب کے فنا ہو جانے کے بعد بھی وہ موجود رہنے والا ہے) وہی ظاہر ہے وہی باطن (یعنی ظاہر ایسا کہ ہر معمولی عقل والا اس کو جانتا ہے اور اس کی خدائی کا یقین رکھتا ہے اور مخفی ایسا کہ کوئی آنکھ اس کو دیکھ نہیں سکتی) اور وہ ہر چیز کو پوری طرح جانتا ہے' وہی ہے کہ اُس نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں (چھ دوروں میں) بنایا، پھر وہ اپنے تخت حکومت پر متمکن ہو گیا، جو کچھ زمین کے اندر جاتا ہے اور جو اس میں سے نکلتا ہے وہ اس سب کو جانتا ہے اور اسی طرح جو کچھ آسمان سے اُترتا ہے اور جو کچھ اُس کی طرف چڑھتا ہے وہ اس سب کا بھی علم رکھتا ہے اور تم جہاں بھی ہو، وہ (ہر جگہ اور ہر حال میں) تمہارے ساتھ ہے' اور تم جو کچھ کرتے ہو وہ اللہ اس سب کو خوب دیکھتا ہے۔"

اس سلسلہ میں سورۂ حشر کی یہ آخری آیتیں اور پڑھ لیجئے:۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝ هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۚ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (الحشر ع-۳)

"وہ اللہ جس کی شان یہ ہے کہ صرف وہی معبودِ حق ہے اس کے سوا کوئی ہستی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں' وہ سب چھپی اور کھلی چیزوں کا جاننے والا ہے' وہ بڑا مہربان اور نہایت رحمت والا ہے۔ وہ اللہ وہی الٰہ حق ہے' اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں وہی حقیقی بادشاہ ہے' وہ "القدوس" ہے (عیب و نقص کی ہر نسبت سے پاک ہے)"السلام" ہے (سلامتی اُس کی ایسی صفت ہے کہ اُس کے لئے کوئی خطرہ اور اس کو کبھی زوال نہیں۔ "المومن" ہے (بندوں کو امن دینے والا ہے) "المھیمن" (ان کا رکھوالا اور نگہبان) ہے۔ "العزیز" ہے (زبردست اور غالب ہے) "الجبار" ہے (سب پر اس کا دباؤ اور تسلط ہے، کوئی اس کی مشیت کے خلاف حرکت نہیں کر سکتا) "المتکبر" ہے (یہ تنہا عظمت و کبریائی اس کی صفت ہے) پاک ہے اُن کے شریک بتلانے سے۔ وہ اللہ ہے پیدا کرنے والا، ٹھیک بنانے والا، صورت گری کرنے والا، اسی کے لئے ہیں، سب عمدہ نام (اور اچھے القاب، آسمان و زمین کی سب چیزیں اس کی تسبیح و تقدیس

کرتی ہیں (اور اس کی پاکی اور برتری کے گیت گاتی ہیں) اور وہ نہایت زبردست اور صاحبِ حکمت ہے۔"

خدائی صفات کے متعلق قرآن مجید کے ان مفصل بیانات کے بعد سورۂ اخلاص کا نہایت مختصر ایک بیان اور پڑھ لیجئے جو بڑا سادہ ہونے کے ساتھ بڑی غیر معمولی دلکشی اور دل آویزی اپنے اندر رکھتا ہے۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝

"کہو وہ اللہ ایک ہے۔ یگانہ و یکتا ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ (اُس کو کسی کی احتیاج نہیں اور سب اُس کے محتاج ہیں) نہ اُس سے کوئی پیدا ہوا، نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے اور نہ کوئی ہستی اس کی ہمسر اور اس کے برابر کی ہے۔"

جو شخص اللہ تعالیٰ کو مانتا ہے اور اپنے کو اس کا مخلوق و مملوک اور بندہ یقین کرتا ہے اس کے دل میں اس چیز کی طلب اور پیاس کا ہونا بالکل قدرتی بات ہے کہ مجھے اپنے اس خالق اور رب کی معرفت حاصل ہو اور اس کے بارے میں جو کچھ میں جان سکتا ہوں وہ کسی طرح جانوں۔ اور بلاشبہ اس دُنیا میں اللہ تعالیٰ کی صفات کے متعلق سب سے زیادہ صحیح، مکمل اور واضح اور اطمینان بخش بیان صرف قرآن مجید کا ہے۔ اس سے ایک طرف تو دلوں میں اللہ تعالیٰ کی شایانِ شان عظمت پیدا ہوتی ہے اور امکان کی حد تک اس کی صحیح معرفت حاصل ہوتی ہے اور دوسری طرف اُنس و محبت کا چشمہ بھی اُبلتا ہے، اور پھر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بندہ اس کی رضا جوئی کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیتا ہے اور یہی انسان کی کامیابی کی اعلیٰ اور آخری منزل ہے۔

توحید

اللہ تعالیٰ کی صفات کے متعلق جو قرآنی بیانات یہاں تک نقل کئے گئے ان سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادہ اور علیم کل ہے، سب کے ساتھ اور سب سے قریب ہے۔ قادرِ مطلق ہے، سب کا خالق و رازق اور سب کا کارساز و پروردگار ہے، اور وہی اس ساری کائنات کا مالک و حاکم اور قیوم ہے، اور یہاں جو کچھ ہوتا ہے اسی کے حکم سے ہوتا ہے، اس کے علاوہ کوئی ہستی نہیں جو بلا اس کے حکم کے یہاں کچھ کر سکے، ہر قسم کی عظمت و کبریائی اسی کے لئے ہے اور وہ بڑی رحمت والا اور نہایت مہربان ہے اور ساتھ ہی وہ بڑا بے نیاز بھی ہے، سب اس کے محتاج ہیں اور وہ کسی کا محتاج نہیں اور اس کو کسی کی پرواہ نہیں، اور وہ صاحبِ عدالت بھی ہے یعنی ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دینے والا ہے۔ اور ان صفاتِ کمال سے موصوف ہونے کے ساتھ وہ ہر اس بات اور ہر اس چیز سے بری بھی ہے جس میں نقص و عیب کا کوئی پہلو اور کوئی شائبہ ہو اور جو اس کی شانِ قدوسیت کے خلاف ہو۔

ظاہر ہے کہ یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ کوئی ہستی ایسی ہے جس میں یہ ساری صفتیں اور سارے کمالات جمع ہیں، آپ سے آپ یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ بس وہی عبادت اور بندگی کے لائق ہے اور وہی اس قابل ہے کہ اس کی پرستش کی جائے اور محبت و عظمت کے ساتھ اس کے ہر فرمان کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا جائے اور اس کو اپنا مولا اور اپنے کو اس کا بندہ سمجھ کر اس کے حکموں پر چلا جائے۔ اسی سے آس لگائی جائے۔ اپنی ضرورتوں کے لئے اسی سے دعا کی جائے، مصائب و مشکلات میں اسی سے مدد مانگی جائے، اسی سے امید باندھی جائے اور اسی پر بھروسہ کیا جائے۔ اسی کی رضا جوئی میں جیا جائے اور مرا جائے، اسی کی حمد و ثنا اور اسی کی تسبیح و تقدیس کی جائے اور اسی کی یاد کو اپنا وظیفہ بنایا جائے۔

اسی لئے قرآن مجید میں بیانِ صفات کے ساتھ ساتھ اکثر مقامات پر ایک ثابت شدہ حقیقت اور لازمی نتیجہ کے طور پر توحید کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ناظرین نے بیانِ صفات کے سلسلہ کی

مندرجہ قبل آیات کو پڑھتے ہوئے خود بھی جا بجا محسوس کیا ہوگا۔ اس لحاظ سے توحید کے مستقل بیان کی اب زیادہ ضرورت باقی نہیں رہی لیکن چونکہ توحید قرآن پاک کا خاص الخاص موضوعِ دعوت ہے اور اس میں دوسرے تمام مسئلوں سے زیادہ زور اسی پر دیا گیا ہے اور قرآن سے پہلے آنے والی اللہ کی کتابوں اور اللہ کے رسولوں کی تعلیم و دعوت کا مرکزی نقطہ بھی چونکہ توحید ہی کا مسئلہ رہا ہے اس لئے ہم توحید کے بارے میں قرآن مجید کے بیان کو کسی قدر تفصیل سے اور مستقلاً بھی پیش کرنا چاہتے ہیں ۔

قرآن مجید میں توحید کی تعلیم اتنی وضاحت اور ایسی تفصیل سے دی گئی ہے کہ مسئلہ کا کوئی گوشہ ایسا نہیں رہا ہے جو پوری طرح روشنی میں نہ آگیا ہو اور رہونا بھی یہی چاہیئے تھا، کیونکہ اُمتوں اور قوموں نے توحید ہی کے بارے میں ہمیشہ سخت ٹھوکریں کھائی ہیں۔ بلکہ یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ جتنی غلطیوں اور گمراہیوں میں قومیں توحید کے بارے میں مبتلا ہوئیں اتنی کسی دوسرے مسئلہ میں گمراہ نہیں ہوئیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے تمام پیغمبروں اور مذاہب کے سب سچے داعیوں نے اپنی اپنی قوموں کو ہمیشہ توحید ہی کی تعلیم دی تھی بلکہ قرآن مجید کا تو بیان ہے کہ دُنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں جس کو اللہ کے پیغمبروں اور ہادیوں نے توحید کا پیغام نہ پہنچایا ہو۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ۔ (النحل ع-٥)

"اور بھیجا ہم نے ہر قوم میں اپنا پیغام بر (اس دعوت اور اس پیام کے ساتھ) کہ صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو (جو سچا معبود ہے) اور ہر جھوٹے خدا سے بچو۔"

اور ایک دوسرے موقع پر فرمایا :۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ○

(الانبیاء ع-٢)

"اور جو پیغمبر بھی ہم نے تم سے پہلے بھیجے ان کی طرف یہی وحی کی اور ان کو یہی پیام دیا کہ میرے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں، لہٰذا صرف میری ہی عبادت اور بندگی کرو۔"

الغرض یہ واقعہ ہے کہ ہر قوم میں آنے والے اللہ کے پیغمبر اور ہادی نے ہمیشہ توحید ہی کی تعلیم دی لیکن کچھ مدت گزرنے کے بعد اکثر قومیں کسی نہ کسی قسم کے شرک میں مبتلا ہوگئیں اور اب بھی یہی ہے کہ بہت سے لوگ اللہ کو مانتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں، لیکن کسی نہ کسی قسم کے شرک میں مبتلا ہیں۔ قرآن ہی کا بیان ہے :۔

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُوْنَ ۝ (یوسف ع - ۱۲)

"اور اکثر لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان بھی رکھتے ہیں اور اسی کے ساتھ وہ شرک میں بھی مبتلا ہیں۔"

بہرحال ہمیشہ سے شرک انسانوں کی بڑی خطرناک اور عام بیماری رہی ہے، اسی لئے قرآن مجید، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخری کتاب ہدایت ہے اور جس کے بعد انسانوں کے لئے کوئی آسمانی ہدایت نامہ آنے والا نہیں ہے، توحید کے مسئلہ کو زیادہ سے زیادہ روشن اور واضح کیا گیا ہے، بلکہ ان تمام دروازوں کو بھی بند کرنے کی پوری پوری کوشش کی گئی ہے جن سے اگلی اُمتوں میں شرک آیا، یا اُس کے آنے کا امکان ہو سکتا تھا۔ قرآن مجید نے صرف یہ کہہ کر توحید کا درس ختم نہیں کر دیا کہ "خدا ایک ہے اس کے سوا کسی کی عبادت اور بندگی نہ کی جائے" بلکہ توحید فی الذات کے علاوہ اس نے ایک ایک خدائی صفت کا ذکر کرکے بتلایا کہ یہ صفت صرف اللہ ہی میں ہے اور وہ اپنی ذات کی طرح صفات میں بھی وحدہٗ لاشریک ہے۔ اسی طرح اپنے افعال و اختیارات میں بھی وہ وحدہٗ لاشریک ہے اور پھر اپنے خدائی حقوق میں بھی وہ اسی طرح وحدہٗ لاشریک ہے۔ اس نے توحید کے ان پہلوؤں کو اتنا واضح کیا کہ کسی قسم کے اعتقادی یا عملی، جلی یا خفی، شرک کے لئے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔ ہم قرآن مجید کی دعوتِ توحید کے سلسلہ کی چند آیات کو یہاں چند عنوانوں کے تحت ایک خاص ترتیب سے مرتب کرکے پیش کرتے ہیں:-

توحید ذاتی اور توحید الوہیت

توحید کا ایک سادہ سا اجمالی اور جامع عنوان یہ ہے کہ الٰہ یعنی معبود بس ایک ہے صرف وہی عبادت اور بندگی کے لائق ہے۔ قرآن مجید میں موقع بموقع اسی کو بیسیوں جگہ دہرایا گیا ہے، چند آیتیں یہ ہیں:-

وَإِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝ (البقرہ - ع - ۱۹)

"اور تمہارا معبود بس ایک معبود ہے، اس کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں، وہ بڑی رحمت والا نہایت مہربان ہے۔"

ایک موقع پر فرمایا:-

وَمَا مِنْ إِلٰهٍ إِلَّا اللّٰهُ ۚ وَإِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (آل عمران ع - ۶)

"اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور وہ اللہ ہر چیز پر قابو رکھنے والا اور حکمت والا ہے۔"

ایک اور موقع پر فرمایا:-

إِنَّ إِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ۝ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا۔ (والصّٰفّٰت ع ۱)

"حق یہ ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے، وہ آسمان وزمین اور اُنکے درمیان کی ساری مخلوق کا پروردگار ہے۔"

ایک جگہ فرمایا :-

قُلْ إِنَّمَا هُوَ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّإِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ (انعام ع - ۲)

"اے پیغمبر! آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے اور اعلان کر دیجئے کہ معبودِ برحق بس ایک ہی معبود ہے اور میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں۔"

اسی طرح ایک اور موقع پر فرمایا :-

فَإِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ أَسْلِمُوْا۔ (الحج ع - ۵)

"پس تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے لہٰذا اسی کی فرمانبرداری کرو اور اپنے کو اسی کے سامنے جھکا دو۔"

توحیدِ صفات وافعال

توحیدِ الوہیت کے اس سادہ اجمالی بیان کے علاوہ قرآن مجید صفات وافعال میں اللہ تعالٰی کی وحدانیت کو بھی جابجا تفصیل سے بیان کرتا ہے، وہ بتلاتا ہے کہ سب کا پیدا کرنے والا سب کی پرورش کرنے والا سب کو روزی دینے والا، جلانے والا اور مارنے والا بس اللہ ہی ہے۔ اس مضمون کی متعدد آیات صفات کے بیان میں آپ پڑھ چکے ہیں چند آیتیں یہاں بھی پڑھ لیجئے۔ سورۂ روم میں فرمایا :-

اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ ط سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ (روم ع - ۴)

"اللہ ہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر اسی نے تم کو رزق دیا اور تمہاری زندگی کی ضرورتیں مہیا کیں پھر وہی تم کو وقت آنے پر موت دے گا اور اس کے بعد وہی تم کو جلائے گا، بتاؤ جن (واقعی یا فرضی ہستیوں) کو تم نے خدائی حقوق میں شریک ٹھہرا رکھا ہے کیا ان میں سے کوئی ان میں کا کوئی کام بھی کرتا ہے یا کر سکتا ہے؟ پاک ہے اللہ اور برتر ہے اُن کے شرک سے اور شریکوں سے۔"

اور سورۂ فاطر میں ارشاد ہے :-

قُلْ أَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ أَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ۔ (فاطر ع - ۵)

"اے پیغمبر! آپ ان مشرکوں سے کہئے، بتاؤ تو اللہ کے سوا جن شریکوں کو پکارتے ہو مجھے دکھاؤ کیا چیز پیدا کی ہے انہوں نے زمین میں، یا ان کی کوئی شرکت ہے آسمانوں میں۔"

اور اسی سورۂ فاطر میں ایک جگہ فرمایا :-

هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝ (فاطر ع ۱)

"کیا اللہ کے سوا کوئی خالق ہے جو زمین و آسمان سے تمہاری روزی کا انتظام کرتا ہے اس کے سوا کوئی بھی الٰہ و معبود نہیں پھر تم کہاں بہکے جا رہے ہو؟"

اور سورۂ عنکبوت میں ارشاد فرمایا :-

اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ (عنکبوت ع ۲)

"اللہ تعالیٰ کے سوا جن ہستیوں کی تم عبادت کرتے ہو وہ تمہاری روزی کی مالک نہیں اور تم کو کچھ نہیں دے سکتیں پس اللہ ہی سے رزق مانگو اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر کرو تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔"

ساری کائنات پر صرف اللہ ہی کا حکم چلتا ہے اور سب کچھ صرف اسی کے اختیار میں ہے

قرآن مجید بتلاتا ہے کہ زمین و آسمان اور ساری کائنات صرف اللہ تعالیٰ کے زیر حکم ہے جس طرح سب کا خالق و رازق اللہ ہے، اسی طرح سب پر حکم بھی صرف اسی کا چلتا ہے۔

لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۔ (اعراف ع ۷)

"تخلیق بھی اسی کی اور حکم و فرمان بھی اسی کا۔"

سورۂ قصص میں ارشاد فرمایا :-

لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ (قصص ع ۷)

"بس صرف اسی کا حکم چلتا ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔"

وہی جو کچھ کرنا چاہتا ہے کرتا ہے، اسکے سوا کسی کے اختیار میں کچھ بھی نہیں، نہ کوئی کسی کو وجود دے سکتا ہے۔ نہ کسی سے کوئی وجود لے سکتا ہے نہ موت و حیات پر کسی کا اختیار ہے، نہ کوئی کسی کے نفع یا نقصان کا مختار ہے۔ اور نادان اور گمراہ لوگ اپنی نادانی اور جہالت سے جن ہستیوں کے متعلق یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا کے نظام میں ان کا بھی کوئی دخل ہے اور یہ بھی جسے چاہیں نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

قرآن مجید جا بجا کہتا ہے کہ یہ بالکل غلط ہے، ان کے بس میں کچھ بھی نہیں اگر وہ سب بھی جمع ہو جائیں تو اپنے اختیار سے کچھ نہیں کر سکتے حتیٰ کہ ایک مکھی اور ایک چیونٹی بھی نہیں بنا سکتے کسی کی بگڑی کو نہیں بنا سکتے کسی کی مدد اور حمایت نہیں کر سکتے۔ قرآن مجید کا یہ بیان ذرا اسی کے الفاظ میں سنئے :۔

إِنَّ اللّٰهَ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللّٰهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝ (شوریٰ ع-۱)

"زمین و آسمان کی بادشاہت اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے، وہی زندگی اور موت دیتا ہے اور اللہ کے سوا کوئی تمہارا کارساز اور مددگار نہیں۔"

سورۂ فاطر میں فرمایا :۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللّٰهِ مَا يَمْلِكُونَ مِن قِطْمِيرٍ ۝ (فاطر ع-۲)

"یہی اللہ تمہارا پروردگار اور مالک ہے اسی کی بادشاہی ہے، اور اللہ کے سوا جن ہستیوں کو تم پکارتے ہو وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے (جیسی کسی بے قیمت اور حقیر چیز) کی بھی مالک نہیں۔"

سورۂ حج میں فرمایا :۔

إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللّٰهِ لَن يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ (الحج ع-۱۰)

"اللہ کے سوا جن ہستیوں کو تم پکارتے ہو وہ تو ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے۔ اگر سب مل کر اس کے لئے کوشش بھی کریں۔"

سورۂ سباء میں فرمایا :۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُم مِّن دُونِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِن شِرْكٍ وَمَا لَهُ مِنْهُم مِّن ظَهِيرٍ ۝ (سباء ع-۳)

"اے پیغمبر! آپ ان سے کہئے کہ تم اللہ کے سوا جن کو اپنا کارساز اور حاجت روا سمجھتے ہو ان کو پکار کر تو دیکھو، زمین و آسمان میں ان کا ذرہ برابر بھی اختیار نہیں ہے اور نہ ان میں کسی قسم کی ان کی شرکت ہے اور نہ ان میں سے کوئی اس کا مددگار ہے (مطلب یہ کہ نہ کوئی چیز ان کی ملکیت میں ہے نہ ان کا ساجھا ہے اور نہ اللہ کو ان سے اپنے کاموں میں مدد لینے کی ضرورت ہے۔"

سورۂ زمر میں فرمایا :۔

قُلْ أَفَرَأَيْتُم مَّا تَدْعُونَ مِن دُونِ اللّٰهِ إِنْ أَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَاشِفَاتُ

ضُرِّهٖۤ اَوْ اَرَادَنِیْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ قُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ ؕ عَلَیْهِ یَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝ (زمر ع ۔ ۴)

"اے پیغمبر! آپؐ ان سے کہئے کہ تم بتاؤ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، اگر اللہ مجھے کوئی تکلیف دینا چاہے تو کیا وہ اس کو دور کر سکتے ہیں؟ یا اگر اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت سے نوازنا چاہے تو کیا وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو مجھ سے روک سکتے ہیں (ہرگز نہیں) آپ کہہ دیجئے کہ اللہ مجھے کافی ہے اور بھروسہ کرنے والے اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔"

سورۂ شوریٰ میں فرمایا :۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِیُّ ۔ (شوریٰ ع ۔ ۱)

"کیا انھوں نے اللہ کے سوا کچھ کارساز بنائے ہیں؟ پس اللہ تعالیٰ ہی سب کا کارساز ہے۔"

نظامِ عالم کو قائم رکھنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے

قرآن کہتا ہے کہ زمین و آسمان کے اس نظام کو بلا شرکت غیرے صرف اللہ تعالیٰ ہی چلا رہا ہے، اور وہی اس کو تھامے ہوئے ہے۔ اگر وہ ایک لمحہ کے لئے اس کو چھوڑ دے تو کوئی دوسرا اس کو تھام نہیں سکتا۔ اور پھر ساری کائنات آن کی آن میں فنا کے گھاٹ اُتر جائے۔

اِنَّ اللّٰهَ یُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَاۤ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ (فاطر ع ۔ ۵)

"اللہ تعالیٰ ہی تھامے ہوئے ہے آسمانوں اور زمین کو کہ ٹل نہ جائیں، اور اگر وہ ٹل جائیں تو اس کے سوا کوئی اُن کو تھام نہیں سکتا۔"

صرف اللہ تعالیٰ ہی زندۂ جاوید ہے باقی سب فانی ہیں

قرآن مجید یہ بھی بتلاتا ہے کہ اصلی اور ذاتی زندگی جس کو کبھی فنا نہیں، صرف اللہ کی ہے اور اس کے سوا جو ہستیاں ہیں ان سب کی زندگی مستعار ہے اور سب کو فنا کے گھاٹ گزرنا ہے۔ ارشاد ہے :۔

هُوَ الْحَیُّ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۔ (مومن ع ۔ ۷)

"صرف وہی زندۂ جاوید ہے اس کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں۔"

سورۂ قصص میں فرمایا :-

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهٗ ۔ (قصص ع - ۹)

"اس ذات کے سوا جو کچھ ہے سب فنا ہونے والا ہے"۔

صرف اللہ تعالیٰ ہی عالم الغیب اور علیم کُل ہے

اسی طرح قرآن مجید یہ بھی بتلاتا ہے کہ یہ شان صرف اللہ ہی کی ہے کہ وہ ہر چیز کو جانتا ہے اور غیب و شہود سب یکساں طور پر اس کے سامنے ہے کسی کی کوئی بات اس سے پوشیدہ نہیں ۔ ارشاد ہے :-

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ إِلَّا بِمَا شَاءَ (البقرہ ع ۳۴)

"اللہ وہ سب کچھ جانتا ہے جو بندوں کے سامنے حاضر ہے اور اس سب کو بھی جانتا ہے جو انکے پیچھے اور ان سے غائب ہے اور مخلوقات اور بندوں کا حال یہ ہے کہ وہ اس کے لیے نہایت علم میں سے ایک چیز کو بھی پوری طرح نہیں جان سکتے ۔ الا یہ کہ کسی چیز کا علم وہ خود ہی ان کو دینا چاہے"۔

ایک جگہ ارشاد ہے :-

لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ أَبْصِرْ بِهٖ وَأَسْمِعْ ۔ (کہف ع ۳-)

"آسمان و زمین کے چھپے بھیدوں کا اسی کو علم ہے کیسا عجیب دیکھنے والا اور سننے والا ہے"۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے :-

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ ۔ (نمل ع ۵-)

"اے پیغمبر! آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے اور بتا دیجئے کہ آسمان و زمین میں جو مخلوقات ہیں وہ غیب کا علم نہیں رکھتے بجز اللہ کے ۔ بس صرف وہی عالم الغیب ہے"۔

ایک اور موقع پر فرمایا :-

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ ۔ (انعام ع ۷-)

"اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں اس کے سوا کوئی اُن کی خبر نہیں رکھتا (مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے پاس کوئی ایسا آلہ اور ذریعہ نہیں جس سے غیب کے مخفی بھیدوں کا علم حاصل ہو سکے")

توحیدِ حقوق

ذات وصفات اور افعال و اختیارات میں اللہ تعالےٰ کی وحدانیت اور یکتائی بیان کرنے کے ساتھ قرآن مجید یہ بھی بتلاتا ہے کہ وہ حقوق میں بھی وحدہٗ لاشریک ہے' بندوں پر جو حقوق اُس کے ہیں، وہ اُس کے سوا کسی کے نہیں ۔

حمد و ستائش اسی کا حق ہے' وہی محبت اور خوف کے قابل ہے' وہی اس لائق ہے کہ اس پر توکل اور آسرا کیا جائے اور اس سے لو لگائی جائے۔ وہی اصلی آقا اور حاکم ہے کہ اس کا قانون مانا جائے یعنی بندوں کے لئے شریعت مقرر کرنا اسی کا حق ہے۔ وہی دعاؤں کا سُننے والا اور قبول کرنے والا ہے' لہٰذا اسی سے دُعائیں کی جائیں اور وہی الٰہ و معبود ہے۔ لہٰذا اس کی اور صرف اسی کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے ۔

اس سلسلہ میں سنئے قرآن کا بیان :-

صرف اللہ ہی لائق حمد و ستائش ہے

وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِى الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ط (القصص ع-۷)

"اور وہی اللہ ہے اُس کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں اور دُنیا و آخرت میں صرف وہی حمد و ستائش کا سزاوار ہے"

ایک اور جگہ فرمایا :-

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (الجاثیہ ع-۴)

"ساری حمد و ستائش اللہ تعالےٰ ہی کے لئے ہے جو آسمان و زمین اور ساری کائنات کا پروردگار ہے' اور صرف اسی کے لئے عظمت و کبریائی اور بڑائی ہے آسمان و زمین میں' اور وہی ہے زبردست اور صاحبِ حکمت"

اللہ ہی سب سے زیادہ محبت اور خوف کے قابل ہے

یعنی اپنے بے انتہا احسانات اور کمالات کے لحاظ سے وہی اس کا مستحق ہے کہ بندے سب سے زیادہ محبت اُسی سے کریں اور سب سے زیادہ اسی کو چاہیں اور اپنے حاکمانہ جلال و جبروت کے لحاظ سے وہی اس کا مستحق ہے کہ اُس کے بندے سب سے زیادہ اُسی سے ڈریں۔

جن نادانوں اور گمراہوں نے اللہ تعالےٰ کے سوا کچھ ہستیاں ایسی بنا رکھی ہیں جن سے وہ بندگی اور نیازمندی کا تعلق رکھتے ہیں اور ان سے اللہ کے برابر محبت کرتے ہیں۔ اُن کے متعلق قرآن مجید کا بیان ہے :۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ۔ (بقرہ - ع - ۲۰)

"اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو اس کا ہمسر اور مدِمقابل بناتے ہیں اور وہ اُن سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی محبت اللہ سے کرنی چاہیئے۔ اور جو اہلِ ایمان ہیں وہ سب سے زیادہ محبت اللہ ہی سے رکھتے ہیں"

اور خوف کے متعلق ارشاد ہے :۔

فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (توبۃ ع - ۲)

"اگر تم مومن ہو تو اللہ تعالےٰ ہی اس کا سب سے زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو، اور اس کا خوف کرو"

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے :۔

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ ۝ (مائدہ ع - ۷)

"تم انسانوں سے خوف نہ کھاؤ بلکہ مجھ سے اور صرف مجھ سے ڈرو"

وہی توکل اور آسرا لگانے کے قابل ہے

هُوَ مَوْلٰنَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ (سورہ توبہ - ع - ۷)

"وہ اللہ ہمارا کارساز ہے آقا ہے اور بس اسی اللہ پر ایمان والوں کو بھروسہ کرنا چاہیئے"

سُورۂ حج میں فرمایا :-

وَاعْتَصِمُوا بِاللّٰهِ هُوَ مَوْلٰكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ٥ (سورۂ حج ع-۸)

"اور بس اللہ کا سہارا مضبوطی سے پکڑ لو، وہی تمہارا کارساز ہے اور جس کا کارساز اللہ ہو تو کیا ہی اچھا کارساز اور کیا ہی اچھا مددگار ہے۔

سُورۂ مزمل میں فرمایا :-

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ٥ (سورۂ مزمل ع-۱)

"وہ مشرق و مغرب کا مالک ہے، وہی معبود برحق ہے، اس کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں، لہٰذا اسی کو اپنا کارساز بنا لو اور حاجت اور ضرورت میں اسی کی طرف رجوع کرو۔"

وہی حاکم ہے اور اسی کا حکم واجب العمل ہے

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ٥

(سورۂ انعام - ع - ۱۴)

"کیا میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور فیصلہ دینے والا حکم تلاش کروں، حالانکہ اس نے تمہاری طرف کتاب مفصل نازل کر دی ہے۔"

جو نادان اللہ تعالیٰ کے سوا بعض دوسری ہستیوں کی بتائی ہوئی باتوں کو "شریعت" بنا لیتے ہیں اور ان کی پیروی ضروری سمجھتے ہیں۔ اُن کے بارے میں قرآن کہتا ہے :-

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ط (شوریٰ ع-۳)

"کیا اُن کے لئے اور شریک ہیں، جنہوں نے ان کے واسطے وہ دین اور وہ قانون مقرر کیا ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے نہیں دیا۔"

توحید کے بارے میں قرآن مجید کا سب سے اہم مطالبہ

ہر مقصد کے لئے دُعا اور مدد طلبی صرف اللہ تعالےٰ سے اور ہر عبادت صرف اُسی کیلئے ہونی چاہیئے

قرآن مجید نے توحید کے اس پہلو پر سب سے زیادہ زور دیا ہے اور یہ اس لئے کہ شرک میں مُبتلا ہونے والی دُنیا کی قومیں اور اُمتیں شرک فی الدعاء اور شرک فی العبادہ ہی میں زیادہ تر مُبتلا ہوئی ہیں اور ہمیشہ ناخدا شناس اور کم عقل انسانوں سے یہی شرک زیادہ ہُوا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور ہستیوں کو اپنا حاجت روا اور مُشکل کشا سمجھ کر اُن سے دُعائیں کیں اپنی حاجتیں اور مُرادیں اُن سے مانگیں، انہیں راضی اور خوش کرنے کے لئے طرح طرح اُن کی عبادت اور پُوجا کی، اُن کے آگے سجدے کئے، اُن کے نام کی خیر خیرات کی اور اُن کے لئے نذریں اور منتیں مانیں، اور ہر آنکھ والا دیکھ سکتا ہے کہ بڑی مشرکانہ گمراہیوں میں آج بھی یہی گمراہی سب سے زیادہ عام ہے جتیٰ کہ مسلمان کہلانے والوں میں بھی ایک خاصی تعداد اس شرک میں مُبتلا ہے۔

بہرحال شرک فی الدعا اور شرک فی العبادہ چونکہ سب سے بڑی مذہبی گمراہی ہے اور ناخدا شناس انسان زیادہ تر اسی میں مُبتلا ہوتے ہیں، اس لئے قرآن مجید نے توحید کے سلسلے میں توحید فی الدعاءٗ اور توحید فی العبادۃ پر سب سے زیادہ زور دیا ہے۔ پہلے چند آیتیں توحید فی الدعاء کے سلسلہ کی پڑھ لیجئے :۔

لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ۔

(سورۂ رعد ع - ۲)

"حاجتوں اور ضرورتوں میں صرف اُسی اللہ کو پکارنا سچا پکارنا ہے اور اس کے سوا جن ہستیوں کو وہ مشرک پکارتے ہیں اور جن سے دُعائیں کرتے ہیں، وہ ان کے کچھ بھی کام نہیں آسکتیں"

اللہ تعالیٰ کے سوا دوسری ہستیوں سے دعائیں کرنے والوں اور اپنی حاجتیں مانگنے والوں سے ایک اور جگہ ارشاد ہے :۔

وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ۔

(سورۂ اعراف ع - ۲۴)

"اور اللہ تعالیٰ کے سوا جن ہستیوں کو تم پکارتے ہو اور جن سے دُعائیں کرتے ہو اور مدد مانگتے ہو، وہ تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتے اور اپنی بھی مدد کرنے سے وہ عاجز اور بے بس ہیں (پس اُن سے مدد مانگنا تمہاری کیسی حماقت ہے)۔"

ایک اور جگہ ارشاد ہے :۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ۝ (سورۂ بنی اسرائیل ع - ۶)

"اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہہ دو کہ تم نے اپنے خیال میں اللہ تعالیٰ کے سوا جن ہستیوں کو معبود و کارساز سمجھ رکھا ہے، اُنہیں اپنی حاجتوں اور مصیبتوں میں پکار دیکھو، نہ وہ تمہاری تکلیف دُور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں، نہ تمہاری حالت بدل سکتے ہیں۔"

ایک جگہ ارشاد ہے :۔

وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ (سورۂ مومنون ع - ۶)

"اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دُوسرے من گھڑت معبود کو پکارتا ہے، اُس کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے اور اس کا حساب اس کے پروردگار کے حضور ہونا ہے، یقیناً کفر کرنے والے کبھی فلاح نہیں پائیں گے۔"

ایک جگہ ارشاد ہے :۔

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ۝ (سورۂ شعراء ع ۱۱)

"مت پکارو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے فرضی اور من گھڑت معبود کو، اگر ایسا کرو گے تو تم ہو جاؤ گے عذاب پانے والوں میں سے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ایک جگہ ارشاد ہے :۔

قُلْ إِنَّمَا أَدْعُوا رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِهِ أَحَدًا ○ (سورہ جن ع-۲)

"اے پیغمبر! کہہ دو کہ میں تو صرف اپنے پروردگار کو پکارتا ہوں، اسی سے دعا کرتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔"

ایک اور جگہ ارشاد ہے :-

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ط

(سورۂ قصص ع - ۹)

"اور مت پکارو اللہ کے ساتھ کسی اور فرضی اور من گھڑت الٰہ کو۔ صرف اللہ ہی الٰہ حق ہے اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، اس کی پاک ذات کے علاوہ جو کچھ اس عالم موجودات میں ہے، سب فانی ہے۔"

اس آیت میں قرآن پاک نے غور و فکر کرنے والوں اور سمجھنے والوں کے لئے ایک بڑا عام فہم استدلالی ارشاد کیا ہے۔

قرآن کہتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے سوا جو کچھ ہے سب فناء ہونے والا ہے۔ باقی رہنے والی اور کبھی نہ فناء ہونے والی ہستی صرف اللہ تعالےٰ کی ہے جو سب کا خالق اور پروردگار ہے اور اللہ کے سوا دوسری ہستیوں کو حاجت روا اور کارساز سمجھ کر اُن سے دُعائیں کرنے والے اور مُرادیں مانگنے والے جاہل مشرکین بھی اس حقیقت کو جانتے اور مانتے ہیں کہ سدا رہنے والی ذات صرف اللہ ہی کی ہے اور باقی سب فانی ہیں۔

پس قرآن کہتا ہے کہ جن ہستیوں کے متعلق تم خود جانتے ہو کہ وہ اپنے وجود اور اپنی حیات میں بھی مختار نہیں اور اپنے کو موت اور فناء سے بچا لینا بھی جن کے بس میں نہیں، سوچو کہ اُن کو کارساز اور حاجت روا سمجھ کر اُن سے مدد مانگنا اور ان کو پکارنا کتنی بڑی حماقت ہے۔

پس جو لوگ بتوں کو یا نیک اور مقدس روحوں کو یا گزرے ہوئے پیروں یا پیغمبروں کو اپنی مدد کے لئے پکارتے ہیں اور اپنی حاجتوں میں اُن سے دُعائیں کرتے ہیں (حالانکہ جانتے ہیں کہ یہ سب فانی ہستیاں ہیں) وہ خود سوچیں کہ وہ کیسی احمقانہ حرکت کرتے ہیں اور اپنے کو وہ کتنی گہری پستی میں گراتے ہیں۔

یہ چند آیتیں توحید فی الدعا کے سلسلہ کی تھیں۔ اب توحید فی العبادۃ کے متعلق بھی

آیتیں پڑھ لیجئے :۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ ۔ (بنی اسرائیل ع ۔۳)

"اور تمہارے پروردگار کا قطعی حکم ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔"

ایک جگہ حکم ہے :۔

اُعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا۔ (النساء ع ۔۶)

"بس اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔"

چونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا جن ہستیوں اور جن فرضی معبودوں کی عبادت کی جاتی ہے وہ اس غلط فہمی کی وجہ سے کی جاتی ہے کہ یہ ہستیاں بناؤ بگاڑ اور نفع و نقصان کا کچھ اختیار رکھتی ہیں، اس لئے قرآن مجید نے بہت سے مقامات پر اس صراحت کے ساتھ شرک فی العبادۃ سے روکا ہے کہ تم جن کی عبادت کرتے ہو وہ بالکل عاجز و بے بس ہیں، نہ تمہارا کچھ بگاڑ سکتے ہیں نہ بنا سکتے ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے :۔

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ط وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ٥ (سورۃ مائدہ ع ۔۱۰)

"اے پیغمبرؐ! ان لوگوں سے کہو، کیا تم اللہ تعالیٰ کے سوا ایسی ہستیوں کی عبادت کرتے ہو جن کے قبضہ میں تمہارا نفع نقصان کچھ بھی نہیں اور اللہ تعالےٰ سب کچھ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ (لہٰذا تمہیں اس کی پکڑ اور اس کے عذاب سے بے خوف نہیں رہنا چاہیئے۔"

ایک دوسری جگہ ان ہی مشرکین کے متعلق ارشاد ہے :۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْئًا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ٥ (سورۃ نحل ع ۔۱۰)

"اللہ کے سوا اُن ہستیوں کی یہ عبادت کرتے ہیں جنہیں آسمان و زمین میں سے رزق دینے کا کچھ بھی اختیار نہیں اور نہ ان کو کچھ قدرت ہے۔"

قرآن مجید یہ بھی بیان کرتا ہے کہ جو قومیں اور اُمتیں شرک میں مُبتلا ہوئیں اور انھوں نے اللہ کے سوا کسی اور کو بھی اپنا معبود بنایا۔ ان کے نبیوں اور ان میں آنے والے اللہ کے سچے ہادیوں نے ان کو

ہرگز اس شرک کی تعلیم نہیں دی تھی، بلکہ خالص توحید ہی کی تلقین کی تھی، ارشاد ہے :۔

وَمَآ أُمِرُوٓا إِلَّا لِيَعۡبُدُوٓا إِلَٰهًا وَٰحِدًا لَّآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ سُبۡحَٰنَهُۥ عَمَّا يُشۡرِكُونَ ۝

(سورہ توبہ ۔ ع ۔ ۴)

"انہیں (اگلے پیغمبروں اور اگلی کتابوں کے ذریعے) جو حکم دیا گیا وہ اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ صرف ایک معبود حق کی عبادت اور بندگی کریں، اس کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں۔ وہ پاک ہے ان کے شرک سے۔"

اور ایک دوسری جگہ فرمایا :۔

وَلَقَدۡ بَعَثۡنَا فِي كُلِّ أُمَّةٖ رَّسُولًا أَنِ ٱعۡبُدُوا ٱللَّهَ وَٱجۡتَنِبُوا ٱلطَّٰغُوتَ ۔ (سورہ نحل ۔ ع ۵)

"اور بھیجا ہم نے ہر قوم میں اپنا پیغامبر (اسی دعوت اور اسی پیام کے ساتھ) کہ صرف اللہ کی عبادت کرو، جو سچا معبود ہے اور ہر جھوٹے خدا کی عبادت اور بندگی سے بچو۔"

ایک اور جگہ فرمایا :۔

وَمَآ أَرۡسَلۡنَا مِن قَبۡلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِيٓ إِلَيۡهِ أَنَّهُۥ لَآ إِلَٰهَ إِلَّآ أَنَا۠ فَٱعۡبُدُونِ ۝

(سورۃ الانبیاء ع ۔ ۲)

"اور جو پیغمبر بھی ہم نے تم سے پہلے بھیجا اس کی طرف یہی وحی ہم نے کی اور اس کو یہی پیام دیا کہ میرے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں ہے، لہٰذا صرف میری ہی عبادت اور بندگی کرو۔"

اس اجمالی بیان کے علاوہ جن انبیاء علیہم السلام کی دعوت و تعلیم کا قرآن مجید میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے قرآن نے ان کے متعلق صراحت اور وضاحت سے بیان کیا ہے کہ ان سب نے پہلی بات اپنی قوم سے یہی کہی کہ تمہاری عبادت اور بندگی کا مستحق صرف ایک اللہ ہے، بس اسی کی عبادت کرو اور اس کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کرو۔ "أَن لَّا تَعۡبُدُوٓا إِلَّا ٱللَّهَ" اور أَنِ ٱعۡبُدُوا ٱللَّهَ مَا لَكُم مِّنۡ إِلَٰهٍ غَيۡرُهُۥٓ ۔ قرآن کا بیان ہے کہ یہی بات نوحؑ نے کہی۔ یہی ہودؑ اور صالحؑ نے کہی یہی شعیبؑ نے کہی۔ یہی ابراہیمؑ نے، اور ان کے بعد آنے والے سب پیغمبروں نے کہی۔

عیسائیوں نے تثلیث کا عقیدہ گھڑا اور حضرت مسیحؑ اور روح القدس کو، اور بعض نے حضرت مسیحؑ اور ان کی والدہ مریم صدیقہ کو خدائی میں شریک کیا، اور اللہ کے اس پاک پیغمبر پر یہ تہمت دھری کہ اس نے ہمیں یہ تعلیم دی تھی۔ قرآن مجید نے جا بجا اس کو رد کیا اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے

دوسرے سب نبیوں رسولوں کی طرح ہمارے بندے اور پیغمبر مسیحؑ نے بھی توحید ہی کی تعلیم دی تھی، اُس نے اپنی قوم سے صاف کہا تھا :-

وَقَالَ الْمَسِيحُ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۖ إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ ۖ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ ۝ (المائدہ ع-۱۰)

"اور مسیحؑ نے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت اور بندگی کرو، جو میرا اور تمہارا سب کا پروردگار ہے، بلاشبہ جس کسی نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا تو اس پر اللہ تعالیٰ نے جنت حرام کردی اور اس کا ٹھکانہ دوزخ کی آگ ہے اور ایسے ظالموں کا کوئی حامی مددگار نہ ہوگا"

دوسری جگہ سورۂ آل عمران میں بیان فرمایا گیا ہے کہ :-

حضرت مسیحؑ نے جب اللہ کے رسولؑ کی حیثیت سے اپنی قوم کے سامنے اپنے کو پیش کیا اور فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے کوڑھیوں اور اندھوں کو اچھا کر سکتا ہوں اور مُردوں کو زندہ کر سکتا ہوں اور فلاں فلاں معجزے دکھا سکتا ہوں، تو ساتھ ہی صاف صاف یہ بھی اُن سے کہہ دیا کہ میں خدا نہیں ہوں بلکہ اُسی اللہ کا بندہ ہوں جس کے تم بندے ہو۔ اور میرا رب اور پروردگار وہی ہے جو تمہارا رب اور پروردگار ہے اور تنہا وہی عبادت اور بندگی کا مستحق ہے، میں تم کو اسی کی عبادت اور بندگی کی دعوت دیتا ہوں، یہی راہِ نجات ہے۔ قرآن مجید نے اس موقع پر حضرت مسیحؑ کے جو الفاظ نقل کئے ہیں وہ یہ ہیں :-

إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۗ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ۝ (سورہ آل عمران ع ۵)

"اس حقیقت میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ اللہ ہی میرا رب ہے اور وہی تمہارا رب ہے اور ہم سب اُس کے بندے ہیں۔ پس تم کو اسی کی عبادت کرنی چاہیئے۔ یہی صراطِ مستقیم ہے"

بہرحال قرآن مجید نے توحید کے ہر پہلو پر پورا پورا زور دیا ہے اور کسی قسم کے شرک کے لئے قطعاً کوئی بھی گنجائش نہیں چھوڑی ہے اور خاص طور پر توحید فی الدعا اور توحید فی العبادۃ پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے۔ اور جیسا کہ عرض کیا گیا کہ اس لئے کہ ہمیشہ سے مذہبی دُنیا کی سب سے بڑی اور سب سے زیادہ عام گمراہی شرک فی الدعا اور شرک فی العبادت ہی رہی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کے بالکل شروع میں اللہ تعالےٰ کی حمد وثناء کے چھوٹے چھوٹے تین جملوں کے بعد چوتھے جملے یعنی

چوتھی آیۃ (اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ) میں پہلا اقرار ہر قرآن پڑھنے والے سے یہ لیا جاتا ہے کہ " وہ اللہ کے سوا کبھی کسی اور ہستی کی عبادت نہیں کرے گا اور کبھی کسی اور کو صاحب اختیار اور حاجت روا سمجھ کر اس سے مدد طلب نہیں کرے گا اور دُعا نہیں مانگے گا "

اور ایک جگہ تو اس توحید فی العبادۃ اور توحید فی الدعاء کی تعلیم کو قرآن مجید نے اس حیثیت سے پیش کیا ہے کہ گویا یہی قرآن اور قرآن لانے والے اللہ کے آخری پیغمبر کی اصل دعوت ہے اور یہی گویا دینی دعوت کا اصل مقصد و مدعا اور مرکزی نقطہ ہے ۔ پڑھئے سورۂ یونس کے آخری رکوع کی یہ آیتیں :-

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِنْ دِينِي فَلَا أَعْبُدُ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ أَعْبُدُ اللَّهَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَأَنْ أَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذًا مِنَ الظَّالِمِينَ ۝ وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ يُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝ (سورۂ یونس ع - ۱۱)

" اے پیغمبر ! آپ اُن لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تمہیں میرے دین اور میرے طریقے کے بارے میں کوئی شک وشبہ ہے تو سن لو میں صاف صاف کہتا ہوں (کہ میرا دین اور میرا طریقہ یہ ہے کہ) اللہ کے سوا تم جن ہستیوں کی عبادت اور پرستش کرتے ہو میں اُن کی عبادت نہیں کرتا ، بلکہ میں صرف اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تم پر موت طاری کرتا ہے ، اور مجھے اسی اللہ کا حکم ہے کہ میں ایمان والوں کے زمرے میں ہو جاؤں اور یہ کہ سیدھا کر دو اپنا رُخ ، اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کے لئے اور ہر گز نہ ہو مشرکوں میں سے ۔ اور نہ پکارو اللہ کے سوا اُن ہستیوں کو جو نہ تمہیں کوئی نفع پہنچا سکتی ہیں نہ کوئی تکلیف دے سکتی ہیں ، اور اگر تم نے ایسا کیا تو پھر تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے ۔ اور یقین کرو کہ اگر اللہ تمہیں کوئی تکلیف پہنچائے تو اللہ کے سوا کوئی اس کو دُور کر سکنے والا نہیں ، اور اگر وہ تمہارے لئے کسی بھلائی کا ارادہ کرے اور اپنی رحمت سے نوازنا چاہے تو اس کے فضل و کرم کو روک سکنے والا کوئی نہیں ۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے نوازے اور نصیب فرمائے ۔ وہ بہت بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے ۔ "

ان آیتوں میں قرآن کے لانے والے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اعلان کرایا گیا ہے کہ میرا دین اور میرا طریقہ جس کی طرف اے لوگو! میں تم سب کو بھی دعوت دیتا ہوں اس کا بنیادی اصول اور خاص مرکزی نقطہ یہ ہے کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کی جائے اور صرف اسی کو سب کے نفع و نقصان اور خیر و شر اور بناؤ بگاڑ کا مالک و مختار یقین کرتے ہوئے اپنی حاجتوں اور پریشانیوں میں صرف اُسی کو پکارا جائے۔ اسی سے مدد مانگی جائے اور اُسی سے دُعا کی جائے اور اس معاملہ میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔

توحید کا آخری تکمیلی سبق

توحید کے متعلق قرآن مجید کی جو تعلیم یہاں تک پیش کی گئی ہے وہ بھی یقیناً قرآن مجید کا اور اسلام کا امتیاز ہے اور اس دُنیا کے کسی دوسرے دینی صحیفہ اور کسی ہدایت نامہ میں اور کسی ہادی اور پیشوا کی تعلیم میں توحید کا ایسا جامع اور مکمل درس جہاں تک ہمیں علم ہے موجود نہیں ہے۔ لیکن قرآن نے اس سب سے بھی آگے بڑھ کر تعلیم توحید کے سلسلہ میں ایک اور ایسی بات کہی ہے جس کو "توحید کا آخری تکمیلی سبق" کہا جا سکتا ہے۔ سورۂ انعام کے آخری رکوع میں خود قرآن کے لانے والے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا گیا ہے:-

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ (سورۃ الانعام ع ۲۰)

"آپ اعلان کیجئے کہ میری نماز اور میری ہر قسم کی عبادت اور قربانی اور میرا جینا اور مرنا سب کچھ اللہ ربّ العالمین کے لئے ہے، جس کا کوئی شریک نہیں، مجھے یہی حکم دیا گیا ہے اور مَیں سب سے پہلے سر اطاعت خم کرنے والا ہوں"۔

اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اعلان کرایا گیا ہے کہ:-

"میری نماز اور میری ساری عبادات صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور اسی طرح میری پوری زندگی اور میری موت بھی اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہی کے لئے ہے، اور مجھے اسی کا حکم ہے کہ نماز و عبادت کی طرح میری ساری زندگی بلکہ میری موت بھی اللہ تعالیٰ کے لئے ہو، مَیں جو کچھ کروں، اُسی کے لئے کروں، اور اسی کے حکم کے مطابق کروں،

اور اسی کی فرمانبرداری میں جیوں اور مروں۔ اور اپنے مالک کے اس حکم پر میں سب سے پہلے اپنا سر اطاعت جھکاتا ہوں اور زندگی کا ہر لمحہ اس کی رضا جوئی اور اسی کی عبدیت و بندگی میں گزارنے کا فیصلہ کرتا ہوں"۔

بلاشبہ توحید کا اعلیٰ درجہ یہی ہے کہ بندہ اپنے آپ کو کلی طور پر اللہ تعالیٰ کی عبدیت میں دیدے وہ کھلے کہدے کہ میں اور میری موت و حیات اور میرا سب کچھ بس اللہ کے لئے ہے اسی کے واسطے اور اسی کے حکم پر مجھے جینا اور مرنا ہے۔

قرآن مجید میں توحید کے اس آخری اور تکمیلی سبق کے لئے جو یہ پیرایہ اختیار کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے متعلق یہ اعلان کرنے کا حکم دیا گیا تو اس میں ایک خاص حکمت اور مصلحت غالباً یہ بھی ہے کہ جب کوئی پیغمبر خود اپنی ہی زبان سے دنیا کو اپنے متعلق یہ بتلائے کہ میری ساری نیازمندیاں اور عبادت گزاریاں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں اور میرا جینا مرنا بھی اسی کے واسطے ہے، اور میں سب سے پہلے اس کے ہر حکم پر سر اطاعت خم کرنے والا ہوں۔ یعنی بندگی اور سرافگندگی کے وصف میں بھی سب سے آگے اور سب کا پیشرو ہوں۔ تو پھر کسی کے لئے اس کی بالکل گنجائش نہیں رہتی کہ وہ اس پیغمبر کو خدا یا خدائی میں شریک سمجھے۔

یہ واقعہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء اور سید الرسل ماننے والی امت کے لئے توحید کے باب میں سب سے بڑا خطرہ یہی تھا کہ آپ کے غیر معمولی کمالات اور معجزات سے مبہوت ہو کر عیسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ کو بھی خدا یا شریک خدا سمجھ لیا جاتا، اسی لئے قرآن مجید میں آپ کی عبدیت و بشریت اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں آپ کی نیازمندی اور سرافگندگی کو جا بجا اجاگر کیا گیا ہے اور اس کے لئے اکثر مقامات پر یہی پیرایۂ بیان اختیار کیا گیا ہے کہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اس کا اعلان و اظہار کرایا گیا ہے۔ کہیں ارشاد ہے :-

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَاسْتَقِيمُوا إِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوهُ ۗ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِينَ ○ (حم سجدہ ع ۔۱)

"اے رسول! آپ اعلان فرما دیجئے کہ میں بھی بس تم جیسا ایک انسان ہوں، میری طرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے، بس تم اسی

کی طرف سیدھ باندھ لو اور اس سے بخشش طلب کرو، اور مشرکوں کیلئے بڑی خرابی ہے۔

کہیں ارشاد ہے :-

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ (بنی اسرائیل ع ۱۰)

"اے پیغمبر! آپ ان کو کہئے کہ پاک ہے میرا پروردگار (اسے سب کچھ قدرت ہے) اور میں تو بس ایک آدمی ہوں اللہ کا پیغام لانے والا۔"

کہیں ارشاد فرمایا گیا :-

قُلْ إِنِّيْ لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ۝ قُلْ إِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ أَحَدٌ وَّلَنْ أَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۔ (الجن ع ۲)

"اے پیغمبر! آپ اعلان کر دیجئے کہ میں اختیار نہیں رکھتا تمہیں کوئی نقصان پہنچانے کا اور نہ کسی بھلائی سے ہمکنار کرنے کا (اور) اعلان کر دیجئے کہ (اللہ اگر مجھے پکڑنا چاہے تو) ہرگز نہیں بچا سکتا کوئی مجھے اللہ تعالیٰ کی گرفت سے اور نہ ہرگز میں اس کے دامن رحمت کے سوا کہیں پناہ پا سکتا ہوں۔"

اور ایک جگہ حکم فرمایا گیا :-

قُلْ لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْءُ ۚ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۝

(سورۃ الاعراف ع ۲۳)

"اے پیغمبر! آپ اعلان کر دیجئے کہ میں تو خود اپنی جان کے نفع اور نقصان کا بھی اختیار نہیں رکھتا مگر جو خدا چاہے، اور اگر میں غیب دان ہوتا تو بہت سے منافع سمیٹ لیا کرتا اور مجھے کوئی گزند زندگی میں نہ چھوتا، میں تو بس عذاب کے خطرہ سے خبردار کرنے والا اور بشارت سنانے والا ہوں۔"

اُمت محمدی کو شرک کے اس خطرے سے بچانے کے لئے قرآن کریم میں ایک خاص اہتمام یہ بھی کیا گیا ہے کہ جن مقامات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر معمولی کمالات اور خاص الخاص بلندیوں کا ذکر آیا ہے، وہاں خصوصیت سے آپؐ کے لئے عبد (بندہ) کا لفظ بولا گیا ہے۔ چنانچہ معراج میں جو انتہائی ترقی اور بلندی آپ کو حاصل ہوئی (جو آپؐ کے سوا کسی نبی اور کسی فرشتے

کو بھی حاصل نہیں ہوئی) اس کو قرآن مجید نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے :-

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا ۔ الایۃ (بنی اسرائیل ع ۱-)

"پاک ذات ہے وہ جو رات میں لے گیا اپنے بندے کو"

اور اسی سفر معراج کے سلسلہ میں جہاں سورۃ النجم میں مقام "قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی" تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہنچنا ذکر کیا گیا ہے وہاں بھی فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی" فرما کر آپ کے مقام عبدیت کو یاد دلایا گیا ہے۔

اس موقع پر یہ بات بھی ذکر کرنے کے لائق ہے کہ شہادت کے جس کلمہ کو اسلام کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ یعنی اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اس میں جس طرح اللہ تعالےٰ کی وحدانیت کی شہادت اور اس کا اعلان و اقرار ہے، اسی طرح اس حقیقت کا بھی اعلان و اقرار ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت کے ساتھ آپ کی عبدیت اور بندگی کی شہادت بھی جزوِ ایمان قرار دی گئی ہے جس کے بغیر کوئی آدمی مسلمان ہی نہیں ہو سکتا۔

ان اوراق میں اگرچہ صرف قرآنی دعوت و تعلیم پیش کرنے کا ارادہ کیا گیا ہے لیکن اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض وہ ارشادات بھی نقل کر دینے کو بے اختیار جی چاہتا ہے جن میں آپ نے اپنی عبدیت کا بے لاگ اظہار فرمایا ہے اور اُمت کو اس گمراہی سے بچانے کی امکانی کوشش فرمائی ہے جس میں آپ سے پہلے پیغمبر حضرت مسیح علیہ السلام کی اُمت اور بعض دوسری اُمتیں مبتلا ہوئیں۔ آپ کا مشہور ارشاد ہے :-

لَا تُطْرُوْنِیْ کَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰی ابْنَ مَرْیَمَ فَاِنَّمَا اَنَا عَبْدُہٗ فَقُوْلُوْا عَبْدُ اللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ۔ (رواہ البخاری ومسلم عن عمرؓ) - (مشکوٰۃ شریف کتاب الادب)

"عیسائیوں نے جس طرح عیسیٰ ابن مریم کو حد سے بڑھایا، خبردار تم میرے ساتھ ایسا نہ کرنا میں بس اللہ کا بندہ ہوں، اس لئے مجھے بندگی اور پیغمبری ہی کے مقام پر رکھنا اور اللہ کا بندہ اور رسول ہی کہنا"

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے ایک موقع پر اپنے صحابہؓ کو تاکید فرمائی :-

لَا تَرْفَعُوْنِیْ فَوْقَ حَقِّیْ فَاِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قَدِ اتَّخَذَنِیْ عَبْدًا قَبْلَ اَنْ یَّتَّخِذَنِیْ رَسُوْلًا۔

(رواہ الطبرانی فی الکبیر والحاکم فی المستدرک) کنز العمال ج ۱ ص ۴۲)

"تم مجھ کو میرے اصل مرتبہ سے مت بڑھاؤ، اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا رسول قرار دینے سے پہلے اپنا بندہ بنایا ہے (پس میں رسول ہونے سے بھی پہلے بندہ ہوں"۔

ایک موقع پر بعض صحابہ سے اظہارِ عظمت وعقیدت میں کچھ بے اعتدالی اور لغزش ہو گئی تو آپ نے سخت تنبیہ فرمائی اور ارشاد فرمایا :۔

لَا يَسْتَهْوِيَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ اَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ مَا اُحِبُّ اَنْ تَرْفَعُوْنِيْ فَوْقَ مَنْزِلَتِيَ الَّتِيْ اَنْزَلَنِيَ اللّٰهُ ۔ (رواہ احمد وعبد بن حمید وسعید بن منصور والبیہقی فی شعب الایمان) کنز العمال ج ۲ ص ۱۳۲)

"لوگو تمہیں شیطان گمراہ نہ کر دے، میں عبداللہ کا بیٹا محمد ہوں، اللہ کا بندہ ہوں اور اُس کا رسول، مجھے یہ بات اچھی نہیں لگتی کہ تم مجھے میرے اس مرتبے سے اُوپر اٹھاؤ، جہاں اللہ تعالیٰ نے مجھے رکھا ہے"۔

ایک دفعہ کسی صحابی کی زبان سے سلسلۂ کلام میں نکل گیا: "مَاشَآءَ اللّٰهُ وَشِئْتَ" یعنی وہ ہوگا جو اللہ چاہے اور جو آپ چاہیں، آپ اس پر سخت برہم ہوئے، اور فرمایا :

جَعَلْتَنِيْ لِلّٰهِ نِدًّا اَبَلْ مَاشَآءَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ ۔ (رواہ الطبرانی فی الکبیر۔ کنز العمال ج ۲ ص ۱۳۳)

"تم نے مجھ کو خدا کے برابر کر دیا، یوں نہیں، بلکہ یوں کہو کہ جو تنہا خدا چاہے وہ ہوگا"۔

آپ کے سامنے بعض اگلی اُمتوں کا یہ تجربہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے جن نبیوں نے زندگی بھر توحید کی اور شرک کی بیخ کنی میں اپنی عمر صرف کر دی۔ اُن ہی کے اُمتیوں نے اُن پیغمبروں کی وفات کے بعد اُن کی قبروں کو سجدہ گاہ اور اپنا معبود بنا لیا۔ اس لئے آپ نے پہلے سے آگاہی دی اور پیش بندی فرمائی :۔

اِنَّ مَنْ کَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ اَنْبِيَآءِهِمْ مَسَاجِدَ فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ اِنِّيْ اَنْهَاكُمْ عَنْ ذَالِكَ ۔ (رواہ مسلم عن جندب بن عبد اللہ)

"تم سے پہلی بعض اُمتوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا تھا، دیکھو تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنا لینا، میں تم کو صاف صاف اس سے منع کرتا ہوں"۔

اور وفات سے کچھ ہی پہلے اپنے آخری مرض میں اللہ تعالیٰ سے دُعا فرمائی :۔

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثَنًا يُّعْبَدُ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى قَوْمٍ اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَاءِ هِمْ مَسَاجِدَ۔ (مؤطا امام مالکؒ)

"اے میرے اللہ! ایسا نہ ہو کہ میری قبر بُت کے مانند ہو جائے جس کی لوگ پرستش اور پُوجا کریں، اللہ کا سخت غضب اُن لوگوں پر ہُوا ہے جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا۔"

اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن لانے والے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ سارے ارشادات اور اپنی پرستش کے امکانات کو قطعی طور سے ختم کرنے کے لئے آپ کی یہ صریح تنبیہات اور تاکیدات دراصل قرآن مجید ہی کی تعلیم و توحید کی تشریح و تفسیر ہیں۔

اللہ تعالےٰ اپنے اس پاک پیغمبر پر اپنی بے انتہا رحمتیں نازل فرمائے جس نے توحید کی تعلیم کو اس قدر صاف اور اُجلا کر کے دُنیا کے سامنے پیش کیا اور شرک کے ہر امکانی راستہ کو بند کیا۔

شرک اور مشرکین کی سخت مذمّت اور اُن سے اعلانِ بیزاری

قرآن مجید نے دعوتِ توحید کے سلسلہ میں بہت سے مقامات پر یہ پیرایہ بھی اختیار کیا ہے کہ توحید کی تعلیم سے بغاوت کرنے والے مشرکین اور اُن کے شرک کے نہایت بُرے انجام سے لوگوں کو ڈرایا ہے اور اُن سے اللہ تعالےٰ کی انتہائی ناراضی اور بیزاری کا اعلان فرمایا ہے اس سلسلے کی بھی چند آیتیں پڑھ لیجئے۔ سورۂ نساء میں فرمایا:۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ۔ (نساء ع-۱۸)

"اللہ معاف نہیں کریگا اور نہیں بخشے گا اس گناہ کو کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے" اور معاف کر دے گا اس کے سوا دوسرے گناہ جس کے چاہے۔"

پھر سورۂ مائدہ میں فرمایا:۔

اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ؀ (مائدہ ع-۱۰)

"یہ بات یقینی ہے کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرے اللہ تعالیٰ نے اُس پر جنت حرام کر دی ہے اور اُس کا مستقل ٹھکانہ دوزخ ہی ہے اور ان ظالموں کا کوئی حمایتی اور مددگار نہیں۔

اور اسی واسطے کہ شرک قطعاً ناقابلِ معافی جرم ہے اور ہر مشرک کے لئے جہنم میں جھونکے جانے کا قطعی فیصلہ ہو چکا ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور سب ایمان والوں کو یہ حکم سنایا گیا کہ خبردار کسی مشرک کے لئے اللہ تعالےٰ سے مغفرت اور بخشش کی دعا بھی نہ کرو۔ اللہ تعالےٰ ان ظالموں ناپاکوں کے حق میں بخشش کی دعا بھی نہیں سننا چاہتا۔ فرمایا گیا:-

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ ۝

(توبہ ع - ۱۴)

"پیغمبر کو اور ایمان والوں کو نہیں چاہیئے کہ وہ مشرکوں کے حق میں مغفرت اور بخشش کی دعا کریں، اگرچہ وہ اُن کے عزیز قریب ہی کیوں نہ ہوں"۔

اور اسی سورۂ توبہ میں دوسری جگہ فرمایا گیا:-

إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ - (توبہ ع - ۴)

"اللہ کے ساتھ شرک کرنے والے ناپاک اور پلید ہیں"۔

اور اسی سورہ میں اعلان فرمایا گیا:-

إِنَّ اللَّهَ بَرِيءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ وَرَسُولُهُ - (توبہ ع-۱)

"اللہ تعالیٰ بری اور بیزار ہے سارے مشرکوں سے اور اس کا رسول بھی بیزار ہے"۔

قرآن مجید کی دعوتِ توحید کے سلسلہ میں اگرچہ ہم نے زیادہ اختصار سے کام نہیں لیا ہے لیکن اس کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ جو کچھ ان اوراق میں توحید کے سلسلے میں لکھا گیا اور جو کچھ ناظرین نے اس سے سمجھا، اس کو قرآن کے بیانِ توحید کا "مشتے نمونہ از خروارے" کہنا بھی مشکل ہے۔

اللہ نے جس کو قرآن فہمی کی دولت نصیب فرمائی ہے وہ براہِ راست قرآن مجید میں تدبر کر کے ہی اس کی دعوتِ توحید کے زور و قوت اور اس کی وسعتوں اور لطافتوں کو سمجھ سکتا ہے بلکہ وہ بھی جب تک اور جہاں تک غور کرتا رہے گا، اس کو یہی محسوس ہوتا رہے گا کہ اب تک میں نے جو کچھ سمجھا قرآن میں اس سے بہت زیادہ ہے ؎

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی!

آخرت

قرآن مجید جن حقیقتوں کو ماننے، قبول کرنے اور اُن پر ایمان لانے کی پورے زور سے دعوت دیتا ہے اور ان کو زندگی کی بنیاد بنانے پر پُوری شدت کے ساتھ اصرار کرتا ہے ان میں اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اس کی صفات اور توحید کے بعد آخرت کا مسئلہ ہے۔

یعنی قرآن مجید کہتا ہے کہ جس طرح اپنے سر کی آنکھوں سے خدا کو نہ دیکھنے اور نہ اپنے کانوں سے اس کی آواز نہ سُننے کے باوجود تمہارے نزدیک خدا کی ہستی ہے اور اس کا ہونا ایک ایسی حقیقت ہے جس سے کسی کی سلیم فطرت انکار نہیں کر سکتی۔ اسی طرح یہ بھی ایک حقیقت ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ اس دنیوی زندگی کے بعد ایک اور زندگی ہے اور وہ زندگی اس دنیوی زندگی کی طرح عارضی اور چند روزہ نہیں ہے بلکہ دوامی ہے' اور ہر حیثیت سے اس زندگی کے مقابلہ میں ہزاروں لاکھوں گنا بڑھی چڑھی ہے اور اس زندگی میں ہماری اس دنیوی زندگی کی نیکیوں اور بداعمالیوں کی جزا اور سزا ملے گی۔

اللہ کی ہستی اور اس کی صفات کی طرح آخرت کا مسئلہ بھی چونکہ دین و مذہب کے لئے بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے' اس لئے اللہ کے سارے پیغمبروں اور اس کی نازل کی ہوئی سب کتابوں نے آخرت کو ماننے اور اُس پر ایمان لانے کی دعوت دی اور قرآن مجید چونکہ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اور لئے اس میں تو آخرت کے مسئلے پر اتنا زور دیا گیا اور مختلف پہلوؤں سے اس پر اتنی روشنی ڈالی کہ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کا بہت زیادہ حصہ آخرت ہی کے بیان سے متعلق ہے۔

قرآن مجید آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دینے کے ساتھ غور وفکر کرنے والے انسانوں کے یہ بھی بتلاتا ہے کہ آخرت کیوں ضروری ہے اور اس کا انکار کتنی سنگین گمراہی ہے اور اس کے کیا نتائج ہیں اور اس کے بارے میں جو شبہات جاہلوں اور ناخداشناسوں کو ہوتے ہیں وہ کس قدر سفیہانہ اور احمقانہ شبہات ہیں۔

پھر قرآن مجید کسی قدر تفصیل سے یہ بھی بتلاتا ہے کہ آخرت میں کیا کیا سامنے آنے والا ہے نیکوکاروں

اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبرداروں کو کیا کیا انعامات ملنے والے ہیں اور ان کے لئے خوش عیشی اور لذت اندوزی کے وہاں کیا کیا سامان ہیں؟ اور بدکاروں اور اللہ کے نافرمانوں کے لئے وہاں کیسے کیسے لرزہ خیز عذاب ہیں، جنت میں کیسی کیسی لذتیں اور بہاریں ہیں اور دوزخ میں کیسی کیسی ہوشربا تکلیفیں اور دردناک سزائیں ہیں۔

آخرت کیوں ضروری ہے؟

سب سے پہلے آخرت کے ضروری اور یقینی ہونے کے متعلق قرآن مجید کا بیان سنئے:۔

قرآن کہتا ہے کہ اگر زندگی اسی دنیا پر ختم ہو جائے اور اس کے بعد کوئی اور زندگی نہ ہو تو پھر یہ سارا کارخانۂ عالم بالکل بے مقصد ہنگامہ اور بے معنی تماشا اور اپنے پیدا کرنے والے کا ایک عبث فعل ٹھہرتا ہے اور پھر اس کی تخلیق کی کوئی ایسی توجیہ نہیں کی جا سکتی جو اس علیم و حکیم خالق کے شایانِ شان ہو۔

اس کو ذرا تفصیل سے یوں سمجھئے کہ ذرا سا غور و فکر کرنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ اس پورے کارخانۂ عالم میں بنی نوع انسان کی حیثیت اور اس کا درجہ وہی ہے جو ایک گھر میں گھر والے آدمی کا ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح گھر میں گھر کے آدمیوں کے علاوہ بہت سی چیزیں ہوتی ہیں، مثلاً کھانے پینے کی چیزیں، پہننے کے کپڑے، فرش فروش، تخت، قالین، پلنگ، بستر، الماریاں، میز، کرسی، آئینہ اور دوسرے زینت و آرائش کے سامان، اسی طرح کھانے پینے کے برتن، روشنی کے لئے بجلی کے قمقمے یا لیمپ وغیرہ، سواری کے لئے سائیکل موٹر یا سواری کے جانور، موٹر یا سواری کے جانور، جی بہلانے کے لئے طوطا، مینا، کبوتر جیسے پرندے یا بلی کتے، علی ہذا بچوں کے قسم قسم کے کھیل کھلونے۔ لیکن ان میں سے کوئی چیز بھی خود مقصود نہیں بلکہ ہر چیز گھر میں اس لئے رکھی جاتی ہے کہ انسان اس سے کام لے۔ خواہ وہ جی بہلانے کا یا گھر کی زینت و آرائش کا یا بچوں کے کھیلنے ہی کا کام کیوں نہ ہو۔

پس اسی طرح اس پورے کارخانۂ عالم میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے سوا یہاں جو کچھ بھی ہے زمین، پہاڑ، ہوا، پانی، دریا، نہریں، چاند، سورج، چرند، پرند، نباتات، معدنیات، سب کی سب انسان کے لئے ہیں۔ گویا اس پوری کائنات میں اصل مقصود صرف انسان ہے اور زمین و

آسمان کا یہ سارا کارخانہ صرف انسان کے لئے وجود میں لایا گیا ہے۔ اور یہ ایک بالکل کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ انسان کی اس دُنیا کی یہ چند روزہ زندگی خواب و خیال سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی اور پھر فی صدی ایک دو بھی تو ایسے نہیں ہیں جو اپنی اس زندگی سے خوش اور مطمئن ہوں بلکہ اس ناچیز راقم سطور کا خیال ہے کہ اگر آخرت کی وہ زندگی نہ ہوتی جس کی اطلاع انبیاء علیہم السلام نے دی ہے اور قرآن مجید نے جس کو پوری تفصیل سے بیان کیا ہے تو پھر انسانوں کے لئے اس دُنیا میں پیدا ہونے سے ہزاروں درجہ بہتر یہ تھا کہ وہ سرے سے پیدا ہی نہیں کئے جاتے۔ بلکہ اس سے بھی ایک قدم اور آگے بڑھ کر کہتا ہوں کہ اگر آخرت کی زندگی پر ایمان نہ ہوتا تو میں اپنے پیدا کئے جانے پر احتجاج کرتا اور یہاں کی ہزاروں فکروں اور پریشانیوں والی اس چند روزہ زندگی کے مقابلے میں صرف اپنے ہی لئے نہیں بلکہ سب انسانوں کے لئے میں کسی ایسے طریقے سے خودکشی کو جائز بلکہ بہتر سمجھتا جس میں زیادہ تکلیف نہ ہوتی۔ بہرحال اس دُنیا میں پیدائش سے لے کر موت تک انسانوں کو جو چند سالوں کی زندگی ملتی ہے جس کا ابتدائی کافی حصہ بچپن کی کمزوریوں اور بے لطفیوں میں گذر جاتا ہے، اس کے بعد جوانی آتی ہے، جو طاقتوں اور توانائیوں کے ساتھ ہزاروں قسم کی فکروں کو اور اُن خواہشوں اور امنگوں کو ساتھ لاتی ہے جن کو پُورا کرنے کا ہر آدمی سامان نہیں پاتا۔ پھر جوانی کا ڈھلاؤ اور قوتوں میں اضمحلال آنا شروع ہوتا ہے، اور کچھ دنوں کے بعد بڑھاپا اپنی ساری مجبوریوں اور آزاریوں، دُکھوں اور بیماریوں کے ساتھ آجاتا ہے اور بالآخر ان ہی منزلوں سے گذر کر آدمی موت کے راستے اس دُنیا سے چلا جاتا ہے۔ بس یہی ہے ہر انسان کی دنیوی زندگی، بشرطیکہ اُس کو پُوری طبعی عمر بھی مل جائے۔ سوچئے کیا کسی کی عقلِ سلیم یہ مان سکتی ہے کہ انسان کی یہ زندگی کوئی ایسی بڑی چیز ہے جس کے لئے عالمِ ہست و بُود کا یہ سارا ہنگامہ برپا کرنا درست اور قرینِ حکمت ہو۔

بہرحال بے چارے انسانوں کی اس چند روزہ اور بے لطف زندگی کے لئے زمین و آسمان کے اس پُورے نظام کی تخلیق بلکہ خود انسان کی پیدائش بھی یقیناً ایک قابلِ اعتراض تماشا اور بے مقصد کھیل ہے۔ اگر اس دنیوی زندگی کے بعد آخرت کی وہ زندگی نہ ہو جس کی اطلاع انبیاء نے اور اللہ تعالیٰ کی کتابوں نے ہم کو دی ہے۔ قرآن مجید نے اس پورے مضمون کو اپنے

بلیغ معجزانہ اور نہایت مختصر الفاظ میں اس طرح ادا کیا ہے :-

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ○ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ○ (المومنون ع-٦)

"کیا تمہارا خیال ہے کہ ہم نے تم کو یوں ہی فضول اور عبث پیدا کیا ہے اور اپنی دنیوی زندگی ختم کرنے کے بعد ہماری طرف تمہاری واپسی نہیں ہوگی، سو برتر ہے اللہ تعالیٰ کی ذات جو بادشاہ حقیقی ہے تنہا معبود ہے جس کے سوا کوئی قابلِ عبادت نہیں وہ عرشِ عظیم کا مالک ہے۔"

حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ جو بادشاہ حقیقی، لاشریک معبود اور ربّ العرش ہے اس کے بارے میں اس خیال اور گمان کی قطعاً گنجائش نہیں ہے کہ اس نے انسانوں کو یوں ہی بے مقصد اور فضول و عبث پیدا کیا ہو، بلکہ اس نے انسان کو ایک اہم مقصد کے لئے پیدا کیا ہے اور وہ مقصد یہ ہے کہ اس دنیا میں رہ کر وہ اللہ تعالیٰ کے دربار کی حاضری اور آخرت کی زندگی میں اللہ تعالیٰ کا خاص فضل وانعام حاصل کرنے کی تیاری کرے جو اس کی آخری اور اعلیٰ منزل ہے۔

پس انسان کی یہ دنیوی چند روزہ زندگی ہی اس کی نشانی اور دلیل ہے کہ اس کے بعد آخرت کی وہ پائیدار اور ترقی یافتہ زندگی بھی ہونی چاہیئے جس کی خبر انبیاء علیہم السلام نے اور اللہ تعالیٰ کی کتابوں نے دی ہے، ورنہ اس دنیا میں انسان کا آنا ایک بے مقصد کھیل اور لاحاصل تماشا ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے پاک اور برتر ہے۔ اسی حقیقت کو دوسری جگہ ان الفاظ میں ارشاد فرمایا گیا ہے :-

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ○ (دخان ع-۲)

"اور ہم نے آسمانوں کو زمین کو اور جو کچھ کہ ان کے درمیان ہے کھیل تماشے کے طور پر عبث اور بے مقصد نہیں بنایا ہے۔"

اور سورۂ قیامہ میں ارشاد ہے :-

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ○ (قیٰمۃ ع-۲)

"کیا انسان خیال کرتا ہے کہ وہ یوں ہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا (اپنے کیے کی جزا سزا نہ پائے گا)"

دراصل انسان کی دنیوی زندگی میں اور یہاں اس کی تخلیق میں معنویت جب ہی ہے جبکہ جزا اور سزا پر ایمان لایا جائے اور اس حقیقت کو مانا جائے کہ یہاں کی زندگی اگلے عالم کی، یعنی آخرت کی اعلیٰ اور ترقی یافتہ دوامی زندگی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ اگر اس کو نہ مانا جائے اور آخرت کا انکار

کہا جائے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان کی تخلیق جیسے اللہ تعالیٰ کے باعظمت فعل کو فضول و عبث اور بے مقصد قرار دیا جائے۔ تَعَالَی اللّٰہُ عَنْ ذَالِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝

آخرت کے ضروری ہونے پر قرآن مجید کی ایک دوسری دلیل

قرآن پاک نے آخرت کے ضروری ہونے پر ایک اور پہلو سے بھی روشنی ڈالی ہے۔ اپنے خاص انداز میں قرآن پاک انسانوں کی سلیم فطرت اور عقل سلیم کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ تم دیکھتے ہو کہ اس دنیا میں برائی اور بھلائی موجود ہے، لیکن اس کی سزا اور جزا جو اللہ تعالیٰ کی صفت عدل کا تقاضہ ہے یہاں نہیں ملتی، اس لئے یہ ضروری ہے کہ اس دنیوی زندگی کے بعد کوئی اور زندگی ہو جس میں نیک بختوں کو ان کی نیکو کاریوں کی جزا اور مجرموں کو ان کی بدکاریوں کی سزا ملے۔ اگر ایسا نہ ہو تو اس دنیا کے خالق اور پروردگار پر اس سے بڑا الزام آئے گا۔

اس کو ذرا تفصیل سے یوں سمجھئے کہ اس دنیا میں سب دیکھتے ہیں کہ بہت سے پیشہ ور ظالم بدمعاش عمر بھر بڑے بڑے پاپ کرتے ہیں، لوگوں کے جان و مال پر ڈاکے ڈالتے ہیں کمزوروں پر ظلم کرتے ہیں، بندگانِ خدا کے حق مارتے ہیں، غریبوں کو ستاتے ہیں، رشوتیں لیتے اور خیانتیں کرتے ہیں اور عمر بھر عیش کرتے ہوئے اولاد کے لئے بھی بہت کچھ سامانِ عیش چھوڑ کر اس دنیا سے چلے جاتے ہیں اور اس کے برعکس اللہ تعالیٰ کے بہت سے بندوں کو اس حال میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ وہ بے چارے بڑی نیکی اور پارسائی کی زندگی گزارتے ہیں، کسی پر ظلم نہیں کرتے کسی کے ساتھ دغا اور دھوکہ نہیں کرتے، کسی کا حق نہیں مارتے، اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کرتے ہیں، اس کی مخلوق کی خدمت بھی کرتے ہیں۔ اس کے باوجود ان کی زندگی تنگی اور تکلیف سے گزرتی ہے، کبھی کوئی بیماری آزاری ہے، کبھی کوئی تکلیف اور پریشانی ہے اور بے چارے اسی حال میں دنیا سے چلے بھی جاتے ہیں، اور نہیں دیکھا جاتا کہ ان کی اس نیکی اور پارسائی کا کوئی بھی صلہ ان کو اس دنیا میں ملا ہو۔

پس اگر اس دنیوی زندگی کے بعد بھی کوئی اور ایسی زندگی نہ ہو جہاں ان بدکاروں اور نیکوکاروں کو اپنے اپنے کئے کی جزا اور سزا ملے تو یقیناً خدا پر الزام آئے گا کہ اس کے یہاں دنیا کی بے انصاف حکومتوں سے بھی زیادہ اندھیر ہے، نہ نیکوکاروں کی نیکی کی کچھ قدر ہے اور نہ ظالموں بدکاروں

کی بدکاری اور بدمعاشی کی کوئی سزا ہے، بلکہ سارے پارساؤں، پرہیزگاروں اور چوروں و ڈاکوؤں کے ساتھ اندھیر نگری والا ایک ہی برتاؤ ہے اور ظاہر ہے کہ کوئی سلیم عقل اس کو قبول نہیں کر سکتی۔ اللہ تعالےٰ کی ہستی تو بہت بلند ہے، یہ طرزِ عمل تو کسی بھلے آدمی کے بھی شایانِ شان نہیں جبکہ وہ شریفوں اور شریروں اور پرہیزگاروں اور پیشہ ور بدمعاشوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرے۔ قرآن مجید اسی بات کو اپنے نہایت مختصر اور بلیغ و معجزانہ الفاظ میں اس طرح کہتا ہے :-

اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِیْنَ کَالْمُجْرِمِیْنَ ۔ (قلم ع - ۲)

"کیا ہم فرمانبرداروں کو مجرموں نافرمانوں کے برابر کر دیں گے؟ (یعنی ایسا ہرگز نہیں ہوگا)"۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے :-

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَالْمُفْسِدِیْنَ فِی الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِیْنَ کَالْفُجَّارِ ۝ (صٓ ع - ۳)

"کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کئے ان لوگوں کے برابر کر دیں گے جو دُنیا میں فساد برپا کرتے پھرتے ہیں، کیا ہم پرہیزگاروں اور بدکاروں کے ساتھ یکساں برتاؤ کریں گے (ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا)"۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے :-

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ کَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ ۝ (جاثیہ ع ۲)

"یہ لوگ جنہوں نے جرائم اور بدکاریوں کو اختیار کر لیا ہے کیا ان کا خیال ہے کہ ہم ان مجرموں کو اپنے مومن وصالح بندوں کے ساتھ رکھیں گے کہ ان کی زندگی اور اُن کی موت یکساں ہو، بُرا ہے اُن کا یہ فیصلہ اور بالکل غلط ہے اُن کا یہ خیال"!

قرآن مجید کی اس دوسری دلیل کو دوسرے الفاظ میں یوں بھی ادا کیا جا سکتا ہے کہ اس دُنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہر مادی چیز کے بھی کچھ خواص اور آثار ہیں۔ مثلاً آگ میں گرمی اور جلانے کی خاصیت ہے۔ پانی میں ٹھنڈک اور بجھانے کی خاصیت ہے، زمین سے اُگنے والی ہر جڑی بوٹی میں کوئی نہ کوئی خاصیت ہے حتیٰ کہ زمین کے کیڑے مکوڑوں میں بھی کچھ خواص ہیں، اور اسی طرح انسان

کے ہر مادی عمل اور ہر حیوانی فعل کے بھی آثار اور نتائج ہوتے ہیں۔ مثلاً کھانا کھانے سے پیٹ بھرتا ہے اور بھوک جاتی ہے، پانی پینے سے سیرابی حاصل ہوتی ہے اور پیاس دفع ہوتی ہے۔ دوڑنے بھاگنے سے آدمی تھکتا ہے اور جسم سے پسینہ نکلتا ہے، سخت چیز کھانے سے پیٹ میں درد ہوتا ہے، دست آور چیز کھانے سے دست آجاتے ہیں۔

پس ضروری ہے کہ انسان کے اچھے یا بُرے اخلاقی اعمال (جو مادّی اعمال وافعال سے یقیناً زیادہ اہم اور دُور رس ہیں) ان کے بھی کچھ آثار اور نتائج ہوں۔ مثلاً ایک شخص ہے جو خود بھوکا رہ کر دوسرے بھوکوں کو کھانا کھلاتا ہے، مشقت اُٹھا کے اور دُور دراز سے پانی لاکر پیاسوں کو پانی پلاتا ہے، غریبوں، کمزوروں کی خدمت کرتا ہے، مریضوں کی تیمارداری کرتا ہے اور اس دُنیا میں اپنی اس نیک کرداری اور مخلصانہ خدمت گزاری سے کوئی نفع نہیں اُٹھاتا تو ہماری عقل کا تقاضا ہے کہ اس کی یہ بلند ترین اخلاقی نیکیاں بے اثر اور بے نتیجہ نہ رہیں اور ان کا جو نتیجہ یا اثر ہونا چاہیئے وہ کبھی نہ کبھی ظہور میں آئے۔ اسی طرح جو شخص مثلاً جیب تراشی اور چوری کو اپنا پیشہ بنالیتا ہے یا جو جلاد دوسروں پر ظلم کرتا ہے، ان کے حقوق غصب کرتا ہے، رشوتیں لیتا ہے، کمزور پڑوسیوں کو ستاتا ہے یا اسی قسم کی دوسری اخلاقی بداعمالیاں کرتا ہے اور اس دُنیا میں اُس کی ان بدکاریوں کا کوئی اثر اور نتیجہ ظاہر نہیں ہوتا تو اس شخص کے بارے میں بھی ہماری عقل پورے یقین کے ساتھ فیصلہ کرتی ہے کہ اس کی ان بدمعاشیوں اور بداعمالیوں کا نتیجہ کبھی نہ کبھی ضرور ظاہر ہونا چاہیئے اور اس کو ان کا خمیازہ بھگتنا چاہیئے۔ عقلِ سلیم اس کو کسی طرح نہیں قبول کرسکتی کہ اشرف المخلوقات انسان جو اس کائنات میں سب سے زیادہ ذمّہ دار مخلوق ہے (بلکہ وہی اصل مقصود ہے اور باقی جو کچھ ہے یہ سب اس کے لئے ہے) اُس کے ایسے ایسے اہم اور دُور رس اچھے یا بُرے اعمال کا کوئی بھی اثر اور کوئی بھی نتیجہ نہ ہو۔ اگر ایسا ہو تو یہ اس عالم کی فطرت اور اللہ تعالےٰ کی اس حکمت کے بالکل خلاف ہوگا جس پر اللہ تعالےٰ نے اس عالم کو پیدا کیا ہے۔ سورۂ جاثیہ کی جو آیت ابھی اوپر تلاوت کی گئی ہے اس سے بالکل متصل آیت ہے:-

وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۔

(جاثیہ ع - ۳)

"اور اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو (اور یہاں کی ہر چیز کو) صحیح اور حکیمانہ اصول پر پیدا کیا ہے اور تاکہ ہر شخص کو اس کے کئے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے اور اُن پر ذرا ظلم نہ کیا جائے گا۔"

آخرت کے بارہ میں جاہلانہ و احمقانہ شبہات اور شیطانی وساوس

قرآن مجید نے ایک طرف تو آخرت کے ضروری اور یقینی ہونے پر روشنی ڈالی اور اس پر ایمان لانے کی دعوت دی اور دوسری طرف ان جاہلانہ اور احمقانہ شبہات و وساوس کو صاف کیا جو کم غور و فکر کرنے والے عام ذہنوں میں آخرت کے بارے میں پیدا ہوتے ہیں یا ایمان اور حق کی راہ سے لوگوں کو روکنے والے شیاطین ان کو پھیلاتے ہیں اور ان کا پروپیگنڈہ کرتے ہیں۔

قرآن پاک نے جابجا منکرین کے ان شبہات و وساوس کو نقل بھی کیا ہے اور پھر اپنے خاص اطمینان آفریں انداز میں اُن کے ایسے جوابات دیئے ہیں، اور آخرت کو سمجھانے کے لئے ایسے شواہد و نظائر پیش کئے ہیں کہ دل بالکل مطمئن ہو جاتا ہے اور کسی بھی صاحبِ عقل کے لئے انکار یا استبعاد کی گنجائش نہیں رہتی۔ آخرت کے بارے میں سب سے زیادہ مشہور اور پرانا شبہ وہی استبعاد کا (یعنی سمجھ میں نہ آنے کا) اور کسی مُردے کو اس دُنیا میں زندہ ہوتے ہوئے نہ دیکھنے کا شبہ ہے جس کو زمانۂ نزولِ قرآن میں عرب کے منکرینِ آخرت بھی بار بار دُہراتے تھے اور ان سے پہلے اور ان کے بعد کے منکرین بھی زیادہ تر اسی کو پیش کرتے رہے ہیں، قرآن مجید اپنے زمانے کے منکرین کے متعلق کہتا ہے:-

بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ۝ قَالُوْٓا ءَ اِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَ اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝ (مؤمنون ع ۔ ۵)

"بلکہ انہوں نے بالکل ویسی ہی اور وہی بات کہی جو اُن سے اگلے منکرین نے کہی تھی، انہوں نے کہا: کیا جب ہم مر جائیں گے اور (زمین میں دفن ہونے کے بعد) ہم مٹی اور ہڈیوں کا ڈھیر ہو جائیں گے تو کیا ہم اس کے بعد پھر زندہ کئے جائیں گے (یعنی یہ بات تو کسی طرح سمجھ میں آنے والی نہیں ہے، نہ دنیا میں کبھی ایسا ہوا ہے)۔"

ایک دوسرے موقع پر قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:-

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ءَ اِذَا كُنَّا تُرَابًا وَّ اٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ○ (نمل ع-۶)

"اور منکروں نے کہا کہ کیا جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے اور ہمارے آباؤ اجداد (جو پہلے مر کر مٹی ہو چکے ہیں) تو کیا ہم سب پھر سے پیدا کئے جائیں گے"۔

ایک اور موقع پر ان ہی کا قول نقل کیا گیا ہے :-

اِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ج ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ○ (قٓ - ع -۱)

"کیا جب ہم مر جائیں گے اور خاک ہو جائیں گے (تو اس کے بعد ہم کو دوبارہ زندگی دی جائے گی) یہ واپسی یعنی دوبارہ زندگی تو بہت بعید ہے"۔

واقعہ یہ ہے کہ آخرت کا انکار کرنے والوں کے پاس اس انکار کی کوئی دلیل نہیں ہے یعنی کسی دلیل اور برہان سے وہ یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ آخرت (جس کی اطلاع اللہ کے پیغمبروں نے اور اس کی کتابوں نے دی ہے) وہ ناممکن اور محال ہے۔ وہ جو کچھ کہتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں، وہ بس یہی ہے کہ مرنے اور مٹی ہو جانے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جانا بہت مستبعد ہے اور ہماری سمجھ سے باہر ہے، اور ہم نے کبھی ایسا ہوتے نہیں دیکھا لیکن جس شخص نے اللہ تعالیٰ کو اور اس کی صفات اور خاص کر اس کی وسیع قدرت کو کچھ جان لیا ہو اور اس کارخانۂ ہستی میں کچھ غور و فکر کیا ہو، اس کے نزدیک یہ بات سراسر جاہلانہ اور احمقانہ ہے۔

قرآن مجید نے بھی ان منکرین کو سمجھانے کے لئے یہی آسان طریقہ اختیار کیا ہے کہ ان کو بتلایا کہ تم مرنے کے بعد زندہ کئے جانے کو بہت بڑی اور بہت مشکل بات سمجھتے ہو اور صرف اسی لئے تم اس سے انکار کرتے ہو بیشک وہ بہت بڑی بات ہے لیکن جس علیم و حکیم اور قدیر و خبیر اللہ تعالیٰ نے یہ سارا عالم پیدا کیا ہے اور جو اس کو چلا رہا ہے اس کی عالیشان اور اس کی بے انتہا قدرت کے سامنے نہ یہ مشکل ہے نہ کوئی بڑی بات ہے۔ پھر اس دنیوی زندگی میں حیات بعد الموت کے جو خاص نظائر اور شواہد ہیں قرآن مجید ان کی طرف بھی ان منکرین کی رہنمائی کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تم ان میں غور کرو مثلاً اس دنیا میں خود تم جو پیدا کئے گئے ہو، اس اپنی پیدائش ہی پر غور کرو اور جنگل کی سوکھی بے جان زمین پر رحمت کا پانی برسا کر اللہ تعالیٰ جس طرح اس میں جان ڈال دیتا ہے اور اس کے نتیجہ میں چٹیل میدان جس طرح سبزہ زاروں میں تبدیل ہو جاتے ہیں، ان میں غور و فکر کرو تو حیات بعد الموت کے مسئلہ کو بڑی آسانی سے سمجھ لوگے اور پھر اس میں تمہارے لئے کوئی استبعاد اور استعجاب نہیں رہے گا۔

منکرینِ آخرت کے بے بنیاد شبہات کا جواب

قرآن مجید نے اس مسئلہ پر بلا مبالغہ سینکڑوں جگہ روشنی ڈالی ہے اور منکرینِ آخرت کے اُن بے بنیاد استبعادات اور بے دلیل وہمی اشکالات کو جابجا رفع کیا ہے۔ چند آیتیں اس سلسلہ کی یہاں بھی پڑھ لیجئے :۔

سورۂ یٰسین کے بالکل آخر میں آخرت کے متعلق ان ہی وہمی شبہات ووساوس کا جواب دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا حوالہ دے کر منکرین کی عقلوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا گیا ہے :

اَوَلَيْسَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۞ بَلٰى وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۞ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۞ (یٰسٓ ع۔۵)

"کیا وہ قادرِ مطلق جس نے آسمان وزمین (اور ان کے درمیان کی ساری مخلوقات) کو پیدا کیا ہے اس پر قادر نہیں ہے کہ ان جیسے پھر پیدا کرے، بلاشبہ وہ ضرور اس کی قدرت رکھتا ہے اور وہ تو بہت مخلوق پیدا کرنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے، اس کی شان تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کو بنانا چاہتا ہے تو اس کو کہتا ہے کہ ہو جا، تو اتنے ہی سے وہ ہو جاتی ہے"۔

یعنی کسی چیز کو وجود بخشنے اور پیدا کرنے کے لئے صرف اس کا ارادہ اور اس کی مشیت کا اشارہ کافی ہے تو اس کے لئے اپنی کسی مخلوق کو ایک دفعہ موت دے کر پھر سے زندہ کر دینا کیا مشکل ہے۔

اور سورۂ روم میں فرمایا :۔

هُوَ الَّذِىْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ؕ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۞ (روم ع۔۳)

"وہی ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے، پھر وہی دوبارہ اس کو پیدا کرے گا، اور ظاہر ہے کہ ایک دفعہ پیدا کرنے کے بعد پھر دوبارہ پیدا کرنا اس کے لئے بہت زیادہ آسان ہے اور آسمان وزمین میں اس کی شان سب سے اعلیٰ ہے اور وہ زبردست (قادرِ مطلق) اور حکمت والا ہے"۔

اور سورۂ حج میں ارشاد ہے :۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۚ وَنُقِرُّ فِى الْاَرْحَامِ

مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ وَمِنْكُمْ مَنْ
يُتَوَفَّىٰ وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا ۚ وَتَرَى
الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ
زَوْجٍ بَهِيجٍ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهُ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَأَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ
وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيهَا وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ ۝ (الحج ع-۱)

"اے لوگو! اگر تم کو قیامت اور بعث بعد الموت کے بارے میں کوئی شک ہے تو (غور کرو کہ) ہم نے تم کو بنایا ہے مٹی سے، پھر نطفہ سے، پھر بندھے ہوئے خون سے، پھر گوشت کے مشکل یا غیر مشکل ٹکڑے سے تاکہ ہم اپنی قدرت تمہارے لئے ظاہر کریں، اور ہم ٹھہرا دیتے ہیں جس نطفہ کو چاہیں رحم میں ایک مقررہ مدت تک، پھر باہر لاتے ہیں تم کو بچہ بنا کر، تاکہ پھر تم پہنچو اپنی پوری جوانی کو، اور بعضے تم میں کو وہ ہوتے ہیں جو اٹھا لئے جاتے ہیں (جوانی ہی میں) اور بعضے وہ ہوتے ہیں جو پہنچائے جاتے ہیں (بڑھاپے والی) نکمی عمر تک (جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ) علم و فہم حاصل کرنے کے بعد وہ پھر (سٹھیا کر) علم سے کورے ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اور (دوسری ایک دلیل اور نشانی بعد الموت کی یہ ہے کہ) تم دیکھتے ہو زمین کو خشک، پھر جب ہم نازل کرتے ہیں اس پر بارش تو وہ ترو تازہ ہو جاتی ہے اور پھولتی پھلتی ہے اور طرح طرح کے خوش رنگ سبزے اگاتی ہے، یہ سب اسی لئے ہے کہ اللہ تعالےٰ کی ہستی ہی حق ہے اور (تم اپنے ان مشاہدوں سے سمجھ سکتے ہو کہ) وہ جلانے والا ہے مُردوں کو اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے، اور یہ کہ قیامت یقیناً آنے والی ہے، اس میں کوئی شک نہیں، اور یقیناً اللہ تعالیٰ دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے گا قبروں کے دفن شدہ مُردوں کو۔"

قرآن مجید کی ان آیات کا حاصل یہی ہے کہ بعث بعد الموت کے مسئلہ میں شک کرنے والا، مگر اس کو سمجھنے کا ارادہ رکھنے والا انسان اگر خود اپنی آفرینش اور پیدائش میں اور بچپن سے لیکر بڑھاپے تک کی اپنی اس زندگی کی ان مسلسل تبدیلیوں میں غور کرے جن سے اس کا کوئی اختیار نہیں چلتا اور جو صرف اللہ تعالےٰ ہی کے حکم سے ہوتی ہیں۔ اور اسی طرح اگر وہ زمین کی حالت کے اس تغیر و تبدل میں غور کرے کہ ایک موسم میں وہ بالکل خشک و بے جان اور مُردہ پڑی ہوتی ہے اور اس میں زندگی کی کوئی رمق اور کوئی لہر نہیں دکھی جاتی پھر جب اللہ تعالےٰ

اپنی رحمت کا پانی اُس پر برسا دیتا ہے تو اسی مُردہ زمین میں سے زندگی اور شادابی سبزہ کی شکل میں اُبل پڑتی ہے۔

الغرض انسان اگر خود اپنی ہستی اور اپنے پاؤں کے نیچے والی زمین کے ان انقلابات پر ایک طالب صادق کی طرح غور کرے، تو بعث بعد الموت اور قیامت کے بارے میں اُسے کوئی اشتباہ اور استبعاد نہیں رہ سکتا۔

اور سورۂ روم میں ایک جگہ فرمایا :-

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَكَذَٰلِكَ تُخْرَجُونَ ۝ (روم ع - ۲)

"اللہ نکالتا ہے زندہ کو مُردہ سے اور نکالتا ہے مُردہ کو زندہ سے اور زندگی بخشتا ہے زمین کو مُردگی کے بعد (پس جس طرح دُنیا میں اللہ کی قدرت سے نیستی کے بعد ہستی اور موت کے بعد زندگی کا یہ سلسلہ جاری ہے) اسی طرح تم مرنے کے بعد قیامت میں زندہ کرکے اُٹھائے جاؤ گے"۔

اور اسی سورۂ روم میں دوسری جگہ ارشاد فرمایا :-

فَانظُرْ إِلَىٰ آثَارِ رَحْمَتِ اللَّهِ كَيْفَ يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمُحْيِي الْمَوْتَىٰ ۖ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ (الروم ع - ۵)

"اللہ کی رحمت کے آثار تو دیکھو وہ کیسے حیات تازہ بخش دیتا ہے زمین کو اس کے خشک و بے جان اور بالکل مُردہ ہو جانے کے بعد، ہاں ہاں بلاشبہ یہی اللہ دوبارہ زندہ کرنے والا ہے مُردوں کو اور اُس کو ہر چیز پر پُوری قدرت ہے"۔

اور سورۂ فصلت میں فرمایا :-

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنَّكَ تَرَى الْأَرْضَ خَاشِعَةً فَإِذَا أَنزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ۚ إِنَّ الَّذِي أَحْيَاهَا لَمُحْيِي الْمَوْتَىٰ ۚ إِنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ (فصلت ع - ۵)

"اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تم دیکھتے ہو زمین کو خشک پڑی ہوئی آثارِ حیات سے خالی، پھر جب ہم برسا دیتے ہیں اس پر پانی، تو وہ تر و تازہ ہو جاتی ہے اور پھولتی پھلتی ہے، یقیناً وہی قادرِ مطلق جس نے مردہ زمین کو یہ زندگی بخشی وہی دوبارہ زندہ کرنے والا

ہے مُردوں کو، بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے "

اور سورۂ زخرف میں فرمایا :-

وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ٥ (زخرف ع۱)

"اور وہ اللہ جس نے پانی برسایا آسمان سے ایک خاص مقدار میں پھر اس کے ذریعہ زندگی بخشی کسی مُردہ علاقہ کو (تو جس طرح بارش برسا کر وہ مُردہ علاقوں کو نئی زندگی بخشتا ہے) اسی طرح (اس کے حکم سے) تم مرنے کے بعد پھر زندہ کئے جاؤ گے "

واقعہ یہ ہے کہ قرآن مجید نے ان آیات اور ان جیسی اپنی اور سینکڑوں آیات میں حیات بعد الموت اور حشر نشر کے اس مسئلہ کو ایسا آسان کر کے سمجھایا ہے اور کم عقلوں کے احمقانہ شبہات اور وہمی استبعادات کو دفع کرنے کے لئے ایسے عام فہم اور دلنشین دلائل پیش کئے ہیں جن کے بعد کسی استبعاد و اشکال اور کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی اور مسئلہ ایسا روشن اور بدیہی ہو جاتا ہے کہ بجائے اس کے کہ اس پر کسی کو تعجب ہو، اس کے انکار اور اس کے بارے میں شک وشبہ کے اظہار پر لوگوں کو تعجب ہونا چاہیئے۔ یہی بات قرآن مجید میں کیسے بلیغ انداز میں فرمائی گئی ہے :-

وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ٥ (رعد ع-۱)

"اور اگر تم لوگوں کو تعجب ہو تو تعجب اور حیرت کے قابل ان (احمقوں) کا یہ کہنا ہے کہ جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم کو پھر ایک نئی پیدائش اور نئی زندگی ملے گی "

گویا کہ حیات بعد الموت اور حشر نشر کے مسئلہ پر قرآن مجید نے جو روشن دلائل پیش کئے ہیں ان کے سامنے آجانے کے بعد کسی منکر کا یہ کہنا کہ :

"مر کر ہمارے جسموں کے مٹی ہونے کے بعد ہم دوبارہ نئے سرے سے کیسے پیدا کئے جائیں گے" ؟

ایسی قابلِ تعجب حماقت اور سفاہت ہے جس پہ جس قدر بھی تعجب کیا جائے کم ہے ۔

آخرت میں کیا کیا ہونے والا ہے ؟

قرآن مجید اپنے اصل مقصد و موضوع کے لحاظ سے چونکہ انذار و تبشیر، ترغیب و تحذیر اور ہدایت و نصیحت کا صحیفہ ہے فلسفہ یا علم کلام کی کتاب نہیں ہے اس لئے آخرت کے متعلق استدلالی بحث سے بہت زیادہ اس میں آخرت میں پیش آنے والے ان واقعات کا ذکر کیا گیا ہے جن کے

تذکرہ سے ایک سلیم الفطرت آدمی کے دل میں آخرت کی فکر اور خدا کا خوف پیدا ہو سکتا ہے بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید کا بہت بڑا حصہ اسی مضمون سے تعلق رکھتا ہے۔

آخرت کی منزلیں

موت دراصل اس دُنیا سے عالمِ آخرت کی طرف انتقال ہی کا نام ہے اور اس لحاظ سے آخرت کا سفر گویا موت ہی سے شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن مرنے کے دن سے لے کر قیامت تک کا جو زمانہ ہے جس کو برزخ کہا جاتا ہے، اس کی نسبت عالمِ آخرت کے لحاظ سے قریب قریب وہی ہے جو نسبت زمانۂ حمل کو اس دنیوی زندگی سے ہے۔ گویا آخرت کی اصل زندگی اگرچہ قیامت سے شروع ہو گی اور جزا و سزا کا اصل ظہور قیامت کے بعد ہی ہو گا لیکن موت سے لے کر قیامت تک کا دَور اُس کی اسی طرح کی تمہیدی اور برزخی منزل ہے جیسے کہ اس دُنیا میں آنے کے لئے ہر آدمی کو کچھ مُدت ماں کے پیٹ میں ٹھہرنا پڑتا ہے۔ اسی واسطے قرآن مجید میں وقت موت سے قیامت تک کے اس برزخی دَور کا ذکر بہت کم اور صرف مجملاً کیا گیا ہے۔ البتہ قیامت، حشر نشر، حساب کتاب اور جنت و دوزخ کے ثواب و عذاب کا ذکر بلا مبالغہ سینکڑوں جگہ اور ایسے تفصیلی انداز میں کیا گیا ہے جو انسانوں کے دلوں میں آخرت کی فکر اور خدا کا خوف پیدا کرنے کے لئے بالکل کافی بلکہ کافی سے بھی بہت زیادہ ہے۔ اور بلاشبہ اس خصوصیت میں وہ آپ ہی اپنی نظیر ہے۔ چند آیتیں اس سلسلہ کی یہاں بھی پڑھ لیجئے:۔

سورۂ مؤمنون میں ایک جگہ عالمِ آخرت کی ان تمام منزلوں کا ذکر کسی قدر اجمال کیساتھ اس طرح فرمایا گیا ہے:

حَتّٰی اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ○ لَعَلِّیْ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ط اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ط وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ○ فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَاۤ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَئِذٍ وَّلَا یَتَسَآءَلُوْنَ ○ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فِیْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ○ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِیْهَا كٰلِحُوْنَ ○ (المومنون ع-۶)

"یہاں تک کہ جب آتی ہے ان مجرموں میں سے کسی کو موت تو اس وقت وہ کہتا ہے کہ اے پروردگار! مجھے پھر دُنیا میں واپس لوٹا دے تاکہ جو کچھ میں چھوڑ آیا ہوں اس میں نیک

عمل کروں اور زندگی میں جو کوتاہیاں کی ہیں جا کر اُن کی تلافی کروں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہرگز نہیں، یہ محض ایک کہنے کی بات ہے جو یہ کہہ رہا ہے (موت کے بعد ہرگز کسی کو واپسی کی اجازت نہیں) اور اُن کے پیچھے ایک آڑ ہے قیامت کے دن تک (یعنی موت کے بعد باوجود تمنا اور التجا کے) وہ دُنیا میں واپس نہیں بھیجے جائیں گے بلکہ قیامت کے دن تک ایک بندش میں (اور گویا ایک قسم کی حوالات میں رہیں گے) پھر جب صُور پھونکا جائے گا اور قیامت قائم ہو گی تو اُس دن اُن کے سارے باہمی رشتے ناطے ٹوٹ جائیں گے اور اُن میں سے کوئی کسی کا پُرسانِ حال نہ ہو گا (اور اُس دن ہر ایک کا فیصلہ اُس کے اعمال پر ہو گا) پس جن لوگوں کے نیک اعمال کا پلّہ بھاری ہو گا وہی اُس دن کامیاب اور بامراد ہوں گے اور جن کا پلّہ ہلکا ہو گا تو وہی وہ ہوں گے جنہوں نے اپنے کو تباہ کر ڈالا، وہ جہنم ہی میں پڑے رہیں گے، آگ جھلستی ہو گی اُن کے چہروں کو اور اس میں اُن کے منہ بگڑے ہوئے ہوں گے۔"

اور سورۂ قٓ میں موت اور پھر قیامت کا ذکر ایک جگہ اس طرح فرمایا گیا ہے :-

وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۖ ذَٰلِكَ مَا كُنتَ مِنْهُ تَحِيدُ ۝ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ ۚ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيدِ ۝ وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَشَهِيدٌ ۝ لَّقَدْ كُنتَ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَٰذَا فَكَشَفْنَا عَنكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ ۝ (ق ع-۲)

"(ہر شخص ہوشیار ہو جائے) سکراتِ موت کا وقت اللہ تعالیٰ کے ٹھیک فیصلے کے مطابق قریب آچکا ہے، یہ موت وہ چیز ہے جس سے اے انسان تُو بدکتا اور بھاگتا تھا (اور نہ سمجھو کہ موت پر قصّہ ختم ہے بلکہ قیامت جس کی تم کو خبر سنائی جارہی ہے وہ یقیناً اپنے وقت پر آئے گی اور سب لوگوں کو دوبارہ زندہ کرنے کے لئے) صور پھونکا جائے گا وہی وعید کا دن ہو گا اس دن ہر شخص آخرت کی عدالت گاہ کی طرف اس طرح آئے گا کہ اُس کے ساتھ ایک فرشتہ اس کو ساتھ لانے والا ہو گا اور ایک سرکاری گواہ کی حیثیت سے ہو گا (ان میں جو منکر اور آخرت فراموش ہوں گے اُن سے کہا جائے گا) تو عدالت اور انصاف کے اس دن سے بے خبر اور غافل تھا ہم نے تیری آنکھوں سے اب پردہ ہٹا دیا ہے، پس اب تیری نگاہ خوب تیز ہے (اور جن حقیقتوں کا تو منکر تھا، اب وہ تیری آنکھوں کے سامنے ہیں)۔"

اور سورۂ نمل میں قیامت اور اس کی ہولناکیوں کو اس طرح بیان فرمایا گیا ہے :-

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ط وَ كُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ○ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ط (النمل ع)

"اور جس دن کہ (دُنیا کے اس نظام کو درہم برہم اور فنا کرنے کے لئے اللہ کے حکم سے) صور پھونک دیا جائے گا، تو زمین و آسمان کی ساری مخلوق (آدمی اور فرشتے وغیرہ اس کی ہیبت اور دہشت سے) سخت گھبرا جائیں گے (اور بے ہوش و حواس ہو جائیں گے) سوائے ان چند ہستیوں کے جن کو اللہ تعالیٰ (اس گھبراہٹ اور بے ہوشی سے) اس وقت محفوظ رکھنا چاہے گا اور سب عاجزی اور بے چارگی کی کیفیت کے ساتھ اُس کے سامنے حاضر ہو جائیں گے، اور تم دیکھتے ہو پہاڑوں کو (اور اُن کے ظاہری حال سے) تم سمجھتے ہو کہ یہ (ہمیشہ) جامد و ساکن رہنے والے ہیں اور اپنی جگہ سے ہلنے والے نہیں ہیں، مگر جب قیامت کا صور پھونکا جائے گا) تو یہ پہاڑ اس وقت ایسے اُڑتے اُڑتے پھرتے ہوں گے جیسے فضاء میں بدلیاں پھرتی ہیں"۔

اور سورۂ حج میں قیامت کے ہوشربا شدائد کا نقشہ اس طرح کھینچا گیا ہے :۔

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ○ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ○ (الحج ع-۱)

"اے لوگو! اپنے پروردگار کے قہر و جلال سے ڈرو، یقین کرو قیامت کا بھونچال بڑا ہی خوفناک ہوگا جب (وہ قیامت آئے گی اور) تم اس کو دیکھو گے (تو یہ حالت ہوگی کہ کسی کو کسی کا ہوش نہیں رہے گا (یہاں تک کہ) دُودھ پلانے والی مائیں اپنے دُودھ پیتے بچوں کو بھول جائیں گی اور حمل والیوں کے حمل ساقط ہو جائیں گے، اور اس وقت لوگوں کو تم دیکھو گے نشہ کی سی حالت میں (بے حس و حرکت) اور اس وقت درحقیقت وہ نشہ کی حالت میں نہیں ہوں گے لیکن (اللہ تعالیٰ کے قہر و عذاب کی دہشت سے اُن کی یہ حالت ہو گی) اللہ کا عذاب بڑی ہی سخت چیز ہے"۔

اور سورۂ کہف میں قیامت اور حشر کے بیان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیشی اور مجرمین کی اس وقت کی حالت کو اس طرح بیان فرمایا گیا ہے :۔

وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ط

وَعُرِضُوا عَلَىٰ رَبِّكَ صَفًّا ط لَقَدْ جِئْتُمُونَا كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ م بَلْ زَعَمْتُمْ أَلَّنْ نَجْعَلَ لَكُمْ مَوْعِدًا ط وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ يَا وَيْلَتَنَا مَالِ هَٰذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا ۝ (کہف ع-٦)

"اور خیال کرو اُس دن کا (جب دُنیا کا یہ نظام ہمارے حکم سے درہم برہم ہو گا، اور) ہم پہاڑوں کو بھی اپنی جگہ سے ہٹا دیں گے (اور زمین کی ساری آبادیاں مسمار کر کے برابر کر دی جائیں گی) اور تم دیکھو گے زمین کو کھلا میدان (جس پر نہ کوئی پہاڑ ہے نہ کوئی آبادی) اور ہم سب بندوں کو (دوبارہ زندہ کر کے اپنی عدالت گاہ میں) جمع کریں گے، ان میں سے کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑیں گے، اور تمہارے پروردگار کے سامنے وہ قطار در قطار پیش کئے جائیں گے (تب اُن سے کہا جائے گا کہ) تم کو جس طرح ہم نے پہلی مرتبہ دُنیا میں پیدا کیا تھا اسی طرح (ہمارے حکم سے دوبارہ زندہ ہو کر) آج تم ہمارے پاس آ گئے، مگر تم نے تو یہ خیال باندھ لیا تھا کہ ہم تمہارے لئے کوئی وقت موعود نہ لائیں گے (اور قیامت جس کی خبر پیغمبر دیتے ہیں کبھی نہ آئے گی تو اب تم نے دیکھ لیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے) اور اعمال کا دفتر سامنے رکھ دیا جائے گا، تو اس وقت تم دیکھو گے مجرموں کو کہ اس دفتر میں اُن کے اعمال کی جو تفصیل ہے وہ اس سے ہراساں اور اس کے انجام سے خوفزدہ ہیں، وہ اس وقت (یاس و حسرت سے) کہہ رہے ہوں گے ہائے ہماری کم بختی، یہ کیسا دفتر ہے جس نے نہ کوئی چھوٹا عمل چھوڑا ہے اور نہ بڑا عمل، سب ہی اس میں محفوظ ہے اور وہ پائیں گے اس میں اپنے تمام اعمال موجود، اور تمہارا پروردگار کسی کے ساتھ ظلم و زیادتی نہیں کرتا (وہ جن مجرموں کے لئے عذاب اور سزا کا فیصلہ کرے گا ان کی بداعمالیوں ہی کی بناء پر کرے گا۔)"

اور سورۂ مومن میں قیامت کے دن کا ایک منظر اس طرح ذکر فرمایا گیا ہے :-

وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْآزِفَةِ إِذِ الْقُلُوبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كَاظِمِينَ ۝ مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ ۝ يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ ۝ (مومن ع-٢)

"اور اے پیغمبر! آپ ان کو قریب آنے والی قیامت کے دن سے خبردار کر دیجئے جبکہ کلیجے

مُنہ کو آرہے ہوں گے (اور لوگ مارے دہشت اور گھبراہٹ کے) اپنے دلوں کو دبا رہے ہوں گے (کہ کہیں مُنہ کی راہ سے نکل نہ جائیں) اس دن ظالموں، مجرموں کا کوئی یار و مددگار نہ ہوگا اور نہ کوئی ایسا سفارشی ہوگا جس کی بات مان لی جائے (بس فیصلہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہوگا جو) جانتا ہے آنکھوں کی چوری کو اور سینوں کے چھپے رازوں تک کو"۔

اور سورۂ یٰسٓ میں قیامت کے دن مجرموں کی ذلت و رسوائی اور بے بسی کا ایک لرزہ خیز اور عبرتناک منظر یہ بیان فرمایا گیا ہے :-

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ٥
(یٰسٓ ع - ۴)

" آج کے دن ہم اُن کے مُونہوں پر مہر لگا دیں گے اور اُن کے ہاتھ ہم سے بولیں گے (اور اُن کی رودادِ عمل بتائیں گے) اور اُن کے پاؤں اُن کے اعمال و افعال کی گواہی دیں گے "۔

قرآن مجید میں جا بجا بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے شدائد اور ہولناکیوں کا ایک غیر معمولی اثر لوگوں پر یہ بھی ہوگا کہ ہر ایک کو صرف اپنی پڑی ہوگی اور قریب ترین عزیز بھی اس دن کسی کے کام نہ آئیں گے۔ بس نفسی نفسی کا عالم ہوگا۔ سورۂ عبس میں اس حالت کا کس قدر مؤثر اور لرزہ خیز نقشہ کھینچا گیا ہے :-

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ٥ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ٥ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ٥ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ٥ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ٥ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ٥ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ٥ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ٥ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ٥ (عبس ع - ۱)

" تو جب کانوں کو بہرہ کر دینے والی چیخ پکار برپا ہوگی جس دن کہ (پریشانی اور گھبراہٹ کا یہ عالم ہوگا کہ) بھاگے گا آدمی اپنے بھائی سے اور اپنے ماں باپ سے اور اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے (اپنے اُن پیاروں کے ساتھ بھی کوئی ہمدردی نہیں کرے گا) اس دن ہر آدمی کو اپنی ایسی فکر ہوگی جو کسی اور کی طرف اس کو متوجہ ہی نہ ہونے دے گی۔ بہت سے (بندگانِ خدا کے) چہرے اس دن روشن خنداں اور شاداں و فرحاں ہوں گے اور بہت سے چہرے (مجرموں کے) اس دن ایسے ہوں گے کہ اُن پر خاک پڑی ہوگی اور سیاہی چڑھی ہوگی "۔

ابھی عرض کیا جا چکا ہے کہ قرآن مجید کا بہت زیادہ حصہ قیامت اور حشر نشر کے متعلق اسی طرح کے بیانات پر مشتمل ہے۔ یہاں صرف چند آیتیں ہی نقل کر دی گئی ہیں۔ بلکہ قرآن مجید کی بعض پوری پوری سورتیں بھی قیامت اور آخرت ہی کے بیان سے بھری ہوئی ہیں۔ چنانچہ سورہ واقعہ، سورہ حاقہ، سورۂ قیامہ، سورۂ تکویر، سورۂ انفطار، سورۂ انشقاق، سورۂ غاشیہ میں قیامت اور آخرت ہی کے احوال اور مناظر کا بیان ہے۔ ان بڑی بڑی سورتوں کے نقل کرنے کی تو گنجائش نہیں، تاہم ایک چھوٹی سی سورت جس میں صرف قیامت ہی کا بیان ہے یہاں بھی پڑھ لیجئے :۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ٥ وَ اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ٥ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَالَهَا ٥ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ٥ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ٥ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ٥ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ٥ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ٥ (سورہ زلزال)

"جب زمین قیامت کے بھونچال سے زیر و زبر کر دی جائے گی اور اپنے اندر کے بوجھ (دفن شدہ مُردے اور دوسری چیزیں) زمین باہر نکال دے گی اور انسان اس حالت کو دیکھ کر کہے گا کہ اس زمین کو یہ کیا ہوا؟ اس دن زمین اپنی سب خبریں اور سرگذشت بیان کریگی (کہ فلاں بندے نے مجھ پر یہ اچھا یا بُرا عمل کیا اور فلاں نے یہ کیا) اس سبب سے کہ تیرے رب نے حکم دیا ہو گا اس کو، اُس روز لوگ مختلف ٹکڑیوں میں بٹ کر لوٹیں گے تاکہ اپنے اعمال دیکھیں۔ (اور ان کا صلہ پائیں یا سزا بھگتیں) پس جو شخص یہاں ذرہ برابر اچھا عمل کرے گا وہ اس کو وہاں دیکھ لے گا اور جو ذرہ برابر بُرا عمل کرے گا وہ وہاں اُس کے سامنے آجائے گا۔"

جنّت اور دوزخ

اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے تمام رسولوں اور پیغمبروں نے اور اُس کے نازل کئے ہوئے تمام صحیفوں نے اس حقیقت کو پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے اور انسان کا دائمی وطن جنت یا دوزخ ہے۔ اور جنت اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت و رافت اور فضل و کرم کا انتہائی مظہر ہے اور اُس کی ان جمالی صفات کا پورا پورا ظہور بس وہیں ہو گا، اور اسی طرح دوزخ اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب کا انتہائی مظہر ہے اور ان جلالی صفات کا پورا پورا ظہور وہیں ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں اور اللہ کی کتابوں نے اس بارے میں جو کچھ انسانوں کو بتلایا بلاشبہ وہ من و عن حق ہے اور بالکل اسی طرح سامنے آنے والا ہے جس طرح کہ انہوں نے بیان فرمایا ہے، اس کے متعلق یہ خیال کرنا کہ جس طرح نادان بچّوں کو ڈرانے دھمکانے یا ان میں کسی چیز کا جذبہ اور شوق پیدا کرنے کے لئے اُن کے بڑے بہت سی بے حقیقت باتیں بھی کہہ دیا کرتے ہیں اسی طرح اللہ کے پیغمبروں اور اُن کی لائی ہوئی کتابوں نے جنت و دوزخ کے ثواب و عذاب کا بیان کیا ہے بالکل ایسی احمقانہ بات ہے جیسے کہ کوئی کہے کہ ان پیغمبروں نے اللہ تعالیٰ کی ہستی کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے یا قیامت کے بارہ میں جو کچھ بتلایا ہے وہ بھی بس ڈراوے اور بہلاوے کے لئے ہے، ورنہ حقیقت کچھ بھی نہیں ہے۔

قرآن مجید چونکہ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اور اس کے بعد اب کوئی کتاب انسانوں کی ہدایت کے لئے نازل ہونے والی نہیں ہے، اس لئے دوسرے مضامین کی طرح اس میں جنّت و دوزخ کا بیان بھی پوری تفصیل سے اور اتنی کثرت سے کیا گیا ہے جو انسانوں میں نیک عملی کا جذبہ اور بدعملی سے بچنے کی فکر پیدا کرنے کے لئے یقیناً کافی سے زائد ہے، بشرطیکہ انسان کا قلب مُردہ نہ ہو گیا ہو۔

دوزخ اور جنت کے حالات سے متعلق چند آیتیں یہاں بھی پڑھ لیجئے۔ پہلے دوزخ اور

اُس کے عذاب کا حال پڑھئے :-

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ عَلَیْهَا مَلٰٓىِٕكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ۝ (التحریم ع ۱-)

"اے ایمان والو! تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی اس (خوفناک اور تباہ کن) آگ سے بچاؤ۔ جس کا ایندھن اور سوختہ آدمی اور پتھر ہیں جس پر نہایت تند خو اور درشت مزاج فرشتے مقرر ہیں جو اللہ تعالےٰ کے دیئے ہوئے حکم کی ذرا نافرمانی نہیں کرتے اور ان کو جو حکم دیا جاتا ہے بالکل وہی کرتے ہیں (اس لئے ان سے اس کی قطعاً اُمید نہیں کہ وہ اللہ کے کسی مجرم کے ساتھ اس کے حکم کے خلاف کوئی رعایت یا نرمی کریں گے")

اور سورۂ کہف میں ارشاد ہے :-

وَ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْیَكْفُرْ اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ؕ وَ اِنْ یَّسْتَغِیْثُوْا یُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ یَشْوِی الْوُجُوْهَ ؕ بِئْسَ الشَّرَابُ ؕ وَ سَآءَتْ مُرْتَفَقًا ۝ (الکہف ع-۴)

"اور اے رسولؐ! آپ کہہ دیجئے کہ یہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے پس جس کا جی چاہے مانے اور ایمان لائے اور جس کا جی چاہے نہ مانے اور کفر و انکار پر ہی جما رہے یقین رکھو ہم نے ایسے ظالموں کے لئے دوزخ کی آگ تیار کر رکھی ہے، اس کی قناتیں اُنہیں گھیرے ہوئے ہیں اور جب وہ اس میں پڑ کر پیاس کی فریاد کریں گے تو اس کے جواب میں اُن کو پانی دیا جائے گا (جو اپنی بدصورتی اور گھناؤنے پن میں تیل کی گاد جیسا ہو گا اور ایسا جلتا کھولتا ہو گا کہ بھون ڈالے گا چہروں کو، کیا ہی بُرا پانی ہو گا اور بڑی بُری "آرام گاہ" ہے دوزخ "

اور سورۂ محمد میں دوزخیوں کے متعلق ارشاد ہے :-

وَ سُقُوْا مَآءً حَمِیْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ۝ (محمد - ع - ۲)

"اُن کے پینے کو دیا جائے گا کھولتا پانی، پس وہ ٹکڑے ٹکڑے کرے گا، اُن کی انتڑیوں کو "

اور سورۂ مومن میں ارشاد ہے :-

اَلَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِالْکِتٰبِ وَ بِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ۝ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْۤ اَعْنَاقِهِمْ وَ السَّلٰسِلُ یُسْحَبُوْنَ ۝ فِی الْحَمِیْمِ ثُمَّ فِی النَّارِ یُسْجَرُوْنَ ۝ (المومن ع-۸)

"جن لوگوں نے جھٹلایا ہماری کتاب کو اور ہمارے ان احکام کو جن کو لے کر ہم نے اپنے رسول بھیجے ان کو عنقریب (نتیجہ) معلوم ہو جائے گا، جب طوق ان کی گردنوں میں ہوں گے اور زنجیریں (ان طوقوں میں جکڑی ہوں گی جن سے) وہ گھسیٹے جائیں گے، کھولتے پانی میں لے جائے جائیں گے، پھر دہکتی آگ میں جھونک دیئے جائیں گے۔"

اور سورۃ الحج میں ارشاد ہے :-

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِیْمُ ۝ یُصْهَرُ بِهٖ مَا فِیْ بُطُوْنِهِمْ وَ الْجُلُوْدُ ۝ وَ لَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِیْدٍ ۝ کُلَّمَآ اَرَادُوْۤا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِیْدُوْا فِیْهَا وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ ۝ (الحج ع-۲)

"جن لوگوں نے کفر کیا اُن کے لئے آگ کے کپڑے کترے جائیں گے اور اُن کے سر کے اُوپر سے تیز گرم پانی چھوڑا جائے گا، اس سے اُن کی کھالیں اور پیٹ کے اندر کی چیزیں بھی سب گل جائیں گی اور اُن کی ٹھکائی پٹائی کے لئے لوہے کے گرز ہوں گے۔ وہاں کی تکلیف اور سختی کی وجہ سے وہ جب اُس سے نکلنے کا ارادہ کریں گے تو پھر اسی میں دھکیل دیئے جائیں گے۔ اور کہا جائے گا کہ یہیں جلنے کا عذاب چکھتے رہو۔"

اور سورۂ دخان میں "زقوم" کو دوزخیوں کی "خوراک" بتلاتے ہوئے اس کی ہئیت اور کیفیت اس طرح بیان کی گئی ہے :-

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ۝ طَعَامُ الْاَثِیْمِ ۝ کَالْمُهْلِ یَغْلِیْ فِی الْبُطُوْنِ ۝ کَغَلْیِ الْحَمِیْمِ ۝ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰی سَوَآءِ الْجَحِیْمِ ۝ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِیْمِ ۝ (الدخان ع-۳)

"بیشک زقوم کا درخت بڑے پاپیوں (کافروں مشرکوں) کا کھانا ہو گا جو اپنی بدصورتی اور گھناؤنے پن میں تیل کی تلچھٹ کی طرح ہو گا اور وہ پیٹوں میں جا کر ایسے کھولے گا جیسے تیز گرم پانی کھولتا ہے اور فرشتوں کو حکم ہو گا کہ اس کو پکڑو، پھر گھسیٹتے ہوئے دوزخ کے بیچوں بیچ تک لے جاؤ پھر اس کے سر پر نہایت تکلیف دینے والا جلتا ہوا پانی چھوڑ دو۔"

اور سورۂ ابراہیم میں جہنم میں جلنے والے سرکش مجرموں کے متعلق ارشاد فرمایا گیا ہے :۔

وَيُسْقٰى مِنْ مَّاۤءٍ صَدِيْدٍ ۝ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ۭ وَمِنْ وَّرَاۗىِٕهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ۝ (ابراهيم ع-۳)

"اور پینے کو دیا جائے گا ایسا پانی جو دراصل (جہنمیوں کا) لہو پیپ ہوگا جس کو وہ گھونٹ گھونٹ کر کے پئے گا اور گلے سے اس کو آسانی سے نہ اُتار سکے گا۔ اور ہر طرف سے اس پر موت کی یورش ہوگی اور وہ (کمبختی کا مارا مریگا بھی نہیں) اور اُس کو سخت عذاب کا سامنا ہوگا۔"

اور سورۂ فاطر میں ارشاد ہے :۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ۝ وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاۗءَكُمُ النَّذِيْرُ ۭ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۝ (الفاطر ع-۴)

"اور جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی اُن کے لئے دوزخ کی آگ ہے نہ توان کی قضا ہی آئے گی کہ مر ہی جائیں اور نہ دوزخ کا عذاب ہی اُن سے ہلکا کیا جائے گا، ہم ہر کافر کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں اور وہ اس میں پڑے چلائیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو اس دوزخ سے نکال دے، ہم اچھے کام کریں گے برخلاف اس کے (جو (اپنی شامت سے) پہلے کرتے تھے (ان کی اس چیخ و پکار کا جواب ملے گا کہ) کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی کہ جس کو سمجھنا ہوتا وہ سمجھ سکتا، اور تمہارے پاس ڈرانیوالا بھی پہنچا تھا، بس اب مزہ چکھو کہ ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔"

اور سورۂ زخرف میں فرمایا :۔

اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۝ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ۝ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (الزخرف ع-۷)

"یقین رکھو کہ مجرمین (جنہوں نے کفر یا شرک کا جرم کیا) ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں رہیں گے، ان کا عذاب ہلکا بھی نہیں کیا جائے گا اور وہ اسی میں مایوس پڑے رہیں گے اور یہ ہم نے اُن پر ظلم نہیں کیا، لیکن یہ خود ہی ظالم ہیں (اور یہ اُن کی ظالمانہ اور مجرمانہ حرکتوں ہی کی سزا ہے)۔"

جنّت

اب چند آیتیں جنت اور اس کی راحتوں اور لذتوں کے بیان کے متعلق بھی پڑھ لیجئے

سورۂ آل عمران میں ارشاد ہے :-

لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ (آل عمران ع-۲)

"ان بندوں کے لئے جنہوں نے پرہیزگاری اختیار کی اُن کے پروردگار کے ہاں وہ جنتیں (یعنی ایسے باغات ہیں جنکے نیچے نہریں جاری ہیں وہ ان ہی میں رہیں گے اور پاک ستھری بیبیاں ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے اور اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے (کسی کا حال اس سے چُھپا نہیں ہے)"

اور سورۂ محمد میں ارشاد ہے :-

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ط (محمد ع-۲)

"وہ جنت جس کا وعدہ پرہیزگاروں سے کیا گیا ہے اس کا حال یہ ہے کہ اس میں بہت سی نہریں ہیں پانی کی اس میں ذرا تغیر نہ ہوگا اور بہت سی نہریں دُودھ کی ہیں جس کا ذائقہ ذرا بدلا نہ ہوگا اور بہت سی نہریں ہیں حلال اور پاک شراب کی جس میں بڑی لذت ہے پینے والوں کے لئے اور بہت سی نہریں ہیں صاف کئے ہُوئے شہد کی اور ان کے واسطے اس جنت میں سب طرح کے پھل ہیں اور بخشش ہے اُن کے پروردگار کی"

اور سورۂ الحجر میں ارشاد ہے :-

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ۝ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝ لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ۝ (الحجر ع-۴)

"یقین کرو کہ اللہ تعالےٰ کے پرہیزگار بندے بہشت کے باغوں اور چشموں میں ہوں گے ان کیلئے فرمان ہوگا کہ سلامتی اور امن کے ساتھ (ہماری تیار کی ہوئی) اس بہشت کے اندر آجاؤ اور

ان کے دلوں میں (دنیوی زندگی کے اختلافات کے اثر سے) جو کینہ ہوگا ہم اس کو دور کردیں گے (جس کے بعد وہ) بھائی بھائی ہو کر آمنے سامنے تختوں پر بیٹھیں گے کسی قسم کی کوئی تکلیف وہاں ان کو نہ پہنچے گی اور نہ کبھی وہ جنت سے نکالے جائیں گے"۔

اور سورۂ یٰسٓ میں ارشاد ہے:۔

اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ۝ هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ۝ لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ۝ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ۝ (یٰسٓ ع-۴)

"اہل جنت اس دن اپنے مشغلوں میں خوش ہوں گے۔ وہ اور ان کی بیبیاں سایہ میں مسہریوں پر تکئے لگائے ہوئے ہوں گے، اُن کے لئے وہاں طرح طرح کے میوے ہونگے اور جو کچھ مانگیں گے انکو ملیگا۔ رحمت وکرم والے پروردگار کی طرف سے، وہاں ان کو "سلام" فرمایا جائے گا"۔

اور سورۂ زخرف میں ارشاد ہے:۔

يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۝ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ۝ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ وَّفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ (الزخرف ع-۷)

"اے میرے بندو! آج تم کو کوئی خوف نہیں اور اب تمہیں کوئی رنج وغم نہ ہوگا یعنی وہ بندے جو ہماری آیات پر ایمان لائے اور ہماری فرمانبرداری کرتے تھے (ان کے لئے فرمان ہوگا) تم اور تمہاری بیبیاں خوش بخوش جنت میں داخل ہو جاؤ اور سونے کی پلیٹوں اور گلاسوں میں کھانے پینے کی چیزیں اُن کے پاس لائی جائیں گی اور وہاں وہ سب کچھ ہوگا جو اُن کے جی چاہیں گے اور جن سے آنکھوں کو لذت حاصل ہوگی اور اے بندو! تم ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہو گے"۔

اور سورۂ فاطر میں ہے کہ جنتی جنت میں پہنچ کر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور نعمتوں کی بے پایاں بارش اپنے اوپر برستی دیکھ کر جذبۂ شکر سے سرشار ہو کر عرض کریں گے:۔

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۭ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ۝ الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ ۝ (الفاطر ع-۴)

"اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہم سے غم دور کیا، بیشک ہمارا پروردگار بڑا بخشنے والا بڑا قدر دان ہے جس نے اپنے فضل و کرم سے ہمیشہ رہنے کے اس مقام (جنت) میں لا اُتارا، جہاں ہم کو کسی قسم کی کوئی تکلیف اور کوئی خستگی کبھی نہ پہنچے گی۔"

دوزخ کے متعلق جو کچھ قرآن مجید میں بیان فرمایا گیا ہے، اس میں غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ جن دکھوں اور تکلیفوں سے انسان اس دنیا میں بچنا چاہتا ہے اور جن سے بچنا اس کی فطرت کا تقاضا ہے، دوزخ میں وہ سارے دکھ اور تکلیفیں اس دنیا سے ہزاروں لاکھوں درجہ بڑے پیمانے پر جمع کر دی گئی ہیں۔

قرآن مجید کا مقصد دوزخ کے اس بیان سے یہی ہے کہ جو انسان اس دنیا میں ایک دن کے لئے بھی یہ دکھ اور یہ تکلیفیں سہنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اس کو چاہیئے کہ وہ خدا کی بغاوت اور نافرمانی کے اس راستہ سے بچے جو اس دوزخ میں پہنچانے والا ہے، جہاں جانے والے ان دکھوں اور تکلیفوں میں ہمیشہ ہمیشہ مبتلا رہیں گے۔

اسی طرح جنت کے متعلق قرآن مجید میں جو کچھ بیان فرمایا گیا ہے اس کا حاصل یہی ہے کہ انسان کی فطرت میں جن جن راحتوں اور لذتوں کی خواہش اور طلب بھری ہوئی ہے جنت میں وہ سب راحتیں اور لذتیں بدرجۂ کمال جمع کر دی گئی ہیں۔ پس انسان کو چاہیئے کہ وہ خدا پرستی اور نیک عملی کی اس راہ کو اپنی راہ بنالے جو اس جنت میں پہنچانے والی ہے جس میں انسان کی تمام فطری خواہشوں اور آرزوؤں کی تکمیل کا سامان بھرپور موجود ہے اور وہاں پہنچنے والے وہاں کی لذتوں اور راحتوں سے ہمیشہ ہمیشہ لطف اندوز ہوتے رہیں گے۔

آخرت کے بیان کو ہم اسی پر ختم کرتے ہیں اور جنت و دوزخ کے خالق و مالک سے دعا کرتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُکَ رِضَاکَ وَالْجَنَّۃَ وَنَعُوْذُبِکَ مِنْ غَضَبِکَ وَالنَّارِ۔ آمین

"اے اللہ! ہم آپ سے آپ کی رضا اور جنت مانگتے ہیں اور آپ کے غضب سے اور دوزخ سے آپ کی پناہ چاہتے ہیں۔"

نبوّت ورسالت

قرآن مجید جس نظامِ زندگی کی انسانوں کو دعوت دیتا ہے جیسا کہ معلوم ہو چکا اُس کی پہلی بُنیاد تو یہ ہے کہ خدائے وحدہٗ لاشریک کی ہستی اور اس کی صفات کو اس طرح مانا جائے جس طرح کہ واقع میں وہ ہے۔

اور دوسری بنیاد یہ ہے کہ آخرت کی زندگی اور وہاں کی جزا و سزا پر یقین لایا جائے جو اللہ تعالےٰ کی صفت عدل وحکمت اور شانِ حاکمیت کا لازمی تقاضا ہے اور جس کے بغیر یہ دنیا ناقص و نامکمل بلکہ محض عبث اور بے مقصد تماشا ہے۔ ان دونوں بُنیادوں کے بارے میں قرآن حکیم نے جو کچھ تبلایا ہے ہم اپنے ناظرین کے سامنے کسی قدر تفصیل کے ساتھ اس کو پیش کر چکے ہیں۔

زندگی کی تیسری اہم اعتقادی بنیاد جس کے ماننے کی قرآن مجید کی دعوت دیتا ہے اور جس کو اپنی دینی تعلیم ودعوت کی اصل واساس ٹھہراتا ہے یہ ہے کہ رسالت وپیغمبری کے پورے سلسلے کو مانا جائے۔ یعنی پہلے تو اس اصولی حقیقت کو تسلیم کیا جائے کہ انسانوں کی ضرورت کے لئے جس طرح اللہ تعالیٰ نے غذا اُگانے والی زمین پیدا کی، روشنی اور گرمی پہنچانے والا سُورج پیدا کیا اور ہوا، پانی وغیرہ وہ ساری چیزیں پیدا کیں جن کے ہم اسی دنیوی زندگی میں محتاج ہیں۔

اسی طرح اُس نے اپنی ذات وصفات کا صحیح علم عام انسانوں تک پہنچانے کے لئے اور اس طریقۂ زندگی کی تعلیم وہدایت کے لئے جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے مقرر کیا ہے اور جس پر چل کر انسان اللہ تعالےٰ کی رضا اور حقیقی نجات وفلاح حاصل کر سکتا ہے، اس نے نبوت ورسالت کا سلسلہ بھی قائم فرمایا اور ہر زمانہ اور دُنیا کے ہر خطہ میں اس کی ضرورت اور تقاضے کے مطابق نبی اور رسول بھیجے، یہ سب اللہ کے پیارے اور برگزیدہ بندے تھے اور اپنے اپنے وقت میں جو ہدایت وتعلیم انھوں نے دُنیا کو دی وہ بلاشبہ اللہ تعالےٰ کی سچی تعلیم تھی۔ الغرض قرآن مجید پورے زور اور اصرار کے ساتھ اس کی دعوت دیتا ہے

کہ اللہ کے سب پیغمبروں پر (خواہ وہ کسی زمانہ، کسی ملک اور کسی قوم میں آئے ہوں) بلاتفریق ایمان لایا جائے۔ سب کی سچائی اور پاکبازی کی شہادت دی جائے اور اللہ کا پیغمبر ہونے کی حیثیت سے اپنے اپنے دور اور اپنے اپنے دائرہ اور حلقہ میں سب کو واجب الاطاعت مانا جائے۔

اسی کے ساتھ قرآن مجید یہ بھی بتلاتا ہے کہ پہلے پیغمبروں کا دور ختم ہو چکا اب دنیا کے اس دور کے لئے اللہ کے نبی و رسول حضرت محمد عربی ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) نیز قرآن مجید اللہ تعالےٰ کی طرف سے اس کا بھی اعلان کرتا ہے کہ جو ہدایت و تعلیم دے کر ہم نے آپ کو بھیجا ہے وہ نہ صرف اگلے نبیوں رسولوں کی ان ساری تعلیمات پر حاوی ہے جو وہ اپنے اپنے وقت پر لے کر آئے تھے بلکہ پچھلے پیغمبروں کی محکم تعلیمات کا مستند اور قابلِ اعتماد مجموعہ اب آپ ہی کی تعلیم اور آپ ہی کی لائی ہوئی کتابِ مبین ہے۔ اس لئے آپ کا اتباع اللہ کے سارے پیغمبروں کا اتباع ہے اور آپ کا انکار سارے نبیوں رسولوں کا انکار ہے۔

پھر قرآن کریم یہ بھی اعلان کرتا ہے کہ ہماری طرف سے جو جامع ہدایت و تعلیم لے کر آپ آئے ہیں وہ ایسی کامل و مکمل ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اب یہی کافی وافی ہے اور ہر قسم کی تحریف و ملاوٹ کے اندیشہ سے اس کی حفاظت کا انتظام بھی ہم نے کر دیا ہے اور اسی لئے نبوت و رسالت کے اس سلسلہ کو جو ابتداءِ دنیا سے چلا آ رہا تھا اب رسالتِ محمدی ہی پر ختم کر دیا گیا ہے اور یہ نبی عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی کامل ہونے کے ساتھ اس مقدس سلسلہ کے خاتم بھی ہیں۔

یہ ہے نبوت و رسالت کے سلسلے میں قرآن مجید کی دعوت کا خلاصہ اور حاصل اب اس کے تمام اجزاء و عناصر کو قرآن مجید کی آیات میں پڑھیے۔ سورۂ نحل میں ارشاد ہے:-

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا ط (النحل ع ۵)

"اور ہم نے بھیجے ہیں ہر قوم میں رسول"

اور سورۂ نساء میں اگلے زمانوں کے چند خاص خاص رسولوں کا نام بنام تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا گیا:-

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۔ (النساء ع ۵)

"اور ہم نے انسانوں کی طرف اور بھی بہت سے رسول بھیجے جن کا حال ہم نے آپ کو پہلے بتایا ہے اور بہت سے وہ رسول بھی جن کا حال ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا۔"

اور اسی رکوع میں چند آیتوں کے بعد ارشاد فرمایا :-

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۔ "پس تم اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لاؤ۔"

جو لوگ بلا تفریق اللہ تعالیٰ اور اُس کے سب رسولوں کو نہ مانیں بلکہ ان میں تفریق کریں مثلاً اس طرح کہ خدا پر ایمان لانے کا تو اقرار اور دعویٰ کریں اور اُس کے رسولوں کے منکر ہوں یا بعض رسولوں کو مانیں اور بعض کا انکار کریں تو قرآن کہتا ہے کہ ان کا یہ جزوی اقرار اور ایمان قطعاً معتبر نہیں بلکہ جب تک یہ سب کو نہ مانیں اس وقت تک کافر ہیں۔

سُورۂ نساء میں ارشاد ہے :-

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (النساء ع - ۲۱)

"جو لوگ اللہ کو اس کے سب رسولوں کو نہیں مانتے اور چاہتے ہیں کہ (بعض کو مان کے اور بعض کا انکار کر کے) اللہ اور اُس کے رسولوں میں تفریق کریں اور (اسی بنا پر) وہ کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اور وہ اپنے اس طرزِ عمل سے) ایمان اور کفر کے درمیان کی ایک راہ نکالنا چاہتے ہیں (کہ نہ سب پر ایمان ہو اور نہ سب کا انکار ہو) تو ایسے لوگ قطعاً و یقیناً کافر ہیں اور ہم نے ایسے کافروں کے لئے سخت رسوا کن عذاب تیار کیا ہے اور جو لوگ اللہ کو اور اس کے سب رسولوں کو مانتے ہیں اور ان میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے (وہی سچے مومن ہیں) ان کو اللہ پورا پورا ثواب دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا بڑی رحمت والا ہے۔"

قرآن مجید کہتا ہے کہ جتنے پیغمبر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے، جب بھی آئے اور جس ملک اور جس قوم میں بھی آئے سب واجب الاطاعت تھے اور اُن کے حکموں پر چلنا ان لوگوں پر

فرض تھا جن کی طرف وہ بھیجے گئے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۝ (النساء۔ ع ۔۹)

"اور جو پیغمبر بھی ہم نے بھیجے اسی لئے بھیجے کہ بحکم خداوندی اُن کی اطاعت کی جائے۔"

دوسری جگہ فرمایا کہ نبی و رسول کی اطاعت دراصل اللہ ہی کی اطاعت ہے کیونکہ انبیاء و رسل جو احکام دیتے ہیں وہ اُن کے اپنے احکام نہیں ہوتے بلکہ اللہ کے احکام ہوتے ہیں جن کو وہ حضرات اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس کے بندوں کو پہنچاتے ہیں۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۔ (النساء۔ ع ۔۱۱)

"جس نے خدا کے رسول کی فرمانبرداری کی، اس نے دراصل اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی۔"

اور جس طرح رسول کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے، اسی طرح رسول کی نافرمانی اور مخالفت دراصل اللہ کی نافرمانی اور اُس کے خلاف بغاوت ہے اسی لئے قرآن مجید میں جا بجا ان دونوں کو ایک ساتھ ذکر کر کے اس کی سخت سزا اور پاداش سے ڈرایا گیا ہے۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ (انفال ع ۔۲)

"اور جس نے مخالفت کی اللہ کی اور اُس کے رسول کی تو معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے۔"

اور سورۂ طلاق میں فرمایا گیا:۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا وَّ عَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ۝ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ۝ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۝ (الطلاق ع ۔۲)

"اور بہت سی بستیاں تھیں جنہوں نے اپنے رب کے حکم سے اور اُس کے رسولوں سے سرتابی کی تو ہم نے اُن کا بڑا سخت محاسبہ کیا اور ان کو ہم نے بھاری عذاب کی سزا دی۔ غرض انہوں نے اپنے اعمال کا وبال چکھا اور اُن کے اعمال کا انجام خسارہ اور ٹوٹا ہی رہا۔ (یہ تو دُنیا میں اُن کے ساتھ ہو چکا اور آخرت کا) سخت ترین عذاب اللہ تعالیٰ نے اُن کے واسطے تیار کر رکھا ہے۔ بس اے عقل و خرد والو! اللہ کے عذاب اور اس کی گرفت سے ڈرو۔"

یہ تو پورے سلسلۂ نبوت کو ماننے اور سب نبیوں رسولوں پر ایمان لانے کے بارے میں قرآن مجید کا اصولی مطالبہ اور اس کے متعلق اقتباسات تھے۔ پھر خاص اس دور کے لئے سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور اُس کی خاص نوعیت کا اعلان کرتے ہوئے سورۂ فتح میں فرمایا گیا ہے :۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ۝ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط (الفتح ع ۔ ۴)

"وہی اللہ ہے کہ اُس نے اپنے رسول کو کامل ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ وہ اس کو سب دینوں کے اُوپر کر دے اور اللہ تعالےٰ اس حقیقت کا کافی گواہ ہے اور چشمِ بینا رکھنے والوں کے لئے اس کی یہ گواہی ظاہر باہر ہے، الغرض اب) محمدؐ اللہ کے رسول ہیں"۔

اور سورۂ مائدہ میں حضرت موسیٰ و عیسیٰؑ کی نبوت و رسالت اور توریت و انجیل کی تنزیل کا ذکر فرمانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی خدا کی کتاب (قرآن مجید) کی خصوصیت، اور اس کی امتیازی نوعیت کو اس طرح بیان فرمایا گیا ہے :۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَیْمِنًا عَلَیْهِ ۔ (المائدہ ع ۔ ۷)

"اور اب ہم نے اپنی یہ کتاب آپ کی طرف حقانیت اور سچائی کے ساتھ اُتاری ہے جو ہماری پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور اُن کی نگران اور محافظ بھی ہے یعنی پہلے نازل ہونے والی سب آسمانی کتابوں کی محکم تعلیم اور اُن کا جوہر اس میں شامل کر کے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا گیا ہے۔ گویا اگلے پیغمبروں کی محکم تعلیم کی اصل کاپی بھی اب یہی الکتاب (قرآن) ہے)"۔

اور سورۂ اعراف میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ آپؐ پوری انسانی دنیا کو پیغام دیں :۔

قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ (الاعراف ع ۔ ۲)

"کہو کہ اے دُنیا جہان کے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہُوا آیا ہوں، وہ خدا جس کی بادشاہی ہے آسمانوں میں اور زمین میں، اس کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں، وہی سب کو زندگی اور موت دیتا ہے، پس تم اللہ تعالےٰ پر ایمان لاؤ اور اُس کے رسول نبی اُمّی پر جو خود بھی اللہ تعالےٰ پر اور اُس کے سب کلاموں پر (یعنی اُس کی نازل کی ہُوئی تمام کتابوں پر) ایمان رکھتا ہے، اور تم اس کی پیروی اختیار کرو تاکہ تم اللہ کی ہدایت حاصل کر سکو (جو اب صرف اس نبی اُمّی کی پیروی سے ہی حاصل ہو سکتی ہے"

اور سورۂ سبا میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے کہ پُوری انسانی دُنیا کی رہنمائی اور زندگی کے اچھے بُرے انجام سے ان کو خبردار کرنا آپؐ ہی کے ذمّہ ہے اور ہم نے اسی واسطے آپؐ کو بھیجا ہے :-

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ○ (سبا ع-۳)

"اور ہم نے آپؐ کو تمام نسلِ انسانی کے لئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے (اور اب آپؐ ہی سے یہ کام لیا جانا ہے")

اور سُورۂ آلِ عمران میں آپؐ کو حکم فرمایا گیا ہے کہ تمام دُنیا کے انسانوں کو سُنا دیجئے اور بتا دیجئے کہ اب اس دَور میں جو بھی خدا کا طالب ہو اور اُس کی بخشش اور محبت سے حصّہ لینا چاہتا ہو، اس کے لئے اللہ تعالےٰ کی بخشش اور محبت حاصل کرسکنے کی راہ صرف یہی ہے کہ وہ میری پیروی کرے یعنی اس شریعت اور اس طریقۂ زندگی کو اختیار کرے، جو اللہ تعالےٰ نے اس دَور کے لئے مقرر فرمایا ہے اور میرے ذریعے بھیجا ہے، اب جو بھی اس صراطِ مستقیم سے ہٹ کر چلے گا وہ خدا کا مجرم اور نافرمان سمجھا جائے گا اور اللہ تعالےٰ کی محبت و عنایت اور نجات سے محروم رہے گا۔ ارشاد ہے :-

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ○

(آل عمران ع - ۳)

"آپ اعلان کر دیجئے کہ (اے خدا طلبی کے مدعیو) اگر تم فی الحقیقت خدا کو چاہتے ہو
تو (اب اس کی راہ یہی ہے کہ) میری پیروی اختیار کرو اور میرے بتلائے ہوئے راستے پر
چلو (اگر تم ایسا کرو گے) تو اللہ کا پیار تم کو نصیب ہوگا اور وہ تمہارے گناہ قصور بخش
دے گا۔ وہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔ آپ صاف صاف (ان سے) کہہ دیجئے
(کہ راستہ صرف یہی ہے کہ) اللہ کی اور پیغمبر وقت کی (یعنی میری) فرمانبرداری کرو۔
پس اگر وہ اس کو نہ مانیں تو (پھر سنتہ اللہ اور قانونِ خداوندی یہ ہے کہ) منکروں
اور نہ ماننے والوں سے اللہ محبت نہیں کرتا اور ان کو نہیں چاہتا۔"

اور سورۂ احزاب میں اعلان فرمایا گیا کہ سلسلۂ نبوت آپؐ پر ختم کر دیا گیا ہے۔ آپ سب نبیوں کے خاتم ہیں، اب آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں بھیجا جائے گا۔ جس کا بدیہی نتیجہ اور تقاضا یہی ہے کہ بعثت محمدی کے بعد اس دنیا میں پیدا ہونے والے سارے انسانوں کے لئے اب آپؐ ہی کی ہدایت و تعلیم حکمنامۂ خداوندی ہے:۔

وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝
(احزاب ع ۔ ۵)

"(محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے خاتم بھی ہیں (اب
ان کے بعد کوئی نبی دنیا میں نہیں بھیجا جائے گا) اور اللہ تعالےٰ سب چیزوں کا
پورا علم رکھتا ہے۔"

ان آیات میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت اس کی عمومیت اور آپؐ کی خاتمیت کے بارے میں جو کچھ فرمایا گیا ہے دنیا کے واقعات نے بھی اس کی پوری پوری تصدیق اور توثیق کی ہے۔

اس دنیا میں حضرت ابراہیمؑ و اسحٰقؑ، داؤدؑ و سلیمانؑ، موسیٰؑ و عیسیٰؑ اور ان کے علاوہ بھی کسی ملک اور کسی قوم میں آنے والے کسی ہادی اور مصلح کو جن اوصاف و خصوصیات اور جس قسم کے شواہد و دلائل کی وجہ سے خدا کا پیغمبر مانا گیا ہے، واقعات کی یہ دنیا گواہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی برگزیدہ ہستی ان تمام اوصاف و کمالات کی جامع اور ان سب شواہد و دلائل کی حامل تھی، اور یہ حقیقت اتنی روشن ہے کہ چودہ صدیاں

گزرنے کے بعد آج بھی جس میں سچی طلب اور انصاف ہو وہ اس بارے میں غور و فکر کر کے پورا اطمینان حاصل کر سکتا ہے۔

اسی طرح جو ہدایت و تعلیم آپؐ لے کر آئے جو بلا شک و شبہ جوں کی توں محفوظ ہے وہ اپنی کمالِ جامعیت و اعتدال کی وجہ سے خود اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ پوری انسانی دنیا کے لئے ہے اور تمام اقوامِ عالم کے لئے یہی اللہ تعالے کا مقرر کیا ہوا ضابطۂ حیات اور دستورِ زندگی ہے۔

پھر تیرہ صدیوں سے زیادہ گزر جانے کے باوجود دنیا کے کسی حصہ سے بھی کسی ایسی ہستی کا نہ اٹھنا جس کو خدا کا نبی و رسول مانا جاسکے اور اس دور میں دنیا کی ارتقائی رفتار کے تیز سے تیز تر ہونے کے باوجود آپؐ کی لائی ہوئی تعلیم کا انسانوں کی دینی و روحانی ہدایت کے لئے اسی طرح کافی ہونا جس طرح کہ آج سے ساڑھے تیرہ سو برس قبل کے انسانوں کی ہدایت کے لئے وہ کافی تھی، اس حقیقت کا نہایت ہی روشن واقعاتی ثبوت ہے کہ انسانوں کے پیدا کرنے والے اور نبیوں رسولوں کو بھیجنے والے خالق و مالک نے سلسلۂ نبوت کو آپؐ پر ختم کر دیا ہے اور اب آپؐ ہی کا دور دورہ ہے اور آپؐ ہی کی تعلیم و ہدایت تمام اقوامِ عالم کے لئے خدائی تعلیم و ہدایت ہے اور آپؐ ہی کی پیروی سے اب اللہ تعالے کی رضا اور رحمت کو پایا جا سکتا ہے۔

اللہ کے جن بندوں نے ابھی تک ان کھلی حقیقتوں پر سنجیدگی سے غور نہیں کیا ہے کاش وہ صاف ذہن اور نیک نیتی کے ساتھ غور کریں اور اس دور کی خدائی تعلیم و ہدایت کو اپنا کر اللہ کے ساتھ بندگی کے اپنے تعلق کو صحیح کریں۔

نبی کی حیثیت اور مقامِ نبوّت

قرآن مجید جس طرح انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے اور اُن کی اطاعت و پیروی کرنے کی دعوت دیتا ہے، اسی طرح وہ اس پر بھی زور دیتا ہے کہ ان کی حیثیت و مقام اور اُن کے کام کو صحیح طور پر جانا جائے اور اُن کے بارے میں افراط و تفریط سے بچا جائے۔

تفریط اور بے ادبی کی گمراہی

انبیاء علیہم السلام کی شان میں سب سے بڑی تفریط اور بے ادبی یہ ہے کہ ان کی پیغمبرانہ حیثیت کا انکار اور ان کی تکذیب کی جائے اور جو ہدایت و تعلیم اور جو احکام وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لاتے ہیں اُن کو تسلیم ہی نہ کیا جائے۔ قرآن کہتا ہے کہ یہ بھی اُسی طرح کفر ہے جس طرح کہ خدا کا انکار کفر ہے۔ اور خدا کے منکرین کی طرح اس جرم کے مجرمین بھی اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور بخشش سے قطعی محروم رہنے والے ہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق قرآن کا اعلان:

أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ○ (النساء ع-۲۱)

پہلے گزر چکا ہے جس کا مطلب یہی ہے کہ ایسے لوگ قطعی کافر ہیں اور جہنّم کا اہانت آمیز عذاب اُن کے لئے تیار ہے۔

اور سورۂ اعراف میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت آدمؑ و حوّا کے اس دُنیا میں آنے کے بعد جب انسانی تاریخ کا یہاں آغاز ہُوا تو اس وقت پوری نسل آدمؑ کے لئے جو چند اصولی اور بنیادی ہدایتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی تھیں، اُن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ :-

يَا بَنِي آدَمَ إِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي ۙ فَمَنِ اتَّقَىٰ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ○ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ○ (الاعراف ع-۴)

"اے اولادِ آدمؑ! اگر تمہارے پاس ہمارے بھیجے ہوئے پیغمبر آویں جو تم ہی میں سے ہوں گے اور تم کو میرے احکام بتائیں گے تو جو لوگ (ان کی ہدایت کو قبول کر کے) پرہیزگاری اختیار کریں گے اور اپنے احوال و اعمال کو درست کر لیں گے تو اُن کو کوئی اندیشہ نہ ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جو لوگ انکار و استکبار کی راہ اختیار کریں گے اور ہمارے احکام کو جھٹلائیں گے اور ازراہِ تکبر اُن کو قبول نہیں کریں گے وہ دوزخ والے ہوں گے اور ہمیشہ دوزخ ہی میں پڑے رہیں گے۔"

اور چند ہی آیات کے بعد انبیاء علیہم السلام اور ان کی لائی ہوئی تعلیم کے ان ہی مکذبین و منکرین کے بارے میں پھر فرمایا گیا ہے :-

اِنَّ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاسْتَکْبَرُوْا عَنْہَا لَا تُفَتَّحُ لَہُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰی یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ ؕ (الاعراف ع-۵)

"جن لوگوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی اور ازراہِ تکبر اُن کے ماننے سے انکار کیا، اُن کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور کبھی ہرگز جنت میں نہ جاسکیں گے یہاں تک کہ اُونٹ سُوئی کے ناکہ میں داخل ہو جائے (مطلب یہ ہے کہ جس طرح سُوئی کے ناکہ میں سے اُونٹ کا گزرنا ناممکن ہے اسی طرح اللہ کی آیات کے مکذبین و منکرین کا جنت میں جانا ناممکن ہے۔)"

اور ان کے برخلاف جو لوگ انبیاء علیہم السلام پر ایمان لائیں اور ان کی ہدایت و تعلیم کی پیروی کر کے نیک عملی کی زندگی گزاریں ان کے متعلق اس آیت کے بعد متصلاً فرمایا گیا ہے :-

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُکَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَآ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ہُمْ فِیْہَا خٰلِدُوْنَ ۝ (الاعراف ع-۵)

"اور جو لوگ ایمان لائیں اور اچھے عمل کریں (یعنی علم و عمل میں انبیاء علیہم السلام کی تعلیم و ہدایت کی پیروی کریں) (اور یہ کوئی ناممکن یا بہت مشکل نہیں کیونکہ) ہم کسی کو اس کے امکان اور اس کی طاقت و وسعت کے سوا مکلف نہیں کرتے، تو وہ جنتی ہیں جو ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔"

پھر فرمایا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے اور ان کی پیروی کرنے کے طفیل جب یہ

بندگانِ خدا جنت میں پہنچ جائیں گے تو اُن کی زبانوں پر اللہ کی حمد و ثنا اور پیغمبروں کے اعتراف و شکریہ کا یہ نغمہ ہوگا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ط (الاعراف ع - ۵)

"اللہ کا (لاکھ لاکھ) شکر ہے جس نے ہم کو اپنے فضل سے اس مقام تک پہنچایا اور اگر وہ نہ پہنچاتا تو یہاں تک ہماری ہرگز رسائی نہیں ہو سکتی، بے شک ہمارے اللہ کے پیغمبروں کی تعلیم و دعوت بالکل حق تھی اور انہوں نے جو کچھ ہم کو بتایا سب سچ تھا"

الغرض قرآن مجید نے ان آیات میں بتلایا کہ انبیاء علیہم السلام کی تکذیب اور ان کی تعلیم کا انکار اللہ تعالےٰ کے نزدیک ناقابلِ معافی جرم ہے اور جس طرح انکارِ خدا کی سزا جہنم کا ابدی عذاب ہے اسی طرح پیغمبروں کی تکذیب کی سزا بھی اللہ نے یہی مقرر کی ہے۔ ایسے لوگ کبھی جنت کی ہوا بھی نہ پا سکیں گے۔

جنت صرف ان ہی کے لئے ہے جو انبیاء علیہم السلام پر ایمان لائیں اور اُن کی تعلیم و ہدایت کی روشنی میں اپنی زندگیوں کو سنواریں۔ قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ کے اسی فیصلہ کا اعلان ایک دُوسری جگہ ان الفاظ میں کیا ہے:۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا یَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ۝ (الانعام ع - ۵)

"ہم پیغمبروں کو صرف اسی لئے بھیجتے ہیں کہ وہ ثواب کی خوشخبری سنائیں اور عذاب سے ڈرائیں پس جو لوگ ان کی دعوت کو قبول کر کے ایمان لائیں اور ان کی تعلیم و ہدایت کے مطابق اپنے کو درست کر لیں تو ان کو کوئی اندیشہ اور کوئی غم نہیں اور اس کے برخلاف جو لوگ ہماری آیات کی تکذیب کریں گے وہ اپنی بدکاری اور نافرمانی کی وجہ سے ضرور عذاب میں مبتلا ہوں گے"

اس اعلان اور انتباہ کے علاوہ قرآن مجید اپنے مخاطبین کو یہ بھی بتلاتا ہے کہ پچھلے زمانوں میں جن قوموں اور قوموں کے جن سرداروں نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی مخالفت اور تکذیب کی ان کو کبھی معاف نہیں کیا گیا۔ چنانچہ سورۂ صٓ میں قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، قوم شعیب اور

فرعون کا نام بنام ذکر کر کے اُن کے جُرم اور اُس کی سزا کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے :۔

اِنْ کُلٌّ اِلَّا کَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ۝ (صٓ ع ۱)

"ان سب نے یہی کیا کہ میرے پیغمبروں کی تکذیب اور ان کا انکار کیا، اس لئے میرا عذاب اُن پر واقع ہُوا"

اسی طرح سورۂ الحاقہ میں فرعون اور اس سے پہلے کے بعض منکرینِ انبیاء کے متعلق فرمایا گیا :۔

فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ۝ (الحاقہ۔ ع ۱)

"انہوں نے کہنا نہ مانا اپنے رب کے رسولوں کا تو اللہ نے لے لیا ان کو سخت گرفت میں"

الغرض پیغمبروں کے حق میں سب سے بڑی تفریط اور بے ادبی ان کی تکذیب اور اُن کی اطاعت سے انکار ہے اور قرآن مجید نے جا بجا واضح کر دیا ہے کہ یہ قطعی کُفر اور ناقابلِ معافی جُرم ہے۔

پھر اس سے کم درجہ کی تفریط اور ناقدر شناسی یہ ہے کہ اُن کے احکام کی تعمیل میں کوتاہی کی جائے۔ قرآن مجید بتلاتا ہے کہ یہ بھی ایسا جرم ہے کہ اس کے کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کے دردناک عذاب اور اس کی سخت پکڑ سے ڈرنا چاہیئے۔

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (النور ع ۹)

"جو لوگ رسولِ خدا کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں ان کو اس سے ڈرنا چاہیئے کہ کوئی آفت اُن پر آن پڑے یا دردناک عذاب اُن پر نازل ہو جائے"

اسی لئے قرآن مجید میں جا بجا اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کے حکم کے ساتھ رسول ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کا حکم بھی ویسے ہی زور کے ساتھ دیا گیا ہے۔ بہت سے مقامات پر ارشاد فرمایا گیا ہے :۔

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ[1] ——— "اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو"

---

[1] النساء ع ۸۔ المائدہ ع ۲۔ النور ع ۷۔ محمد ع ۴۔ تغابن ع ۲ ؛

کہیں فرمایا گیا ہے کہ ہدایت، رسولؐ کی اطاعت و فرمانبرداری سے ہی وابستہ ہے۔ چنانچہ سورۂ نور میں اللہ کی اطاعت کے بعد رسول کی اطاعت کا تاکیدی حکم دینے کے بعد فرمایا گیا :-

وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا ۔ (النور ع ۔ ۷)

"اگر تم رسولؐ کی اطاعت و فرمانبرداری کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے"

گویا اس آیت میں قرآن مجید نے اعلان کر دیا کہ جو لوگ رسول کی اطاعت و پیروی نہ کریں گے وہ اللہ کی ہدایت سے محروم اور راہِ حق سے بھٹکے ہوئے رہیں گے۔ ایک دوسرے موقع پر اس حقیقت کا اعلان قرآن مجید نے ان الفاظ میں بھی فرمایا ہے :-

وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا ۝ (الاحزاب ع ۵)

"اور جو نافرمانی کریں اللہ کی اور اُس کے رسول کی تو وہ بڑی کھلی گمراہی میں جا پڑے"

ایک دوسرے موقع پر قرآن مجید نے اعلان فرمایا ہے کہ ہمارے پیغمبر کی بے چون و چرا اطاعت اور اُن کے ہر حکم اور ہر فیصلہ کو خوش دلی سے قبول کرنا ایمان کی شرائط میں سے ہے، جس کا یہ حال نہ ہو اُس کو ایمان کا مقام ہرگز حاصل نہیں۔ سورۂ نساء میں ارشاد ہے :-

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝ (النساء ع ۔ ۹)

"(اے ہمارے پیغمبر!) قسم تمہارے پروردگار کی یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے (اور ایمان کے مقام تک نہیں پہنچ سکتے) جب تک کہ یہ بات نہ ہو کہ حَکَم بنائیں تم کو اپنے نزاعی معاملات میں پھر (جب تم اپنا فیصلہ دیدو تو) کوئی تنگی اور ناگواری نہ پائیں اپنے دلوں میں تمہارے فیصلہ سے اور تسلیم کر لیں اسکو پوری طرح مان کر"

اور سورۂ حشر میں تاکید کے ساتھ حکم دیا گیا کہ ہمارے پیغمبر تمہارے حق میں جو مثبت یا منفی فیصلہ کریں اور جو حکم دیں اس کو مانو اور بجا لاؤ۔ اگر اس کے خلاف راستہ اختیار کیا گیا تو یاد رکھو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے۔

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ (الحشر ع ۔ ۱)

"ہمارے رسول جو تم کو دیں اس کو لے لو اور جس سے منع کریں اُس سے رُک جاؤ اور اس بارے میں اللہ (کی پکڑ) سے ڈرو۔ اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے"

اور سورۂ احزاب میں پیغمبر کا حق اور مرتبہ یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ اپنے اوپر جتنا حق اور جتنا اختیار اپنی ذات کا ہوتا ہے اس سے زیادہ حق اور اختیار ایمان والوں پر پیغمبر کا ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر اللہ کے پیغمبر کسی کو ایسا حکم دیں جس میں اس کی جان جاتی ہو تو اس کا فرض ہے کہ بے دریغ جان دے کر اس حکم کی تعمیل کرے۔ ارشاد ہے :-

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ ط (الاحزاب ع-۱)

"پیغمبر کا زیادہ حق ہے اہلِ ایمان پر خود اُن کی اپنی ذاتوں سے اور پیغمبر کی بیویاں کُل اہلِ ایمان کی مائیں ہیں"۔

اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ ہمارا خالق اور مالک ہے، اس کو ہم پر ہر طرح کا حق اور اختیار ہے، یہاں تک کہ جن تصرفات اور جن فیصلوں کا اپنی جان اور اپنی ذات کے بارے میں خود ہم کو بھی حق نہیں، اللہ تعالیٰ کو ان تمام تصرفات اور فیصلوں کا بھی حق ہے۔ اور پیغمبر اس دُنیا میں چونکہ اس کے نائب اور نمائندہ ہیں اور وہی اللہ تعالیٰ کے احکام لانے والے اور اُن کے نافذ کرنے والے ہیں۔ اس لئے عملاً ضروری ہے کہ ان کا حق و اختیار بھی ایسا ہی مانا جائے۔

آگے فرمایا کہ "ان کی بیویاں تمام اہلِ ایمان کی ماؤں کی جگہ ہیں"، اس لئے اُن کا ادب و احترام اپنی ماؤں کی طرح کیا جائے۔

قرآن مجید انبیاء علیہم السّلام پر ایمان لانے اور اُن کے احکام کی اطاعت کرنے اور اُن کا حق اور مرتبہ پہچاننے پر زور دینے کے علاوہ اس کی بھی تاکید کرتا ہے کہ اُن کے حضور میں بلند آواز سے اور بیباکی سے بولا بھی نہ جائے بلکہ جب کسی کو ان کے سامنے کچھ عرض کرنا ہو تو پورے ادب سے اور دبی آواز سے عرض کیا جائے۔ قرآن مجید آگاہی دیتا ہے کہ اگر اس بارے میں کوتاہی ہوئی تو تمہارے سارے اعمال اکارت ہو جانے کا خطرہ ہے۔ سورۂ حجرات میں ارشاد ہے :-

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى لَهُمْ

مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ ٥ (الحجرات ع ۱۰)

"اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے بلند نہ کیا کرو اور آپ سے اس طرح کھل کر بھی بات نہ کیا کرو جیسے کہ آپس میں ایک دوسرے سے کھل کر باتیں کرتے ہو، مبادا تمہارے سارے اعمال (ادب کی اس کوتاہی سے) اکارت ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو، بیشک جو لوگ اللہ کے رسول کے حضور میں اپنی آوازیں نیچی کر کے باتیں کرتے ہیں وہی ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے خاص کر لیا ہے، ان کے لئے ہی اللہ کی بخشش اور بڑا اجر ہے"۔

انبیاء علیہم السلام کے بارے میں تفریط و ناقدر شناسی اور بے ادبی کی گمراہی سے بچانے کے لئے تو قرآن مجید نے یہ ہدایات دیں (جو مذکور ہوئیں) اب اس کے بعد وہ ہدایات بھی سُنئے جو افراط اور غلو کے فتنہ سے بچانے کے لئے قرآن مجید نے دی ہیں کہ:۔

افراط اور غلو کا فتنہ

انبیاء علیہم السلام کے بارے میں جس غلو اور افراط میں بہت سی قومیں مبتلا ہوئی ہیں وہ یہ ہے کہ انھوں نے سمجھا کہ نبی انسان نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس کو انسانوں سے بالاتر کسی جنس سے ہونا چاہیئے اور انسانی ضرورتیں اور انسانیت کے لوازم بھی اس کے ساتھ نہ ہونے چاہئیں۔ چنانچہ بہت سی قوموں نے اسی گمراہی کی بنا پر اپنے زمانے کے پیغمبروں کا انکار کیا۔ قرآن کا بیان ہے کہ اللہ کے پیغمبر نوح علیہ السلام کا انکار کرتے ہوئے اُن کی قوم نے کہا تھا:۔

مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۔ (مومنون ع ۲)

"یہ تو تمہاری طرح کے ایک انسان ہیں (پھر یہ خدا کے رسول کیسے ہو سکتے ہیں؟)"۔

اور نوح علیہ السلام کے بعد جب دُنیا میں پھر گمراہی پھیلی اور اللہ نے اپنے ایک اور نبی کو بھیجا تو اُن کی قوم نے بھی یہ کہہ کر اُن کا انکار کیا کہ:

مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ٥

(مومنون ع ۲)

"یہ تو تمہاری طرح ایک انسان ہیں جو تم کھاتے ہو وہی چیزیں یہ بھی کھاتے ہیں اور جو تم پیتے ہو وہی یہ بھی پیتے ہیں (پھر بھلا یہ کس طرح رسول ہو سکتے ہیں؟)"۔

اور سورۂ تغابن میں زمانۂ قدیم کی منکر قوموں کے متعلق بیان فرمایا گیا ہے کہ اُن کے کفر و انکار کا باعث یہی ہُوا کہ یہ بات تسلیم کرنے کے لئے وہ تیار نہیں ہُوئیں کہ انسان بھی نبی ہو سکتا ہے۔ ارشاد ہے :۔

ذَالِكَ بِأَنَّهُ كَانَتْ تَّأْتِيهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالُوا أَبَشَرٌ يَهْدُونَنَا فَكَفَرُوا وَتَوَلَّوْا۔ (تغابن ع ۱۰)

"ان کے اس کفر کا سبب یہی ہُوا کہ اُن کے پاس اُن کے پیغمبر روشن دلائل اور واضح احکام لے کر آئے تو ان کمبختوں نے کہا کیا انسان ہم کو ہدایت دیں گے؟ بس (اسی بنیاد پر) انہوں نے ان رسولوں کا انکار کر دیا اور اُن سے روگردانی اختیار کی"۔

اور دوسری جگہ فرمایا گیا :۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَسُولًا ٥ (بنی اسرائیل ع ۱۱)

"جب لوگوں کے پاس ہماری ہدایت پہنچی تو ایمان لانے سے اُن کو صرف یہی چیز مانع ہُوئی کہ انہوں نے کہا کیا آدمی کو اللہ تعالےٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟ (یہ بات تو ہم نہیں مان سکتے")

اور خود قرآن کے لانے والے خدا کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ان کے منکروں نے کہا کہ :۔

مَالِ هَٰذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ ٥ (الفرقان ع ۱)

"یہ کیسے رسول ہیں کہ کھاتے پیتے ہیں اور (اپنے کاموں سے) بازاروں میں بھی جاتے ہیں"۔
مطلب یہی تھا کہ خدا کا رسول تو وہی ہو سکتا ہے جو ان انسانی لوازم و خصوصیات سے مبرا اور بالاتر ہو۔ الغرض پیغمبروں کے بارے میں بہت سی قومیں اس گمراہی میں مبتلا رہی ہیں کہ وہ انسان نہیں ہو سکتے بلکہ ان کو کسی بالاتر جنس سے ہونا چاہیئے اور انسانی عادات و خصوصیات بھی ان میں بالکل نہ ہونی چاہئیں۔ مگر قرآن مجید نے اس گمراہی کی پوری صراحت و صفائی سے بیخ کنی کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد ہے :۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوحِي إِلَيْهِمْ ۔ (یوسف ع ۱۲)

"اور ہم نے آپ سے پہلے بھی آدمیوں ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجا تھا، ہم ان ہی کی طرف اپنے احکام کی وحی کرتے تھے"۔

اور سورۂ فرقان میں فرمایا گیا :-

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِى الْاَسْوَاقِ ۝ (الفرقان ع ۲-)

"اور آپ سے پہلے جتنے رسول بھی ہم نے بھیجے وہ سب کھانا کھاتے تھے اور (اپنی ضرورتوں سے) بازاروں میں چلتے پھرتے تھے"۔

اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بار بار حکم دیا گیا کہ اپنے بارے میں صاف صاف ان لوگوں سے کہہ دیجئے اور اعلان کر دیجئے کہ :-

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۔ (کہف ع ۱۲ - حٰمٓ سجدہ ع ۱-)

"میں تو بس تمہاری ہی طرح ایک انسان ہوں"۔

اور پیغمبروں کے بارے میں غلو اور افراط ہی کے سلسلہ کی ایک گمراہی یہ بھی کہ ان کے لئے ضروری سمجھا جاتا تھا کہ ساری کائنات پر اُن کا تصرف اور اختیار ہو اور وہ سب کچھ کر سکتے ہوں۔ اسی بنیاد پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے منکرین نے آپ سے کہا تھا، قرآن کا بیان ہے :-

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۝ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۝ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۝ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِى السَّمَآءِ ۭ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ۔ (بنی اسرائیل ع ۱۰)

"یہ منکرین کہتے ہیں کہ ہم ہرگز تم پر ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ تم ایسے خارق عادت کام کر کے نہ دکھا دو۔ (مثلاً یہ کہ) تم حکم کرو اور زمین سے چشمہ پھوٹ نکلے یا تمہارے لئے کھجور اور انگور کا ایک باغ لگ جائے اور پھر تم اس میں پانی کی بہت سی نہریں جاری کر کے دکھاؤ یا جیسے کہ تم کہا کرتے ہو آسمان کے ٹکڑے ہم پر گراؤ، یا اللہ کو اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لے آؤ یا تمہارے لئے ایک سونے کا گھر بن جائے، یا تم پرواز کرتے ہوئے آسمان

میں چڑھ جاؤ اور ہم تمہارے اس چڑھ جانے کو بھی نہیں مانیں گے جب تک ایسا نہ ہو کہ تم آسمان سے ایک لکھی لکھائی کتاب ہمارے پاس اُتار لاؤ جسکو ہم پڑھ سکیں"۔ مگر قرآن مجید میں ان سب مطالبوں کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ :-

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ (بنی اسرائیل ع-۱۰)

"آپ ان سے کہہ دیجئے، سبحان اللہ (میں کوئی خدا ہوں) میں اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک آدمی ہوں، اللہ کا پیغام پہنچانے والا"۔

اس مختصر آسمانی جواب کا مطلب یہی ہے کہ اے منکرو! تمہاری یہ بنیادی غلطی ہے کہ تم سمجھتے ہو کہ نبی و رسول وہ ہوتا ہے جس کے اختیار اور قبضہ میں سب کچھ ہو اور زمین و آسمان پر اُس کا "کُنْ فَيَكُوْنُ" تصرف ہو۔ حالانکہ یہ شان خدا کی ہے۔ بیشک وہ کسی چیز سے عاجز نہیں اُس کی قدرت میں سب کچھ ہے لیکن میری حیثیت تو صرف یہ ہے کہ میں تم میں کا اور تمہاری جنس کا ایک انسان ہوں جس کو اللہ تعالیٰ نے رسالت و پیغمبری کا کام اور منصب عطا فرما دیا ہے میں اس سے زیادہ کسی چیز کا مدعی نہیں۔ اسی طرح سورۂ عنکبوت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منکرین نے آپؐ سے کہا کہ جو معجزے اور جو نشانیاں ہم چاہتے ہیں وہ آپ کیوں نہیں دکھاتے؟ تو اس کا جواب بھی آپؐ سے یہی دلوایا گیا کہ :-

قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَاۤ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ (عنکبوت ع-۵)

"آپ ان سے کہہ دیجئے کہ معجزے اور نشانیاں تو اللہ کے اختیار میں ہیں (ان پر میرا اختیار نہیں) میں تو بس صاف صاف آگاہی دینے والا اور ہشیار کرنیوالا اللہ کا پیغمبر ہوں"۔

اور اسی غلو اور افراط کی بیخ کنی کے لئے ایک دوسری جگہ آپؐ کو حکم دیا گیا کہ :-

قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ ۚ (انعام ع-۵)

"آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ اللہ تعالیٰ کے خزانے میرے اختیار میں ہیں اور نہ (میں یہ کہتا ہوں کہ) مجھے علم غیب ہے اور نہ میں کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں (میرا حال تو یہ ہے کہ) جو وحی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر کی جاتی ہے اور جو حکم مجھے

دیا جاتا ہے تو بس اس کا میں اتباع کرتا ہوں "۔

اور اسی مقصد کے لئے آپ سے اعلان کرایا گیا :-

قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ۝ قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۝ (الجن ع-۲)

"آپ صاف کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں نہیں مالک ہوں تمہارے نقصان کا اور نہ تمہاری بھلائی کا (یعنی تمہارا بناؤ بگاڑ میرے اختیار میں نہیں بلکہ سب کچھ اللہ ہی کے اختیار میں ہے) آپ کہہ دیجئے کہ (خود میرا معاملہ یہ ہے) کہ مجھے بھی نہیں بچا سکتا اللہ کے ہاتھ سے کوئی اور میں نہیں پا سکتا اس کے سوا کوئی جائے پناہ اور کوئی ٹھکانہ "۔

اور سورۂ اعراف میں فرمایا گیا :-

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝ (الاعراف ع-۲۳)

"آپ اعلان فرما دیجئے کہ میں خود اپنی ذات کے نفع نقصان کا بھی مالک و مختار نہیں ہوں، مگر جو اللہ تعالےٰ چاہے وہی ہوتا ہے (سب کچھ اُسی کی مشیت اور اسی کے فیصلہ پر موقوف ہے) اور اگر میں غیب کی بات جان لیا کرتا تو بہت کچھ منافع حاصل کر لیتا اور کبھی کوئی ناگواری اور خلافِ مرضی بات مجھے پیش نہ آتی میں تو بس انجام کے خطرہ سے ہشیار کرنیوالا اور انعاماتِ الٰہیہ کی خوشخبری سنانیوالا ہوں ایمان و یقین والوں کو "۔

ان سب آیتوں میں اسی غلو اور افراط کی بیخ کنی کی گئی ہے جو انبیاء علیہم السلام کے بارے میں بہت سی قوموں اور اُمتوں میں مختلف زمانوں میں رہا ہے اور آج بھی موجود ہے حتیٰ کہ خود قرآن کے ماننے والے بہت سے مسلمان جہالت اور ناواقفی کی وجہ سے اس میں مبتلا ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کے خزانوں پر رسول کا پورا پورا اختیار اور تصرف ہونا چاہیئے اور ان کو علمِ غیب بھی ہونا چاہیئے اور دین و دنیا اور آخرت کے بارے میں ان کو مختارِ مطلق ہونا چاہیئے۔ حالانکہ معلوم ہو چکا کہ قرآن مجید نے ان تمام گمراہانہ خیالات و خرافات کی پوری صراحت اور صفائی سے تردید کی ہے اسی سلسلہ میں قرآن مجید کی یہ چند آیتیں اور بھی پڑھ لیجئے :-

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا
يُوحَىٰ إِلَيَّ وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ○ (احقاف ع-۱)

"آپ کہہ دیجئے کہ میں کوئی نیا نرالا نہیں ہوں رسولوں میں سے (جس طرح مجھ سے پہلے اللہ کے بہت سے رسول آئے اسی طرح میں بھی اس کا ایک رسول ہوں) اور (میرا حال یہ ہے کہ) جو کچھ مستقبل میں میرے ساتھ پیش آئے گا اور جو تمہارے ساتھ کیا جائے گا میں اس سب کو جانتا بھی نہیں، میں تو بس اس کی پیروی کرتا ہوں جو اللہ کی طرف سے بذریعۂ وحی مجھے بتلایا جاتا ہے اور میں تو بس صاف صاف آگاہی دینے والا ہوں"۔

اور سورۂ یونس میں ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے کافر و منکر جب آپ کی زبان سے قرآن مجید سنتے تھے (جس کی تعلیم ان کے کافرانہ و مشرکانہ خیالات و اعمال کے خلاف تھی تو کہتے تھے کہ قرآن کو تو ہم نہیں مان سکتے۔ لہٰذا یا تو اس کی جگہ کوئی دوسرا قرآن لاؤ یا اس کی تعلیم اور اس کے مضامین کو بدلو۔ اس کے جواب میں آپ کو حکم دیا گیا:۔

قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِن تِلْقَاءِ نَفْسِي إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ إِنِّي
أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ○ (یونس-ع-۲)

"آپ ان سے کہہ دیجئے کہ مجھے بالکل یہ حق نہیں ہے کہ میں اپنی طرف سے اس میں کوئی ردوبدل کرسکوں، میں خود انہی احکام کی تابعداری کرتا ہوں جو کہ اللہ کی طرف سے میری طرف وحی کئے جاتے ہیں۔ اگر میں اپنے اس مالک کے حکم کی خلاف ورزی کروں تو بڑے دن کے عذاب کا مجھے بھی ڈر ہے"۔

الغرض پیغمبروں کے بارے میں غلو اور افراط کے سلسلہ کی جن جن گمراہیوں میں لوگ کبھی مبتلا ہوئے ہیں یا مبتلا ہونے کے زیادہ امکانات اور خطرات ہیں، قرآن مجید نے ان سب ہی کی پوری پوری بیخ کنی اور آئندہ کے لئے ناکہ بندی کر دی ہے اور انبیاء علیہم السلام کی جو واقعی حیثیت اور ان کا جو حقیقی مقام ہے اس کو اس طرح واضح اور متعین کر دیا ہے کہ قرآن کو سمجھنے اور ماننے والوں کے لئے کسی غلط فہمی اور گمراہی کی گنجائش قطعاً نہیں رہی ہے۔

❦

خداوندی ہدایت کی اطاعت و پیروی

اگرچہ یہ حقیقت ہے کہ خدا کی خدائی کو جان لینے اور بندوں کی ہدایت کے لئے اس کے قائم کئے ہوئے سلسلۂ رسالت کو مان لینے اور اس پر ایمان لے آنے کے بعد خود بخود بندے کے لئے یہ لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے متعلق یہ اصولی فیصلہ کر لے کہ اس دُنیا میں مجھے اللہ کے احکام اور اس کی نازل کی ہوئی ہدایت کا مطیع اور تابع رہ کر ہی زندگی گزارنا ہے۔ لیکن قرآن مجید صرف اس لزوم پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ وہ مستقل طور سے بھی اس کی دعوت دیتا ہے اور پوری تاکید کے ساتھ جا بجا اس کا مطالبہ کرتا ہے کہ انسانوں کو چاہیئے کہ وہ خدا کی ہدایت اور اس کے احکام (جو پیغمبرِ وقت کے ذریعے اس کی طرف سے آئیں ان) کی پیروی کو زندگی کا اصول بنائیں۔ نجات و فلاح کی یہی راہ ہے اور اس کے سوا ہر راستہ ہلاکت کا راستہ ہے۔

سورۂ انعام میں فرمایا گیا :۔

قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (انعام ع ۔ ۹)

"اے پیغمبرؐ! آپ میرے بندوں کو بتائیے کہ اللہ تعالیٰ کی اُتاری ہوئی ہدایت ہی زندگی کی صحیح راہ ہے اور ہم سب کو حکم ہے کہ پروردگارِ عالم کی حکم برداری کریں"۔

اور سورۂ اعراف کے بالکل شروع میں فرمایا گیا :۔

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۔ (اعراف ع ۔ ۱)

"اس ہدایت کی پیروی کرو جو اُتاری گئی ہے تمہارے پروردگار کی طرف سے اور اس کے سوا اور آقاؤں کی پیروی نہ کرو (کیونکہ حقیقی آقا اور رب صرف وہی ہے)"۔

اور سورۂ زمر میں ارشاد ہوا :۔

وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ (زمر ع ۔ ۶)

"اور رجوع ہو جاؤ اپنے رب کی طرف اور اس کی حکم برداری کرو قبل اس کے کہ آجائے تم پر اس کا عذاب اور پھر کوئی تمہاری مدد نہ کر سکے اور اتباع کرو اُس بہترین ہدایت کا جو اُتاری گئی ہے تمہارے پروردگار کی طرف سے قبل اس کے کہ آجائے تم پر اچانک عذاب اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔"

یہ تو خداوندی ہدایت کے اتباع کی تاکید تھی (نیز قرآن مجید میں ان آیات کے علاوہ "اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ" یا اس کے ہم معنی الفاظ میں بھی جا بجا اس کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ اب ماننے اور نہ ماننے والوں کا انجام بھی قرآن ہی کی زبان سے سُنئے۔ سورۂ فتح میں ارشاد ہے:-

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ یُدْخِلْہُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْھٰرُ وَمَنْ یَّتَوَلَّ یُعَذِّبْہُ عَذَابًا اَلِیْمًا ۝ (الفتح ع-۲)

"جو لوگ حکم برداری کریں گے اللہ اور اُس کے رسول کی، اور چلیں گے اُن کی ہدایت پر اُن کو پہنچائے گا اللہ ان بہشتی باغات میں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور جو نہ مانیں گے اور حق کی اس راہ سے مُڑ کر چلیں گے اُن کو اللہ تعالیٰ اس جُرم کی دردناک سزا دے گا۔"

اور دوسری جگہ ماننے والوں کے متعلق فرمایا گیا:-

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا ۝ (احزاب ع-۹)

"اور جو لوگ تابعداری کریں اللہ اور اُس کے رسول کی تو اُنہوں نے بڑی کامیابی حاصل کی۔"

اور سورۂ نساء میں اس "بڑی کامیابی" (فَوْزٌ عَظِیْمٌ) کی تفسیر و تشریح اس طرح فرمائی گئی:-

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا ۝ ذٰلِکَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰہِ وَکَفٰی بِاللّٰہِ عَلِیْمًا ۝ (النساء ع-۹)

"اور جو بندے فرمانبرداری کریں اللہ اور اُس کے رسول کی، تو وہ اللہ کے اُن خاص بندوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اُس کا خصوصی انعام ہے یعنی انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین، اور کیا اچھے ہیں یہ رفیق، یہ اُن پر فضل ہوگا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے، اور

اللہ کافی ہے جاننے والا "

اور ان ہی خوش نصیب بندوں کے متعلق جنہوں نے ہر طرف سے رُخ موڑ کے اور دُنیا کے سارے طریقوں کو چھوڑ کر اللہ تعالےٰ کی ہدایت کی پیروی ہی کو اپنا اصولِ زندگی بنا لیا ہے سورۂ مومن میں ذکر فرمایا گیا ہے کہ اللہ کے وہ خاص خاص مقرب فرشتے (حاملینِ عرش ومن حَوْلَہٗ) جنہیں بارگاہِ خداوندی میں ہر وقت حاضری نصیب رہتی ہے وہ اللہ تعالےٰ کی حمد و تسبیح کے ساتھ ان بندگانِ خدا کے لئے بلکہ ان کے طفیل میں ان کے آباؤ اجداد اور بیوی بچوں کے لئے بھی ہر دم دُعائے خیر کرتے رہتے ہیں :

قرآن مجید میں اُن کی اس دُعا کے الفاظ بھی نقل کئے گئے ہیں، پڑھیئے اور بار بار پڑھیئے :-

رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِينَ تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ○ رَبَّنَا وَأَدْخِلْهُمْ جَنَّاتِ عَدْنٍ الَّتِي وَعَدتَّهُمْ وَمَن صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ ○ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ○ وَقِهِمُ السَّيِّئَاتِ ط وَمَن تَقِ السَّيِّئَاتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهُ ط وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ○ (مومن ع-۱)

" اے پروردگار! تیرا علم اور تیری رحمت ہر چیز کو محیط ہے، پس تُو اپنے ان بندوں کی مغفرت فرما دے جو تیری طرف رجوع ہوئے اور انہوں نے تیری ہدایت کی پیروی کی اور تیری بتائی ہوئی راہ پر چلے اور دوزخ کے عذاب سے اُن کو بچا لے، اے پروردگار! اور اُن غیر فانی جنتوں میں اُن کو پہنچا دے جن کا تُو نے اُن سے وعدہ کیا ہے اور اُن کے ماں باپ اور ان کے بیوی بچوں میں سے جو بھی اچھے ہیں ان کو بھی اُن کے ساتھ جنت میں رکھ، تُو زبردست حکمت والا ہے اور تکلیفوں اور برائیوں سے اُن کو بچا، اور قیامت کے دن جن کو تُو نے تکلیفوں سے بچایا تو ان پر تیری رحمت ہوئی اور یہ اُن کی بڑی کامیابی ہے "

گویا اللہ کے یہ بلند مرتبت مقرب فرشتے مامور ہیں کہ اللہ تعالےٰ کی بندگی اور اس کی حکمبرداری والی زندگی گزارنے والے بندوں کے حق میں یہ دُعائے خیر اللہ کے حضور میں کرتے رہیں۔

اور ظاہر ہے کہ جس اللہ نے اُنہیں اس دُعا پر مامور فرمایا ہے اور اپنی حمد و تسبیح کے ساتھ اس دُعائے خیر کو ان کا وظیفہ بنایا ہے۔ وہ ان کی اس دُعا کو کیوں نہ قبول فرمائے گا، بلکہ قرآن مجید میں یہ دُعا اسی لئے ذکر کی گئی ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ اللہ تعالےٰ کے جو بندے اللہ کی بندگی والی زندگی گزارتے ہیں اور اس دُنیا میں اُس کی ہدایت کے پابند ہو کر رہتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کے نزدیک اُن کا مرتبہ اور مقام یہ ہے کہ اس نے اپنے مقرب ترین فرشتوں کو ان کا دُعاگو بنا دیا ہے۔ اور اُن کے لئے دُعائے خیر کرنا، اپنی حمد و تسبیح کی طرح انکا وظیفہ مقرر فرما دیا ہے۔

اور اس کے برعکس جو بدنصیب انسان اللہ تعالےٰ کی ہدایت اور اُس کی نازل کی ہوئی شریعت کے بجائے اپنی خواہشاتِ نفس کی پیروی کرتے ہیں، اُن کی محرومی اور بربادی کا اعلان قرآن مجید میں ان الفاظ میں فرمایا گیا :-

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ○ (قصص۔ ع ۔ ۵)

" اور ان سے زیادہ گمراہ اور بھٹکا ہوا کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے ہٹ کر اپنی خواہشات کی پیروی کریں۔ اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا "

اور سورۂ فرقان میں فرمایا گیا :-

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ○ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ○ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ○ (الفرقان ع ۔ ۴)

" ذرا ان بدنصیبوں کو دیکھو جو (اللہ تعالےٰ کی بندگی اور اُس کی ہدایت کی پیروی چھوڑ کر) اپنی خواہشاتِ نفس کے پرستار ہو گئے ہیں، کیا تم ان کو سنبھالنے کا ذمہ لے سکتے ہو ؟ (وہ ہرگز درست نہ ہوں گے) کیا تمہارا خیال ہے کہ ان میں بہت سے کچھ سُنتے اور سمجھتے ہیں، نہیں وہ تو بس لا یعقل جانوروں کی طرح ہیں، بلکہ وہ اُن سے بھی زیادہ گمراہ ہیں "

عملِ صالح

اسی اتباعِ ہدیٰ اور اطاعتِ رسولِ خدا اور رسول والی زندگی کی ایک تعبیر عملِ صالح والی زندگی بھی ہے۔ قرآن مجید میں بے شمار مقامات پر ایمان کے ساتھ عملِ صالح کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے کہ گویا ان دونوں سے مل کر وہ زندگی بنتی ہے جو ہمارے پیدا کرنے والے کو مطلوب اور محبوب ہے۔ اور جو ہم کو اس کا محبوب بندہ بنانے والی ہے۔ قرآن پاک میں بلا مبالغہ سینکڑوں مقامات پر عملِ صالح والی اس زندگی پر ایسی کیف آور بشارتیں سنائی گئی ہیں جن میں ایمان والی روحوں کے لئے لذت و سرور اور نشاط و مستی کا یقیناً اس سے زیادہ سامان ہے جتنا کہ شراب کے متوالوں کو شراب سے حاصل ہوتا ہوگا۔ چند آیتیں یہاں بھی سُن لیجئے :-

سورۂ حج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے کہ آپ پوری انسانی دنیا کو ہمارا پیغام سنا دیجئے۔ ارشاد ہے :-

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝ (الحج ع - ۸)

"اے پیغمبر! آپ اعلان کر دیجئے اور سب کو سُنا دیجئے کہ اے انسانو! میں تو اللہ کی طرف سے تم کو صرف خبردار کرنے والا اور اس کا پیغام کھول کھول کر سُنانے والا ہوں پس جو لوگ ایمان لائیں اور عمل صالح والی زندگی اختیار کریں ان کے لئے اُن کے پروردگار کی طرف سے بخشش ہے اور عزت کی روزی ہے اور جو لوگ ہمارے احکام و فرامین کے مقابلے میں زور آزمائی کریں وہ دوزخ میں جانے والے ہیں۔"

اور سورۂ طٰہٰ میں فرمایا :-

وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ۝ (طٰہٰ - ع - ۴)

"اور میری بڑی بخشش ہے اُن کے لئے جو توبہ کریں اور ایمان لائیں اور عمل صالح

والی زندگی گزاریں اور پھر ٹھیک ٹھیک چلتے رہیں۔"

اور سورۂ عنکبوت میں فرمایا :-

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُکَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِیَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِیْ کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ٥ (العنکبوت ع-۱)

"اور جو بندے ایمان لائیں اور عملِ صالح والی زندگی گزاریں ہم اُن کی خطائیں معاف اور اُن کی برائیاں دُور کر دیں گے اور ان کو ان کے اعمال کے استحقاق سے بہت زیادہ اچھا بدلہ دیں گے۔"

اور سورۂ نساء میں فرمایا :-

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیْلًا ٥

(النساء ع-۸)

"اور جو بندے ایمان لائیں اور عملِ صالح والی زندگی گذاریں ہم ضرور اُن کو اُن بہشتی باغات میں بسائیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ وعدہ ہے اللہ کا بالکل سچا اور کس کی بات ہو سکتی ہے اللہ سے زیادہ سچی۔"

اور سورۂ شوریٰ میں ارشاد فرمایا :-

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِیْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ج لَهُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِیْرُ ٥ ذٰلِكَ الَّذِیْ یُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ (شوریٰ ع-۳)

"اور جو بندے ایمان لائیں اور عمل صالح والی زندگی گذاریں، وہ جنت کے باغیچوں میں رہیں گے اُن بہشتی باغوں میں جس چیز کی وہ خواہش کریں گے اپنے پروردگار کے پاس وہ اُن کو ملے گی، یہ اُن پر اللہ تعالےٰ کا بڑا انعام ہے۔ اللہ تعالےٰ اس خوش انجامی کی بشارت اپنے اُن بندوں کو سُناتا ہے جو ایمان لائیں اور عمل صالح والی زندگی گذاریں۔"

اور سورۂ کہف میں فرمایا :-

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۝ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا ۝ (الکہف ع - ۱۲)

"بے شک جو بندے ایمان لائیں اور عمل صالح والی زندگی گزاریں اُن کے پروردگار کی طرف سے ان کی مہمانی کے لئے فردوس یعنی جنت کے باغات ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (نہ ان کو وہاں سے کبھی نکالا جائے گا اور) نہ وہ خود وہاں سے کہیں اور جانا چاہیں گے۔"

اور سورۂ طٰہٰ میں ارشاد فرمایا :-

وَمَنْ يَأْتِهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ فَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَىٰ ۝ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ مَنْ تَزَكَّىٰ ۝ (طٰہٰ ع-۳)

"اور جو بندے اپنے پروردگار کے حضور میں مومن ہو کر حاضر ہوں گے اور عمل صالح والی زندگی انھوں نے گزاری ہوگی، اُن کے لئے وہاں نہایت بلند درجے ہیں، کبھی نہ فنا ہونے والے بہشتی باغات جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اُن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ صلہ ملے گا اُن کو جو کفر و نافرمانی کی گندگی سے پاک ہوں گے۔"

ان سب آیتوں میں ایمان اور عمل صالح والی زندگی گذارنے والوں کے لئے آخرت میں اللہ کی رحمت و مغفرت اور اُس کے فضل و بخشش اور جنت و نعمائے جنت کی بشارتیں ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے جن بندوں کو آخرت پر ایمان و یقین نصیب فرمایا ہے اُن کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی بشارت اور کوئی نعمت نہیں ہو سکتی کہ آخرت کی حقیقی اور کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی میں ان کو اللہ تعالےٰ کی رضا و مغفرت اور جنت نصیب ہو جائے۔

بالفرض اگر ایمان و عمل صالح کے صلہ میں اس فانی دُنیا میں کچھ بھی نہ ملے اور صرف آخرت ہی میں وہ مِل جائے جس کا وعدہ ان آیتوں میں کیا گیا ہے تو بھی یقیناً نفع ہی نفع ہے، اور ہر مومن بندہ اس سودے پر دل و جان سے راضی ہو کر اپنے ربِّ کریم کا شکر گزار ہی ہوگا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ عمل صالح اور ایمان کے صلہ میں آخرت میں مغفرت اور جنت کے علاوہ اس دُنیا میں بھی جو کچھ عطا فرمانے کا وعدہ قرآن مجید میں

کیا گیا ہے وہ اس دُنیا کی بھی سب سے بڑی نعمت ہے۔

مثلاً سورۂ مریم میں فرمایا :۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۝

(مریم ع - ۶)

"بلاشبہ جو بندے ایمان لائیں اور عملِ صالح والی زندگی گزاریں، بڑی رحمت والا پروردگار اُن کو ضرور محبت سے نوازے گا۔"

یعنی اس دُنیا کی زندگی میں ان کو اللہ کی محبت و محبوبیت کا مقام نصیب ہوگا اور اللہ تعالےٰ اپنی مخلوقات کے دلوں میں بھی ان کی محبت پیدا فرما دے گا۔

سوچئے! کسی بندے کے لئے اس دُنیا میں اس سے بڑی نعمت اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کے دل کو اللہ تعالیٰ سے محبت و تعلق کی دولت نصیب ہو جائے اور اللہ تعالےٰ اس کو اپنی محبت کے لئے چُن لے، اور عامہ مخلوق کے دل میں بھی اس کی محبت و مقبولیت پیدا کر دی جائے۔

صرف مادی لذتوں اور بُرائیوں سے دلچسپی رکھنے والے جو انسان اپنی انسانیت کھو کر حیوانیت کی سطح پر آ چکے ہیں، غالباً اُن کے نزدیک تو اس دُنیا کی بڑی نعمتیں صرف روپیوں کے ڈھیر اینٹوں اور پتھروں سے بنے ہُوئے عالی شان محلات انواع و اقسام کے لذیذ مرغن کھانے، بیش قیمت کپڑے اور قیمتی سواریاں ہی ہوں گی لیکن جو واقعی انسان ہیں انہیں اس میں قطعاً کوئی شک نہیں ہو سکتا کہ اللہ کی محبت و محبوبیت اور عام خلائق کی نگاہ میں مقبولیت کا ایک لمحہ اس پوری عمر سے زیادہ لذیذ اور قیمتی ہے جس میں مذکورۂ بالا ساری مادی نعمتیں تو میسر ہوں لیکن اللہ تعالےٰ کی محبت و محبوبیت اور مقبولیت کی اس نعمت سے محرومی ہو۔

اللہ تعالےٰ اس دُنیا میں اپنے جس بندے کو اپنی محبت و محبوبیت اور مقبولیت کا کوئی حصّہ نصیب فرمائے بس وہی جانتا ہے کہ اس کو کتنی بڑی دولت اور زندگی کا کیسا لُطف حاصل ہے۔ اسی کو قرآن مجید میں ایک دوسری جگہ "حیوٰۃ طیبہ" فرمایا گیا ہے۔ سورۂ نمل میں ارشاد ہے :۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (النحل ع - ۱۳)

"جو بندہ عملِ صالح والی زندگی گزارے خواہ مرد ہو یا عورت، اور وہ صاحبِ ایمان بھی ہو تو ہم ضرور اس کو "حیات طیبہ" (نہایت اچھی پُر لطف زندگی) دیں گے اور آخرت میں اُن کے اعمالِ حسنہ کا اُن کے استحقاق سے بہت زیادہ اچھا صلہ ان کو عطا فرما دیں گے۔"

اس آیت میں عمل صالح والی زندگی پر جس "حیوٰۃ طیبہ" کا وعدہ کیا گیا ہے اس کا تعلق اس دُنیا سے ہے اور وہ اللہ کی محبت و محبوبیت، سکینت و طمانیت اور خلق اللہ میں مقبولیت کی وہی زندگی ہے جس کا ابھی اُوپر ذکر کیا گیا اور بلاشبہ وہ اس دُنیا کی سب سے بڑی دولت و نعمت اور سب سے بڑی لذت ہے۔

دُنیا میں یہ "حیوٰۃ طیبہ" ملنا تو ایمان اور عملِ صالح والی زندگی کا وہ صلہ ہے جس سے ہر وہ فرد نوازا جاتا ہے جو ایمان و عملِ صالح کی شرط کو پُورا کرے خواہ مرد ہو یا عورت!

اس کے علاوہ ایک اور بہت بڑا انعام اور صلہ اس دنیا میں ایمان اور عمل صالح کی زندگی رکھنے والوں کو یہ بھی دیا جاتا ہے کہ اللہ تعالےٰ ملک کا انتظام اُن کے سپرد کر دیتا ہے اور نظم و نسق اُن کے ہاتھ میں دیدیا جاتا ہے جس کے بعد وہ اللہ کی زمین کا انتظام اللہ کی مرضی کے مطابق کرتے ہیں اور انتظام میں وہ اللہ کے نائب اور خلیفہ ہوتے ہیں۔ لیکن یہ انعام اور صلہ انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی ہے یعنی ہر فرد کو اس کے ایمان اور عملِ صالح پر یہ صلہ نہیں دیا جاتا، بلکہ اگر کوئی قوم اور جماعت ایمان اور عملِ صالح والی زندگی کو اختیار کرلے تو اللہ تعالےٰ اس قوم اور جماعت کو اس نعمت سے نوازتے ہیں۔

ایمان اور عملِ صالح کے اسی انعام کا وعدہ سورۃ نور میں ان الفاظ میں فرمایا گیا ہے:-

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۔ (النور - ع - ۷)

"اللہ کا وعدہ ہے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائیں اور عمل صالح والی زندگی اختیار کریں کہ ان کو ضرور منتظم اور خلیفہ بنائے گا زمین کا، جیسا کہ اُن سے پہلے گذشتہ اُمتوں کے مومنین صالحین کو خلیفہ بنایا تھا۔"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی سنتِ قدیمہ اور اس کا ازلی قانون ہے کہ اگر دنیا میں ایمان اور عملِ صالح کی زندگی رکھنے والی امّت موجود ہو تو اللہ تعالیٰ زمین کے انتظامِ حکومت کے لئے اُسی کا انتخاب کرتا ہے اور اسی کو اپنی خلافت و نیابت دیتا ہے۔ یہ آیت بتاتی ہے کہ نزولِ قرآن سے پہلے زمانوں میں بھی یہی ہوا اور نزولِ قرآن کے بعد کے دور کے لئے بھی یہی وعدۂ الٰہی اور منشورِ خداوندی ہے۔ سورۂ انبیاء کے آخری رکوع میں اسی خداوندی دستور کا بیان ان الفاظ میں فرمایا گیا ہے :-

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ٥

(الانبیاء ۔ ع ۔ ۷)

"اور ہم لکھ چکے زبور میں نصیحت کے بعد کہ زمین کے وارث ہوں گے اور اس کا انتظام کریں گے، میرے صالح بندے"

ضروری انتباہ

"ان آیتوں سے یہ سمجھنا کہ دنیا میں حکومت صرف صالحین کو ملتی ہے اور کسی گروہ کے ہاتھ میں حکومت کا ہونا اس کے صالح ہونے کی نشانی ہے بڑی گھٹیا درجہ کی غلط فہمی ہے۔ ان آیات کا مفاد جیسا کہ ہم نے بتلایا صرف یہ ہے کہ جب دنیا میں ایمان اور عملِ صالح والی کوئی امت اور جماعت موجود ہو گی تو اللہ تعالیٰ اپنی خاص نصرت اور مدد سے زمین کا اقتدار و انتظام اس کے سپرد کر دے گا اور یہ اُس کے حق میں اللہ تعالیٰ کا انعام اور مزید ترقیات کا باعث ہو گا"

تقویٰ

اللہ و یوم آخرت اور سلسلۂ نبوت پر ایمان کے بعد جن چیزوں کی دعوت قرآن مجید نے زیادہ اہمیت کے ساتھ دی ہے اور جن کو گویا انسان کی فلاح وسعادت کا مدار بتلایا ہے ان میں سے ایک تقویٰ بھی ہے۔

تقویٰ کی اصل حقیقت یہ ہے کہ بندہ اللہ اور یوم آخرت پر یقین رکھتے ہوئے، پھر اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور اس کی پکڑ اور آخرت کے عذاب اور مواخذے سے ڈرتے ہوئے فکر اور احتیاط کے ساتھ زندگی گزارے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی حضرت اُبی بن کعبؓ جو علم قرآن میں خصوصی امتیاز اور مہارت رکھتے تھے (اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کی اس خاص علمی حیثیت کی توثیق فرمائی تھی) ایک دن اُن سے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ "تقویٰ کی حقیقت کیا ہے؟"

حضرت اُبیؓ نے فرمایا کہ "کبھی کانٹوں بھرے کسی راستے پر چلنے کا اتفاق تو آپ کو ضرور ہوا ہوگا؟"

حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔ "کیوں نہیں! بارہا ایسے راستوں پر چلنے کا اتفاق ہوا ہے"۔

حضرت اُبیؓ نے فرمایا کہ "اس وقت آپ نے کیا کیا؟"

حضرت عمرؓ نے فرمایا "میں نے اپنے جسم اور کپڑوں کو سنبھالا اور خوب کوشش کی کہ اپنے جسم اور کپڑوں کو کانٹوں سے بچا کر صحیح سالم نکل جاؤں"۔

حضرت اُبیؓ نے فرمایا "فذالک التقویٰ"[1] (بس یہی تقویٰ کی حقیقت ہے)۔

واقعہ یہ ہے کہ تقویٰ کی کوئی تشریح اس سے بہتر اور بلیغ تر نہیں کی جاسکتی۔

---

[1] ابن کثیر جلد اوّل صنے ؟

قرآن مجید کی جن آیتوں میں تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین اور تاکید فرمائی گئی ہے، ان سب کا تو شمار بھی مشکل ہے۔ صرف چند آیتیں اس سلسلہ کی یہاں پڑھ لیجئے۔

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ٥ (آل عمران ع - ۱۱)

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، جیسا کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے، اور (آخری دم تک اس تقویٰ پر قائم رہتے ہوئے دل و جان سے اپنے اس مالک کی فرمانبرداری کرتے رہو یہاں تک کہ) تم کو اسی فرمانبرداری کی حالت میں موت آئے۔"

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو سب کا پیدا کرنے والا اور پرورش کرنے والا ہے اور جس کے ہاتھ میں زندگی اور موت کا نظام ہے اور بے انتہا بخشش و رحمت کے ساتھ جس کے قہر و جلال کی بھی کوئی حد نہیں ہے ایسے مالک سے بندہ کو جیسا ڈرنا چاہیئے، ایمان والے اس سے ویسا ہی ڈریں، اور زندگی کی آخری سانس تک اس کی فرمانبرداری کرتے رہیں۔

اور سورۂ تغابن میں اسی مضمون کو ان الفاظ میں ادا فرمایا گیا ہے :۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَ اَطِیْعُوْا ۔ (تغابن ع - ۲)

"اللہ سے ڈرو اور تقویٰ اختیار کرو جس قدر بھی تم سے ہو سکے اور دل و جان سے اس کے سارے حکم سنو اور مانو۔"

اور سورۂ حشر میں فرمایا گیا ہے :۔

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ج وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ٥ (حشر ع - ۳)

"اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ہر متنفس کو ضرور دیکھنا (اور سوچنا) چاہیئے کہ اُس نے کل کے لئے (یعنی آخرت کے لئے) کیا سامان کیا ہے، اور (تم کو مکرر تاکید کی جاتی ہے کہ) اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، یہ بالکل قطعی اور یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اگلے پچھلے اعمال سے پوری طرح باخبر ہے (تمہارا کوئی عمل بھی اس سے مخفی نہیں ہے۔")

اور سورۂ مائدہ میں ارشاد ہے :۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ (المائدہ ع-۶)

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کے قرب کا ذریعہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جدوجہد کرتے رہو تاکہ تم کو فلاح نصیب ہو۔"

ان چاروں آیتوں میں تقویٰ کی تاکید ہی پر اکتفا نہیں کیا گیا ہے بلکہ اس کے ساتھ اس کے لوازم اور مقتضیات اختیار کرنے پر بھی پُورا زور دیا گیا ہے۔ چنانچہ پہلی آیت میں "اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ" کے ذریعہ تقویٰ کے حکم کے بعد فرمایا گیا ہے :۔

"زندگی کی آخری سانس تک اپنے پروردگار کی پوری پوری فرمانبرداری کرتے رہو۔"

اور دوسری آیت میں اسی مضمون کو "وَاسْمَعُوا وَاَطِيعُوا" کے الفاظ سے ادا کیا گیا ہے، اور تیسری آیت میں "وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ" کے الفاظ سے ہر شخص کو اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے رہنا اور سفرِ آخرت کے لئے اعمالِ صالحہ کا توشہ تیار کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔

اور چوتھی آیت میں "وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهٖ" کا مطلب بھی یہی ہے کہ جن اعمالِ صالحہ اور جن طاعات و مجاہدات کے ذریعہ اللہ تعالےٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل ہو سکتی ہے، ان کو اختیار کیا جائے اور اس راہ میں پوری پوری جدوجُہد کی جائے۔ اور آخر میں "لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ" فرما کر اہلِ تقویٰ کو فلاح و کامیابی کی بشارت بھی سُنائی گئی ہے جو دُنیا اور آخرت دونوں کی فلاح و کامیابی کی بشارت بھی سنائی گئی ہے، پھر قرآن مجید کی سینکڑوں آیتوں میں اس فلاح و کامیابی کی تفصیل کی گئی ہے جو تقویٰ کی روش اختیار کرنے کی بدولت اللہ تعالےٰ کے متقی بندوں کو دُنیا اور آخرت میں حاصل ہونے والی ہے۔

چند آیتیں اس سلسلہ کی بھی یہاں پڑھ لیجئے! پہلے صرف دو تین وہ آیتیں پڑھئے جن میں اہلِ تقویٰ کو جنت کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔ سورۂ آلِ عمران میں ارشاد ہے :۔

لِلَّذِينَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَا وَأَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ۝ (آل عمران ع-۲)

"جو لوگ تقویٰ کی روش اختیار کریں اُن کے لئے اُن کے رب کے پاس بہشتی باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہ ہمیشہ ان ہی باغات میں رہیں گے اور پاک وصاف بیویاں وہاں اُن کی رفیق ہوں گی اور اللہ تعالےٰ کی رضا سے وہ سرفراز ہوں گے، اللہ اپنے سب بندوں (کے ظاہری و باطنی احوال) پر گہری نظر رکھتا ہے (اس لئے کسی کا متقی یا غیر متقی ہونا اس سے مخفی نہیں رہ سکتا)"

اس آیت میں اہلِ تقویٰ کو جنت اور اس کی نعمتوں کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا بھی مژدہ سنایا گیا ہے جو یقیناً دُنیا اور آخرت کی ساری نعمتوں سے بلند تر ہے۔ خود قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے :-

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۔ (سورۃ توبہ ع - ۹)

اور سورۂ نحل میں ارشاد فرمایا گیا ہے :-

وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ ۝ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ۝ (نحل ع - ۴)

"اور متقیوں کا ٹھکانہ کیا ہی اچھا ٹھکانہ ہے، غیر فانی اور سدا بہار بہشت کے باغات جن میں وہ داخل ہوں گے، ان کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، وہاں اُن کے لئے وہ سب کچھ مہیا ہو گا جو وہ چاہیں گے۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ متقیوں کو (ان کے تقویٰ کا) بدلہ دے گا"

اور سورۂ قمر میں ارشاد فرمایا گیا ہے :-

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ۝ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ۝ (قمر ع - ۳)

"جن بندوں نے دُنیا میں تقویٰ کا رویہ اختیار کیا وہ (آخرت میں) باغات اور نہروں میں رہیں گے، ایک عمدہ مقام میں کامل اقتدار رکھنے والے کائنات کے حقیقی بادشاہ کے قرب میں"

اللہ اللہ! کیا نصیب اُن بندوں کے جن کو جنت میں ہر قسم کی دوسری نعمتوں کے ساتھ اپنے مالک کا قُربِ خصوصی بھی حاصل ہو گا۔

ان آیتوں میں تو اہلِ تقویٰ کو صرف اُن انعامات کی خوشخبری سنائی ہے جن سے وہ

مرنے کے بعد عالمِ آخرت میں نوازے جائیں گے۔ اب چند آیتیں وہ بھی پڑھ لیجیے جن میں ان متقی بندوں کو آخرت کی جنت و مغفرت کے علاوہ اور اس سے پہلے اس دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کے فضلِ خاص کی بشارت سنائی گئی ہے۔ سورۂ انفال میں ارشاد فرمایا گیا ہے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝ (انفال ع-۴)

"اے ایمان والو! اگر تم تقویٰ کا رویہ اختیار کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو اپنے خاص فضل سے ایک امتیازی قوت اور امتیازی شان بخشے گا اور تم سے تمہاری برائیاں دور کر دے گا، اور تم کو بخش دے گا اور اللہ بڑا فضل کرنے والا ہے"۔

اس آیت میں جو "فُرْقَانًا" کا لفظ ہے (جس کا مطلب ہم نے یہاں "امتیازی قوت اور امتیازی شان" کے الفاظ سے ادا کرنا چاہا ہے) دراصل اس کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے، تقویٰ کا رویہ اختیار کرنے والے بندوں کے قلوب کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق و باطل کی معرفت کی جو ایک خاص صلاحیت عطا ہوتی ہے اور ان کی زندگی میں جو ایک نمایاں امتیاز ہوتا ہے جس کی وجہ سے اُن کی ہیبت و عظمت قلوب میں پیدا ہوتی ہے، اور پھر اللہ تعالیٰ کی خاص مدد جو اُن کے ساتھ ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے بلند مقاصد میں معجزانہ قسم کی کامیابی حاصل کرتے ہیں، فرقان کے مفہوم میں دراصل یہ سب کچھ داخل ہے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے متقی بندوں کو یہ سب ہی کچھ اس دنیا میں عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے اور اسی کے ساتھ گناہوں کی معافی اور بخشش کا بھی جس کا تعلق عالمِ آخرت سے ہے۔

اور سورۂ اعراف میں ارشاد فرمایا گیا ہے :-

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۝ (الاعراف ع ۱۰)

"اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لاتے اور تقویٰ کا رویہ اختیار کرتے تو ہم زمین و آسمان سے ان پر برکتوں کے دروازے کھول دیتے"۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی اس سُنت اور اس قانون کا اعلان فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی ملک

اور کسی علاقہ کے لوگ ایمان اور تقویٰ والی زندگی اختیار کریں تو اللہ تعالےٰ کی طرف سے اُن پر برکتوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، پھر جن نعمتوں کا تعلق آسمان سے ہے' وہ ان پر آسمان سے برستی ہیں اور جن کا تعلق زمین سے ہے وہ زمین سے اُن کے لئے اُبلتی ہیں۔ اور سورۂ طلاق میں اہلِ تقویٰ کے ساتھ اللہ تعالےٰ کے اسی خاص فضل و کرم کو ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے :۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ

(الطلاق ع-۱)

"اور جو لوگ تقویٰ کا رویہ اختیار کریں اُن کے واسطے اللہ تعالےٰ مشکلات اور سختیوں سے نجات کی راہ پیدا کر دیتا ہے اور اُن کو اُن طریقوں سے رزق دیتا ہے جن کا اُن کو گمان بھی نہیں ہوتا"۔

اور سورۂ یونس میں" اہلِ تقویٰ کو" اللہ کے دوست" قرار دے کر اُن کو دُنیا اور آخرت میں سرفرازی کی بشارت سنائی گئی ہے۔

ارشاد ہے :۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ ۝

(یونس ع-۷)

"یاد رکھو کہ جو اللہ کے دوست ہیں انہیں کوئی خوف و غم نہ ہوگا، وہ لوگ وہ ہیں جو ایمان لائے اور تقویٰ کا رویہ انہوں نے اختیار کیا۔ اُن کے لئے خاص خوشخبری ہے دُنیا کی زندگانی میں بھی اور آخرت میں بھی"۔

اس آیت میں اہلِ تقویٰ کو "اولیاء اللہ" (اللہ کے دوست) کہا گیا ہے جو یقیناً ان کا بہت ہی بڑا اکرام و اعزاز ہے۔ لیکن اس سے بھی بڑا اعزاز اُن کا یہ ہے کہ ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنی ذات پاک کو ان کا دوست بتلایا ہے۔

سورۂ جاثیہ میں ارشاد ہے :۔

وَاللّٰهُ وَلِىُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ (جاثیہ ع-۲)

"اور اللہ دوست ہے تقویٰ والوں کا"۔
اسی طرح سورۂ نحل کی آخری آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی پاک ذات کو متقیوں کا رفیق اور ساتھی بتلایا ہے۔ ارشاد ہے :۔

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ ۝ (نحل ع-۱۶)

"اللہ اپنے ان بندوں کے ساتھ (اور ان کا رفیق) ہے جو متقی اور نیکوکار ہیں"۔
بلاشبہ کسی بندے کے لئے اس سے بڑا کوئی اعزاز نہیں ہو سکتا کہ اس کا مالک و مولا اس کے بارے میں فرمائے کہ ہم اس کے دوست، اس کے رفیق اور اس کے ساتھ ہیں ؏
"کیا نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے"

تقویٰ ہی اصل نیکی اور عمل صالح کی روح ہے

قرآن مجید تقویٰ ہی کو نیکی کی اصل و اساس اور سارے اعمال کی روح قرار دیتا ہے۔ سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے :۔

وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰی ج (بقرہ ع-۲۴)

"لیکن نیکی کی حقیقت تو بس یہ ہے کہ کوئی اللہ سے ڈرے اور تقویٰ اختیار کرے"۔
اور سورۂ حج میں قربانی کا حکم دینے کے بعد ارشاد فرمایا کہ :
"تمہاری قربانیوں کا گوشت اور خون اللہ کو مطلوب نہیں ہے اور نہ وہ اس کے پاس پہنچتا ہے بلکہ دل کا جو جذبہ اور جو کیفیت قربانی کے حکم کی تعمیل کراتی ہے یعنی تقویٰ بس وہ مطلوب ہے اور وہی اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچتا ہے اور قبول ہوتا ہے اور وہی گویا عمل کی روح ہے"۔

لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلَا دِمَآءُھَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ۔ (الحج ع-۵)

"تمہاری قربانیوں کا گوشت اور خون اللہ کو نہیں پہنچتا، اس کے حضور جو کچھ پہنچتا ہے وہ تمہارے دلوں کا "تقویٰ" ہے"۔
اسی لئے ایک اور موقع پر فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی عمل کو قبول کرتا ہے جس کے کرنے والے میں تقویٰ ہو اور اس نے وہ عمل تقویٰ کی صفت کے ساتھ کیا ہو یعنی اللہ کی رضا جوئی

اور آخرت کی فکر اس عمل کی محرک ہو۔ ارشاد ہے :-

اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ (مائدہ ع - ۵)

"اللہ تقویٰ والوں ہی کے عمل قبول کرتا ہے"۔

قرآن مجید میں تقویٰ کی تعلیم و دعوت ترغیبی انداز میں بھی دی گئی ہے اور ترہیبی انداز میں بھی، یعنی بہت سے مقامات پر تو مغفرت و رحمت اور جنت و رضائے الٰہی کی جیسی خوشخبریاں سنا کر تقویٰ پر ابھارا گیا ہے اور بہت سی آیتوں میں اسی طرح قیامت اور آخرت کے ہولناک مناظر کا ذکر کر کے انسان کے دل میں تقویٰ اور خوفِ خدا پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ پہلے چند ترہیبی آیتیں پڑھئے :-

سورۂ حج میں ارشاد ہے :-

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ۝ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّاۤ اَرْضَعَتْ وَ تَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَ تَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَ مَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَ لٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ۝

(الحج - ع - ۱)

"اے آدم کے فرزندو! اپنے پروردگار سے ڈرو، یقین کرو کہ قیامت کا بھونچال بڑا ہی سخت حادثہ ہوگا۔ جس دن وہ قیامت تمہارے سامنے آ جائے گی اور تم (اس کے ہیبت ناک مناظر دیکھو گے) تو حالت یہ ہوگی کہ کسی کو کسی کا ہوش نہ رہے گا یہاں تک کہ ننھے بچے کو دودھ پلانے والی ماں اپنے اس بچے کو بھول جائے گی اور حمل والیوں کے حمل ساقط ہو جائیں گے اور تم دیکھو گے سب لوگوں کو نشہ کی سی حالت میں بے ہوش اور وہ کسی نشہ سے بے ہوش نہ ہوں گے مگر اللہ تعالےٰ کا عذاب بڑا ہی سخت ہے۔ (اس ہولناکی اور دہشت سے ان کا یہ حال ہوگا)

اور سورۂ لقمان کے آخر میں ارشاد ہے :-

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَ اخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۫ وَ لَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ٙ وَ لَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝ (لقمان ع - ۴)

"اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو اور اُس دن سے ڈرو جس دن کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے کوئی مطالبہ ادا نہیں کر سکے گا اور نہ کوئی بیٹا اپنے ماں باپ کی طرف سے کسی مطالبہ کی ادائیگی کرے گا (بلکہ ہر ایک کو اپنی ہی فکر ہوگی) یقین کرو کہ اللہ کا وعدہ بالکل حق اور اٹل ہے۔ پس یہ دنیوی زندگانی تم کو دھوکہ میں نہ ڈالے اور اسی طرح دھوکہ باز شیطان اللہ کی طرف سے تم کو کسی فریب میں مبتلا نہ کر دے"۔

ان دونوں آیتوں میں تو تقویٰ اور خوفِ خدا دلوں میں پیدا کرنے کے لئے قیامت اور آخرت کے شدائد اور ہولناک مناظر کا بیان کیا گیا ہے (اور بلاشبہ یہ ایسا بیان ہے کہ اگر کسی دل میں اس کو سن کر بھی خدا کا خوف اور آخرت کی فکر پیدا نہ ہو تو بلاشبہ وہ دل پتھر کا ہے) اور بہت سی دوسری آیات میں اللہ تعالےٰ کی عظمت اور اس کے قہر و غضب کا ذکر کر کے بھی دلوں میں تقویٰ پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

مثلاً سورۂ بقرہ ہی میں ارشاد ہے :۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ (البقرہ - ع - ۲۴)

"اور ڈرو اللہ سے اور یقین جانو کہ (مجرموں کو) اللہ بڑی سخت سزا دینے والا ہے"۔

اسی طرح سورۂ مائدہ کے پہلے ہی رکوع میں فرمایا گیا ہے :۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ (مائدہ ع - ۱)

"اور ڈرو اللہ سے، یقیناً اللہ (مجرموں کو) سخت عذاب دینے والا ہے"۔

اور چند آیتوں کے بعد فرمایا گیا ہے :۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ (المائدہ ع - ۲)

"اور ڈرو اللہ سے، یقیناً اللہ سینوں کے چھپے ہوئے راز بھی جانتا ہے۔

اور اس سے اگلی ہی آیت میں پھر فرمایا گیا ہے :۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (المائدہ ع - ۲)

"اور اللہ سے ڈرو، یقیناً اللہ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے"۔

بعض مقامات پر تقویٰ کی تعلیم و تلقین کے لئے یہ عنوان بھی اختیار فرمایا گیا ہے کہ :۔

"اللہ کے بندو اللہ سے ڈرو! تم کو اس کے حضور حاضر ہونا ہے"۔

مثلاً سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے :-

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ (البقرہ ع - ۲۵)

"اور ڈرو اللہ سے اور یقین جانو کہ تم سب اُس کے سامنے جمع کیے جاؤ گے"۔

پھر دو رکوع کے بعد اسی سورۂ بقرہ میں فرمایا گیا ہے :-

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ۔ (البقرہ ع - ۲۸)

"اور اللہ سے ڈرو اور یقین جانو کہ تم سب اُس کے سامنے حاضر ہونے والے ہو"۔

ان سب آیتوں میں تو ترہیبی انداز میں تقویٰ کی تعلیم اور تلقین فرمائی گئی ہے، اب چند آیتیں وہ بھی پڑھیے جن میں ترغیبی انداز میں یعنی مغفرت و رحمت اور جنت و رضائے الٰہی کی خوشخبریاں سُنا سُنا کر تقویٰ پر اُبھارا گیا ہے۔

سورۂ نساء میں ایک موقع پر ارشاد فرمایا گیا ہے :-

وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (النساء ع - ۱۱)

"اور اگر تم اصلاح اور تقویٰ کا رویہ اختیار کرو تو اللہ تعالےٰ بہت بخشنے والا اور نہایت ہی مہربان ہے (وہ تمہارے ساتھ مغفرت اور رحمت ہی سے پیش آئے گا)"۔

اور سورۂ حجرات میں فرمایا :-

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ۝ (الحجرات ع - ۲)

"اللہ سے ڈرو اور تقویٰ اختیار کرو، اللہ بہت عنایت فرمانیوالا اور نہایت مہربان ہے"۔

اور اسی سورہ میں فرمایا :-

وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ (الحجرات ع - ۱)

"اللہ سے ڈرو اور تقویٰ کی روش اختیار کرو تاکہ تم پر تمہارے مالک کی رحمت ہو"۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ تقویٰ کے لئے مغفرت و رحمت کے علاوہ اپنی محبت اور اپنے پیار کا بھی وعدہ فرمایا ہے۔

سورۂ آلِ عمران میں ارشاد ہے :-

بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ (آلِ عمران ع - ۸)

"ہاں جو پورا کریں عہد اور تقوےٰ کا رویہ اختیار کریں تو اللہ تعالےٰ ان متقی بندوں سے

محبت اور پیار کرتا ہے "۔

اسی طرح سورۂ توبہ میں ارشاد ہے :۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ (توبہ ۔ ع ۔ ۱)

"یقیناً اللہ کا پیار ہے اپنے متقی بندوں پر "۔

ان آیتوں میں اہلِ تقویٰ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جس محبت اور رحمت کی خبر دی گئی ہے اس کا اصل ظہور تو عالم آخرت ہی میں ہوگا جو دراصل جزا کا عالم ہے لیکن قرآن مجید ہی نے بتلایا ہے کہ کسی درجے میں اس کا ظہور اس دنیا میں بھی ہوتا ہے۔ اس مضمون کی چند آیتیں چند ہی ورق پہلے ناظرین کرام پڑھ چکے ہیں۔ ایک آیت یہاں اور پڑھ لی جائے :۔

سورۂ آلِ عمران میں ارشاد ہے :۔

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝ (آل عمران ۔ ع ۔ ۱۲)

"اور اگر تم صبر و استقلال اور تقویٰ کے ساتھ رہو تو تمہارے ان دشمنوں کی چالوں، (اور اُن کے خفیہ واروں) سے تم کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا (کیونکہ پھر اللہ تعالیٰ تمہارا محافظ اور مددگار رہو گا) اور وہ دشمن جو کچھ کرتے ہیں (اور تمہیں نقصان پہنچانے کے لئے جو خفیہ چالیں چلتے ہیں) اللہ تعالےٰ اس سب کو جانتا ہے اور سب اس کے بس میں ہے "۔

گویا اللہ تعالےٰ کی طرف سے وعدہ اور بشارت ہے کہ اللہ تعالےٰ کے جو بندے صبر اور تقویٰ کی روش اختیار کریں گے اُن کے دشمنوں کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ ان کا حامی اور مددگار ہوگا اور ان کی بدخواہیوں اور بداندیشیوں سے اُن کی حفاظت فرمائے گا۔

اہلِ تقویٰ کو ایک خوشخبری قرآن مجید یہ بھی سناتا ہے کہ موت کے وقت اُن کی روح خوش و خرم ہوتی ہے اور قبضِ روح کے لئے جو فرشتے اُن کے پاس آتے ہیں وہ اُن کو پہلے سلام کرکے جنت کی خوشخبری سناتے ہیں۔

سورۂ نحل میں اہلِ تقویٰ کو آخرت میں جنت اور اُس کی نعمتوں اور لذتوں کی خوشخبری سنانے کے بعد فرمایا گیا ہے :۔

كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ○ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ○ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ (نحل ع - ۴)

"اللہ تعالےٰ ایسی ہی جزا دے گا متقیوں کو، وہ متقی بندے جن کی روح قبض کرتے ہیں فرشتے اس حالت میں کہ وہ خوش ہوتے ہیں، کہتے ہیں اُن سے تمہارے لئے تمہارے رب کی طرف سے سلامتی ہے (اور اس کا تمہارے لئے فرمان اور فیصلہ ہے کہ) پہنچ جاؤ اس کی تیار کی ہوئی جنت میں اپنے اعمال کے سبب سے"۔

نیز قرآن مجید ہی کا بیان ہے کہ اسی طرح آخرت میں جنت کے داخلہ کے وقت بھی وہ فرشتے جو جنت کے نگران مقرر ہیں اہلِ تقویٰ کا استقبال بڑے اکرام اور اعزاز سے کریں گے اور ان کو سلام کرکے اور مبارکباد دے کر اللہ تعالےٰ کے انعامات کی بشارتوں سے اُن کو شاد کریں گے۔

پڑھئے سورۂ زمر کے آخری رکوع کی یہ آیت :۔

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ○

(زمر۔ ع - ۸)

"اور لے جائے جائیں گے متقی بندے جنت کی طرف گروہ در گروہ یہاں تک کہ جب وہ جنت کے پاس پہنچیں گے اور اس کے دروازے کھولے جائیں گے اور اس کے داروغہ اُن سے کہیں گے سلام ہو تم پر، تم لوگ پاکیزہ ہو، پس داخل ہو جاؤ اس میں سدا رہنے کے لئے"۔

فرشتوں کی طرف سے یہ سلامی اور مبارکباد لیتے ہوئے اللہ کے یہ متقی بندے اس جنت میں داخل ہوں گے جو اللہ تعالےٰ نے انہی کے لئے سجائی اور بنائی ہے (اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ) اور اس وقت اُن کی زبانوں پر اپنے مالک کی حمد و شکر کا یہ ترانہ ہوگا :۔

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ۔ (زمر ع - ۸)

"تمام تر تعریف ہے اُس خدا کے واسطے جس نے پورا کیا ہم سے اپنا وعدہ اور وارث بنایا

ہم کو اس زمین کا کہ ہم ٹھکانہ بناتے ہیں جنت میں جہاں چاہیں "

پھر جنت میں اللہ تعالیٰ کے ان متقی بندوں کو جو نعمتیں اور جو راحتیں اور لذتیں عطا فرمائی جائیں گی حق تو یہ ہے کہ اس دُنیا میں اُن کا صحیح علم بھی کسی کو نہیں ہو سکتا، تاہم ہم نے چند صفحے پہلے جو دو چار آیتیں اس مضمون کی درج کی ہیں اُن سے جو کچھ اجمالی اندازہ ہو سکتا ہے اہلِ ایمان میں جنت کا شوق اور اس کی طلب و تڑپ پیدا کرنے کے لئے بلاشبہ وہ بھی کافی ہے۔ اس سلسلے میں سورۂ صٓ کی یہ آیت پڑھ کر بھی اپنی ایمانی روح کو تازہ کر لیا جائے۔

وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰب ٥ جَنّٰتُ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَاب ٥ مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَاب ٥ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَاب ٥ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَاب ٥ اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ٥ (صٓ۔ ع۔ ۴)

"اور یقیناً متقیوں کے لئے ہے اچھا ٹھکانہ باغ ہیں غیر فانی، کُھلے ہوئے ہیں اُن کے لئے دروازے، بیٹھے ہیں ان میں تکیہ لگائے، منگاتے ہیں میوے اور شربت اور ان کے پاس عورتیں ہیں نیچی نگاہ والیاں، سب ایک عمر کی۔ یہ ہے وہ (انعام) جس کا وعدہ کیا جا رہا ہے تم سے روزِ حساب کے لئے، بے شک یہ ہے ہمارا رزق جس کو کبھی نبٹرنا نہیں "

قرآن مجید نے تقویٰ کی تعلیم و ترغیب اور اُس کے فضائل و برکات اور اس پر دنیا اور عقبیٰ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعامات اور بشارتیں سنانے کے ساتھ ایک نہایت اہم اعلان تقویٰ کے بارے میں یہ بھی فرمایا ہے کہ:

"بندوں کی چھوٹائی بڑائی اور اُن کی پستی اور بلندی کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک معیار بس تقویٰ ہی ہے "

پس جو تقویٰ میں جتنا اُونچا اور جس قدر ممتاز ہے اللہ تعالیٰ کی نگاہ اور اس کی سرکار میں وہ اتنا ہی اونچا اور اتنا ہی ممتاز ہے اور جو تقویٰ میں جتنا ناقص، جتنا ہیٹا اور جتنا گھٹیا ہے، وہ اللہ کی نگاہ اور اُس کی سرکار میں اتنا ہی ناقص، گھٹیا اور بے قیمت ہے۔ سورہ حجرات میں ارشاد ہے :-

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ۔ (الحجرات ع ۔ ۲)

"اللہ کے یہاں تم میں زیادہ باعزت وہ ہے جو تقویٰ میں بڑا ہے"۔

اور اس کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ تقویٰ ہی بندے کی وہ صفت ہے جو اس کو ان معاصی اور منکرات سے روکتی ہے جن سے رُکنے ہی میں اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور وہی اُن اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ حسنہ کو پیدا کرتی ہے جن سے اللہ تعالیٰ کی رضا وابستہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ اٰتِ نُفُوْسَنَا تَقْوٰاهَا وَزَكِّهَا اَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكّٰهَا اَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا ۔

تقویٰ کی نشانیاں اور اہلِ تقویٰ کے اوصاف

جیسا کہ پہلے تفصیل سے بتایا جاچکا ہے تقویٰ دراصل دل کی ایک خاص کیفیت کا نام ہے۔ پھر اُس کیفیت کے دل میں ہونے سے آدمی احتیاط اور پرہیزگاری کی جو زندگی گزارتا ہے اُس کو بھی تقویٰ کہہ دیا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں مختلف مقامات پر اس کی بھی وضاحت کی گئی ہے کہ انسان کی عملی زندگی پر تقویٰ کے کیا اثرات ہوتے ہیں؟ اور اہلِ تقویٰ کی خاص علامات اور نشانیاں کیا ہیں، چند آیتیں اس سلسلہ کی بھی پڑھ لیجئے۔

سورۂ بقرہ کے بالکل شروع ہی میں ارشاد ہے:۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (بقرہ ع ۔ ۱)

"یہ کتاب (قرآن مجید) ہدایت ہے متقی بندوں کے واسطے (وہی اس سے نفع اُٹھائیں گے یہ متقی بندے وہ ہیں جن کا حال یہ ہے کہ) وہ بن دیکھی باتوں پر ایمان لاتے ہیں اور خوب اچھی طرح نماز ادا کرتے ہیں اور ہم نے اُن کو جو کچھ دیا ہے اس میں سے (ہماری راہ میں بھی) خرچ کرتے ہیں"۔

یہاں اہلِ تقویٰ کی موٹی موٹی تین علامتیں بیان کی گئی ہیں:۔

"ایک اللہ کے رسول کی تبلائی ہوئی اُن غیبی حقیقتوں کو دل سے ماننا اور اُن پر ایمان لانا جن کو آدمی بطورِ خود نہیں جان سکتا (مثلاً اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات، قیامت و

آخرت اور جنت دوزخ وغیرہ) دوسرے نماز اچھی طرح ادا کرنا اور تیسرے اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے اس کے حکم کے مطابق اس کی راہ میں خرچ کرنا۔

پس جس شخص میں ان میں سے کوئی ایک بات نہ پائی جائے سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کا دل تقویٰ سے خالی ہے۔ پھر اسی سورۂ بقرہ میں آگے ایک موقع پر فرمایا گیا ہے:-

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○ (البقرہ ع - ۲۲)

"اصل نیکی کرنے والے (جن کی اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں قدر و قیمت ہے) وہ بندے ہیں جو ایمان لائے سچے دل سے اللہ پر اور یوم آخر پر اور ملائکہ پر اور اللہ کی کتاب پر اور نبیوں پر اور اپنا محبوب مال انہوں نے اللہ کی محبت میں (اس کے حکم کے مطابق) دیا، اپنے (صاحبِ حاجت) اہلِ قرابت کو اور عام یتیموں، مسکینوں کو اور (ضرورتمند) مسافروں اور سائلوں کو، اور (خرچ کیا) غلاموں کی رہائی میں، اور اچھی طرح قائم کی انہوں نے نماز، اور ادا کی زکوٰۃ اور پورا کرنے والے اپنے عہد کو جبکہ کسی سے کوئی عہد کریں اور صبر کرنے والے تنگی اور تکلیف مصیبت کے وقت اور حق و باطل کی جنگ میں یہی ہیں راستباز اور متقی بندے"

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ راست باز اور متقی وہ لوگ ہیں جن میں تقویٰ کے یہ آثار و نشانیاں پائی جائیں، وہ ایمان رکھتے ہوں اللہ پر اور یوم آخرت پر اور اللہ کے فرشتوں اور اللہ کی کتابوں پر اور نبوت کے پورے سلسلے پر اور مال کی محبت اور چاہت کے باوجود اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے وہ اس کو بے دریغ خرچ کرتے ہوں۔ اپنے حاجت مند قرابت داروں پر، عام مسکینوں یتیموں پر اور ضرورتمند مسافروں اور سائلوں پر، اور اللہ کے بندوں کو قیدِ غلامی سے آزاد کرانے پر۔ نیز وہ پوری فکر کے ساتھ نماز اور زکوٰۃ ادا کرنے والے ہوں، زبان کے سچے اور وعدہ کے پکے ہوں اور اللہ کے حکم کے مطابق اور اس کی راہ میں تنگیاں اور سختیاں جھیلنے والے اور حق پر مضبوطی سے قائم رہنے والے ہوں۔ اور سورۂ آلِ عمران میں ارشاد فرمایا گیا ہے:-

وَسَارِعُوْا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۠ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ (آل عمران ع ۱۴)

"لوگو! تیزی سے بڑھو اور دوڑو اپنے پروردگار کی بخشش اور وسیع جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان اور زمین جیسی ہے وہ ان متقی بندوں کے لئے تیار کی گئی ہے (جن کی سیرت یہ ہے کہ) وہ راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں، خوشحالی میں بھی اور تنگی اور تکلیف میں بھی، اور جو آپس کے اختلافات و نزاعات میں غصّے کو پی جاتے ہیں اور دوسرے لوگوں کے قصور معاف کر دیتے ہیں اور اللہ تعالےٰ ایسے نیکوکار بندوں سے محبت کرتا ہے۔ اور (وہ بندے بھی متقیوں ہی میں شامل ہیں اور جنت کے وہ بھی مستحق ہیں) جن کا حال یہ ہے کہ اگر کبھی اتفاق سے کوئی شرمناک بات ان سے سرزد ہو جاتی ہے یا کسی گناہ کا ارتکاب کر کے وہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو معاً اللہ اُنہیں یاد آجاتا ہے، پھر وہ اُس سے اپنے گناہوں اور قصوروں کی معافی چاہتے ہیں۔ اور کون ہے سوا اللہ کے جو بخشے گناہوں کو۔ (اور پھر وہ اس گناہ سے باز رہتے ہیں۔) اور دیدہ و دانستہ اس پر اصرار نہیں کرتے (اور اس کو اپنی عادت نہیں بناتے)۔"

اس آیت میں اہلِ تقویٰ کی علامات اور صفات یہ بیان کی گئی ہیں کہ وہ خوشی اور راحت اور تکلیف و مصیبت دونوں حالتوں میں خدا کو یاد رکھتے اور اُس کے احکام کے مطابق اُس کی راہ میں اپنا کمایا ہُوا روپیہ خرچ کرتے ہیں اور اپنے ذاتی معاملات میں غصہ کو پی جانیوالے اور قصوروں کو معاف کر دینے والے ہوتے ہیں۔ آگے فرمایا گیا ہے کہ :-

"اور جن لوگوں کا حال یہ ہے کہ اگر کبھی شیطان کے دھوکے یا نفس کے فریب میں آکر ان سے کوئی ناشائستہ حرکت یا کوئی معصیت سرزد ہو جاتی ہے تو انہیں اللہ اور اس کا عذاب یاد آجاتا ہے اور پھر وہ سچے دل سے اس سے معافی مانگتے ہیں اور گناہ کو وہ عادت نہیں بناتے وہ بھی متقیوں ہی میں شمار ہیں"۔

اور یہی آخری بات سورۂ اعراف میں ان الفاظ میں بیان فرمائی گئی ہے :-

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ○

(الاعراف - ع - ۲۴)

"جن بندوں کے دلوں میں تقویٰ ہوتا ہے اُن کا حال یہ ہوتا ہے کہ جب کبھی شیطان کی طرف سے کوئی چوکہ اُن کو لگتا ہے (اور وہ خبیث اُن پر کمند ڈالتا ہے) تو فوراً ہی ان میں چونک پیدا ہوتی ہے اور اُن کی ایمانی بصیرت بیدار ہو جاتی ہے (اور پھر وہ اُس کے جال سے نکل جاتے ہیں۔")

اور سورۂ حج میں تقویٰ کا ایک خاص اثر یہ بتلایا گیا ہے کہ جس دل میں تقویٰ ہوگا وہ اللہ تعالےٰ سے تعلق رکھنے والی تمام چیزوں کا بہت ادب اور اُن کی بہت تعظیم کرے گا۔ جیسے اللہ کی کتاب، اللہ کے رسول، اللہ کی مسجدیں، خاص کر خانۂ کعبہ، اسی طرح اللہ کے نام اور اللہ والوں کا وہ ادب کرے گا۔ الغرض اللہ تعالےٰ سے تعلق رکھنے والی تمام چیزوں کی علیٰ فرقِ مراتب تعظیم اور ان کا ادب کرنا بھی تقویٰ کے خاص آثار و علامات میں سے ہے۔ ارشاد ہے :-

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ○ (الحج ع - ۴)

"اور جو بندے تعظیم کریں اللہ کے شعائر کی (یعنی اس سے خاص نسبت رکھنے والی چیزوں کی) تو اُن کا یہ ادب و تعظیم کا رویہ ان کے دلوں کے تقویٰ کا نتیجہ ہے"۔

اور اسی بناء پر سورۂ حجرات میں بارگاہِ نبوی کا ادب کرنے والوں کے متعلق ارشاد فرمایا گیا :-

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ○ (الحجرات ع - ۱)

"جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں (از راہِ ادب) دبی آواز سے بولتے ہیں وہی وہ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے جانچ کر انتخاب کر لیا ہے تقویٰ کے لئے ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی معافی ہے اور ثوابِ عظیم ہے"۔

الغرض ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب اور اسی طرح اللہ تعالےٰ سے خاص تعلق و نسبت رکھنے والی ہر چیز کی تعظیم تقویٰ کے لازمی اثرات میں سے ہے جو بے ادب اور بیباک اس سے محروم ہیں ان کے دلوں کو تقویٰ کا کوئی ذرہ بھی نصیب نہیں۔

تقویٰ کے آثار اور اہلِ تقویٰ کے اوصاف کے سلسلہ میں اب صرف ایک آیت اور پڑھ لیجئے سورۂ ذٰریٰت میں اہلِ تقویٰ کو جنت اور نعمہائے جنت کی خوشخبری سناتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے :۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ۝ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۝ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ (الذاریٰت ع-۱)

"یقیناً ہمارے متقی بندے بہشتی باغات میں اور خوش منظر رواں چشموں میں رہیں گے، اُن کا پروردگار جو خاص نعمتیں اُن کو دے گا وہ اُن کو (اپنے ہاتھوں سے) وہاں لیں گے، یہ بندے پہلے سے تھے اچھے کام کرنے والے، راتوں کو یہ تھوڑا سوتے تھے (اور زیادہ وقت نماز اور ذکر و دُعا وغیرہ عبادات میں گزارتے تھے) اور سحر کے وقتوں میں پھر اللہ تعالیٰ سے معافی اور بخشش کی دُعائیں مانگتے تھے اور اُن کے مالوں میں حصّہ تھا ضرورت مند سائلوں اور ہارے ہُوئے آفت رسیدوں کا"

اس آیت سے معلوم ہُوا کہ تقویٰ کے خاص آثار میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی رات کو کم سوئے اور اُس کی راتوں کا زیادہ حصّہ اللہ کی یاد اس کی عبادت اور دُعا و استغفار میں گزرے اور اُس کے بعد بھی وہ مطمئن اور بے فکر نہ ہو، بلکہ رات اس طرح گزارنے کے باوجود اپنے کو خطاکار اور قصوروار سمجھتے ہُوئے سحر کے وقت اپنے اللہ سے معافی اور بخشش ہی کا سوال کرے۔ اور اپنی دن کی کمائی میں ضرورت مند سائلوں اور ایسے بے دست و پا بندوں کو حصّہ دار بنائے جو کسی مرض یا کسی اور آفت کی وجہ سے ضروریات کے محتاج ہو گئے ہوں۔

ان سب آیتوں کو جمع کرنے سے تقویٰ والی زندگی کی ایک مکمل تصویر تیار ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے قلوب کو تقویٰ کے نُور سے منوّر فرماتے اور ہماری زندگیوں کو متقیوں والی زندگی بنائے اور ہمارے ساتھ چلنے والوں اور ہماری آئندہ نسلوں کو بھی تقویٰ نصیب فرمائے۔

وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۝

٭

خُدا کی عبادت

تمام ادیان و مذاہب کا جن چند بنیادی باتوں پر اتفاق ہے اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان کو اللہ تعالےٰ کی عبادت کرنی چاہیئے۔ عبادت سے مُراد خاص وہ اعمال ہوتے ہیں جن کو بندہ اللہ تعالےٰ کے حضور میں اس کی رضا اور رحمت کا طالب بن کر اپنی بندگی اور سرافگندگی ظاہر کرنے کے لئے اور اپنے عمل سے اُس کی معبودیت اور عظمت و کبریائی کی شہادت ادا کرنے کے لیے کرتا ہے۔ جیسے اسلام میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقات ذکر، دُعا، تلاوت اور قربانی وغیرہ۔ یہ سارے عبادتی اعمال بندہ صرف اس لئے کرتا ہے کہ اس کا معبود اس سے راضی ہو، اس پر رحمت فرمائے اور اُن کے ذریعہ اُس کی رُوح کو پاکیزگی اور خدا کا تقرب حاصل ہو۔

انسان کے اچھے اعمال میں صرف عبادات ہی کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کا تعلق براہِ راست صرف اللہ سے ہوتا ہے یعنی عبادت صرف اس کی رضا و رحمت حاصل کرنے اور اس کے سامنے اپنی بندگی کے اظہار اور رشتۂ عبودیت کو استوار کرنے ہی کے لئے کی جاتی ہے، اور مٹی سے بننے والے اور گندے پانی کے ناپاک قطرہ سے پیدا ہونے والے انسان کو اسی کے ذریعہ اللہ تعالےٰ کا وہ تقرب وہ رابطہ اور وہ حضوری حاصل ہوتی ہے جو دراصل ساکنین ملارِ اعلیٰ کا حصہ ہے۔ اسی لئے تمام ادیان نے اپنے ماننے والوں سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کا مطالبہ کیا ہے اور اس کو انسان کا مقدس ترین عمل قرار دیا ہے۔

عبادات کی تین۳ قسمیں کی جا سکتی ہیں :-

خالص جسمانی، خالص مالی یا دونوں سے مرکب۔

خالص جسمانی : وہ عبادات ہیں جن میں روپیہ خرچ نہیں ہوتا بلکہ ان کا تعلق صرف انسان کے جسم سے ہوتا ہے جیسے اللہ کے حضور میں سجدہ کرنا، نماز پڑھنا، روزہ

رکھنا، اللہ کے گھر کا طواف کرنا۔

اور خالص مالی سے مراد وہ عبادات ہیں جو اللہ کی راہ میں صرف مال خرچ کرکے ادا کی جاتی ہیں اور ان میں کوئی خاص جسمانی عمل نہیں کرنا پڑتا جیسے صدقہ وخیرات کرنا اللہ کے لئے کوئی نذر مان کر اس کو ادا کرنا، قربانی کرنا وغیرہ وغیرہ۔

اور مرکب وہ عبادات ہیں جن کی ادائیگی میں جسم اور مال دونوں کا استعمال ہوتا ہے جیسے کہ حج اور عمرہ۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے دُنیا میں جتنے پیغمبر مختلف زمانوں میں آئے اور جتنی کتابیں بھی نازل ہوئیں ان سب کے ذریعے بندوں کو ان عبادات کا حکم دیا گیا ہے زمانے کے حالات اور اُمتوں کے احوال کے مطابق اگرچہ عبادات کے نظام اور اُن کی مقررہ شکلوں میں کچھ اختلاف رہا ہے لیکن قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل عبادات کا حکم اور مطالبہ ہمیشہ رہا ہے خصوصیت سے نماز اور زکوٰۃ (یعنی اللہ کی راہ میں صدقہ وخیرات) ہر شریعت کے اہم اجزاء رہے ہیں۔

سُورۃ انبیاءؑ میں بہت سے اگلے نبیوں کا ذکر فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا گیا ہے :۔

وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَوٰةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَوٰةِ وَكَانُوا لَنَا عَابِدِينَ ۝ (الانبیاء۔ ع۔۵)

"اور ہم نے بنایا اُن کو راہبر وہ راہنمائی کرتے تھے (اپنی اُمتوں کی) ہمارے حکم سے اور ہم نے پیغام دیا اُن کو نیکیوں کے کرنے کا اور (خاص کر) نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا اور وہ سب ہمارے عبادت گزار بندے تھے۔"

اور "سورۃ مائدہ" میں بنی اسرائیل کے عہد کا ذکر فرمانے کے بعد فرمایا گیا ہے :۔

وَقَالَ اللَّهُ إِنِّي مَعَكُمْ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَوٰةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَوٰةَ وَآمَنْتُمْ بِرُسُلِي وَعَزَّرْتُمُوهُمْ وَأَقْرَضْتُمُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَلَأُدْخِلَنَّكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۔ (مائدہ ع۔۳)

"اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے (اُن سے) کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، اگر تم نے قائم رکھی نماز اور دیتے رہے زکوٰۃ اور ایمان لاتے رہے تم میرے رسولوں پر (جو بعد میں میری طرف سے آئیں گے) اور (اُن کی دینی جدوجہد میں) تم اُن کی مدد کرتے رہے اور خدا

کے کام میں اپنی دولت اچھی طرح صَرف کرتے رہے، تو (تمہارے ان نیک اعمال کی وجہ سے) ضرور بالضرور مٹادوں گا تمہارے گناہوں کو (یعنی وہ معاف کر دیئے جائیں گے) اور بساؤں گا تمہیں اُن جنتوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔

اور "سورۂ بیّنہ" میں اہلِ کتاب کے اختلاف وانکار کا ذکر کر کے فرمایا گیا ہے:۔

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝ (البیّنة ع-۱)

"اور اُن کو صرف یہی حکم تو دیا گیا تھا کہ وہ عبادت اور بندگی کریں اللہ کی پورے اخلاص کے ساتھ صرف اُسی کے بندے ہو کر اور قائم کریں نماز اور ادا کریں زکوٰۃ اور (وہ بھی جانتے ہیں کہ) یہی دین قیّم ہے (جس کی دعوت اللہ کے سب پیغمبروں نے دی ہے)"۔

بہر حال قرآن مجید نے جا بجا یہ بتایا ہے کہ عبادت دین کا اہم رُکن ہے اور پیغمبروں کے ذریعے ہر امت سے اس کا مطالبہ کیا گیا ہے۔

اور یہ اس لئے نہیں کہ اللہ تعالےٰ کو ہماری عبادت کی کوئی ضرورت ہے یا اُس کی شان میں ہماری عبادت سے کوئی اضافہ ہوتا ہے یا ہمارے رکوع سجدے اور ہمارے صدقہ و خیرات سے اس کو کوئی نفع پہنچتا ہے بلکہ صرف اس لئے بندوں کو عبادت کا حکم دیا گیا ہے کہ عبادت ہی کے ذریعہ ہماری روحوں کو پاکیزگی حاصل ہوتی ہے اور اپنے مالک و معبود سے ہمارا رابطہ قائم ہوتا ہے۔

سورۂ احزاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو مخاطب کر کے چند باتوں کی خاص نصیحت اور تاکید فرمائی گئی ہے اور اس نصیحت کو ان الفاظ پر ختم کیا گیا ہے:۔

وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۔ (احزاب-ع-۴)

"اور (اے نبی کی گھر والیو) اچھی طرح ادا کرتی رہو نماز، اور دیتی رہو زکوٰۃ، اور فرمانبرداری کرتی رہو، اللہ و رسول کے سب احکام کی (اس نصیحت اور ان احکام سے) اللہ تعالیٰ کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اے نبی کے گھر والو تم سے ہر قسم کی آلائش اور گندگی دور ہو اور

تم کو کامل طور سے پاک کر دیا جائے"۔

الغرض عبادت کا حکم اگلی اُمتوں کو بھی اسی لئے دیا گیا تھا اور ہم کو بھی اسی لئے دیا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ بندوں کی روحوں کو پاکیزگی حاصل ہو اور وہ اللہ تعالےٰ کی رضا اور قرب کا مقام حاصل کرنے کے قابل بنیں۔

اس تمہید کے بعد قرآن مجید کی چند وہ آئتیں پڑھئے جن میں ہم کو عبادت کا حکم دیا گیا ہے سورۂ حج میں ارشاد ہے :۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ٥ (الحج ع ۔۱)

"اے ایمان والو! اللہ کے لئے رکوع کرو اور سجدہ کرو (یعنی نماز پڑھو) اور اپنے پروردگار کی عبادت کرو تاکہ تمہارا بھلا ہو"۔

اس آیت میں بھی یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ عبادت کا حکم صرف بندوں کی بھلائی کے لئے دیا گیا ہے۔ خدا کو ان کی عبادت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اور سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے :۔

وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ ٥ (البقرہ ع ۔۸)

"اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو"۔

پھر اسی سورۂ بقرہ میں آگے ارشاد ہے :۔

وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللهِ ؕ إِنَّ اللهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ٥ (البقرۃ ۔ ع ۔۱۳)

"اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور جو نیکی بھی اپنے لئے آگے بھیجو گے، اس کو خدا کے پاس پاؤ گے، اللہ تعالےٰ تمہارے سب اعمال کو دیکھتا ہے۔

اور سورۂ ابراہیم میں ارشاد ہے :۔

قُلْ لِعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا يُقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خِلَالٌ ٥

(ابراهيم ع ۔۵)

"اے پیغمبر! میرے جو بندے ایمان لے آئے ہیں، ان کو پیغام دیجئے کہ وہ نماز قائم کریں اور جو کچھ ہم نے اُن کو دیا ہے اُس میں سے پوشیدہ طور سے یا اعلانیہ طور سے (جیسا موقع ہو ہماری راہ میں) خرچ کریں (اور نیکی کے یہ سارے کام قیامت کے) اس دن کے آنے سے پہلے کرلیں جس دن نہ خرید و فروخت ہوگی نہ دوستی"۔

یعنی اُس دن نیک اعمال ہی پر نجات کا دارومدار ہوگا اور نیک عمل اگر بندہ خود اپنے ساتھ نہیں لے گیا ہے، تو نہ وہاں کہیں سے خرید سکے گا نہ کوئی ایسا دوست وہاں ہوگا جو اس کو اپنے نیک اعمال بخش دے۔ لہٰذا بندوں کو چاہیئے کہ جو وقت ملا ہوا ہے اس کو غنیمت سمجھیں اور نماز اور صدقہ و خیرات وغیرہ عبادات کا ذخیرہ جمع کر کے اپنی نجات کا سامان کریں۔

اس کے بعد چند وہ آیتیں پڑھئے جن میں عبادت گزار بندوں کو بشارتیں سنائی گئی ہیں اور اللہ تعالےٰ نے پیار و محبت سے ان کا ذکر فرمایا ہے :-

سُورۂ حج میں ایک جگہ ارشاد ہے :-

وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَا اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (الحج ع-۵)

"اور اے پیغمبر! بشارت دیجئے اور خوشخبری سُنائیے ہمارے اُن نیاز شعار اور عبادت گزار بندوں کو جن کا حال یہ ہے کہ جب ذکر کیا جائے اللہ تعالےٰ کا تو خوفزدہ ہو جاتے ہیں اُن کے دل، اور جو صبر کرتے ہیں اس پر جو اُن پر پڑتی ہے اور جو قائم کرنے والے ہیں نماز کے اور (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں اس میں سے جو ہم نے اُن کو دیا ہے"۔

اور سورۂ رعد میں ارشاد ہے :-

وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا

صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝ (الرعد ع-۳)

"اور ہمارے جن بندوں نے اپنے نفس کو تھامے رکھا (اُس کی بُری خواہشوں سے) اپنے رب کی رضا جوئی میں، اور قائم کی اُنھوں نے نماز، اور خرچ کیا انھوں نے اس میں سے جو ہم نے ان کو دیا تھا (موقع کے مطابق) پوشیدہ اور علانیہ) اور کرتے ہیں وہ بُرائی کے مقابلہ میں بھلائی، ان بندوں کے لئے آخرت کا اچھا گھر ہے، باغ ہیں ہمیشہ رہنے کے جن میں رہیں گے، اور اُن کے ساتھ اُن کے باپ دادوں اور اُن کی بیویوں اور اُن کی اولاد میں سے جو نیک ہُوئے ہوں گے اور فرشتے آئیں گے اُن کے پاس ہر دروازہ سے اور کہیں گے سلام ہو تم پر اے اللہ کے بندو! بدلہ اُس کا جو تم نے صبر کیا خوب ہے اور مبارک ہے تمہارا آخرت کا یہ گھر۔"

اور سورۂ نور میں ارشاد ہے :-

يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاۗءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۝ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ (النور ع-۵)

"اُن عبادت خانوں میں (جن کا اُوپر ذکر ہُوا) اُس کی (اللہ) کی تسبیح و تقدیس کرتے ہیں صُبح و شام وہ بندے (جن کے تعلق باللہ کا یہ حال ہے) کہ ان کو غافل نہیں کر سکتا کوئی تجارتی مشغلہ اور نہ کوئی خرید و فروخت کا کام اللہ کی یاد سے، اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے، وہ بندے لرزاں و ترساں رہتے ہیں اس دن کی فکر سے جس میں کہ اُلٹ جائیں گے دل اور آنکھیں تاکہ بدلہ دے اُن کو اللہ اُن کے بہترین اعمال کا اور مزید عطا فرمائے اُن کو اپنے فضلِ خاص سے اور اللہ تعالیٰ دے گا جس کو چاہے گا بے حساب۔"

اور سورۂ توبہ میں ایک جگہ ان بندوں کا ذکر فرماتے ہُوئے جن کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت کا خاص وعدہ ہے، ان کے خاص اوصاف یہ بیان فرمائے گئے ہیں :-

اَلتَّاۗىِٕبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّاۗىِٕحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ

اَلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (التوبہ ع-۱۴)

"وہ توبہ کرنے والے ہیں، عبادت گزار ہیں، اللہ کی حمد کرنے والے ہیں، روزہ رکھنے والے ہیں، رکوع سجود کرنے والے یعنی نمازیں پڑھنے والے ہیں، اچھے کاموں کے لئے کہنے والے اور برائیوں سے منع کرنے والے ہیں اور اللہ کی باندھی ہوئی حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں اور اے رسول (ان صفات کے رکھنے والے) مومنین کو آپ (ہماری رحمت اور جنت کی) خوشخبری سُنا دیجئے۔"

اور سورۂ مومنون میں ارشاد فرمایا گیا ہے :-

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلٰوتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝ (مومنون ع-۱)

"یقیناً فلاح پالی ان ایمان والوں نے (اور اپنی مراد کو پہنچ کر وہ کامیاب ہوگئے) جو اپنی نمازیں خشوع کی صفت کے ساتھ ادا کرنے والے ہیں اور جو لغو و فضول باتوں اور مشغلوں سے کنارہ کش رہتے ہیں اور جو زکوٰۃ دیا کرتے ہیں۔"

اس کے بعد اُن کی پاک دامنی اور امانت داری وغیرہ بعض اخلاقی محاسن کا ذکر فرما کر آخر میں ارشاد فرمایا :-

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ (المومنون ع-۱)

"یہی وراثت پانے والے ہیں جو وراثت پائیں گے "جنت الفردوس" کی وہ ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔"

اور سورۂ فاطر میں ارشاد ہے :-

اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ۝ لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ۝ (الفاطر ع-۴)

"جن بندوں کا حال یہ ہے کہ وہ پڑھتے ہیں اللہ کی کتاب اور قائم کرتے ہیں نماز، اور

خرچ کرتے ہیں ہمارا دیا ہوا پوشیدہ اور اعلانیہ، وہ اُمید رکھتے ہیں ایسی سوداگری کی جس میں ہرگز ٹوٹا نہیں، اُن کا انجام یہ ہے کہ پورا دے گا اللہ اُن کو اُن کا ثواب اور مزید بخشش دے گا ان کو اپنے خاص فضل سے، وہ اللہ بہت بخشنے والا اور اپنے بندوں کی عبادت گذاری اور نیک کرداری کی بڑی قدر فرمانے والا ہے۔"

اور سورۂ سجدہ میں ان ہی عبادت گزار بندوں کے متعلق ارشاد ہے :-

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (السجدۃ ع-۲)

"اُن کی کروٹیں اپنی خوابگاہوں سے الگ رہتی ہیں (یعنی جب سونے والے آرام کی میٹھی نیند سوتے ہیں تو ہمارے یہ خاص عبادت گزار بندے بستروں سے الگ ہماری عبادت میں مشغول ہوتے ہیں) اس کے عذاب کے خوف سے اور اس کی رحمت کی طمع میں اُس سے دُعائیں کرتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں، پس کوئی نفس نہیں جانتا ان کی آنکھ کی ٹھنڈک کے ان سامانوں کو جو ان بندوں کے لئے چُھپا کے رکھے گئے ہیں بدلہ میں اُن اچھے اعمال کے جو وہ کرتے تھے۔"

اور سورۂ ذاریات میں ایسے ہی بندوں کو جنت اور اللہ تعالےٰ کی خاص الخاص نعمتیں عطا فرمائے جانے کا ذکر کرنے کے بعد اُن کا حال خود اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے :-

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۝ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ (ذاریت ع-۱)

"ہمارے یہ بندے راتوں میں بہت کم سوتے تھے (بلکہ رات کے بڑے حصہ میں عبادت کرتے تھے) اور (رات اس طرح گزار کے) سحر کے اوقات میں مغفرت چاہتے اور معافی مانگتے تھے اور اُن کے مالوں میں ایسے لوگوں کا حق تھا، جو (ضرورت سے مجبور ہو کر) سوال کرتے تھے یا جن پر کوئی آفت آپڑتی تھی۔"

اس سلسلہ میں ایک آیت سورۂ احزاب کی اور پڑھ لیجئے۔ ارشاد ہے :-

اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرَاتِ وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّائِمِیْنَ وَالصّٰئِمٰتِ وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰکِرِیْنَ اللّٰهَ کَثِیْرًا وَّالذّٰکِرَاتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا ۝ (الاحزاب ع-۵)

"بلاشبہ اللہ ورسول کا حکم ماننے والے مرد اور ماننے والی عورتیں اور دل سے ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں اور بندگی کرنے والے مرد اور بندگی کرنے والی عورتیں اور سدا سچ بولنے والے مرد اور سچ بولنے والی عورتیں اور نفس کی غلط خواہشوں کے مقابلہ میں اللہ کے حکم پر مضبوطی سے جمے رہنے والے مرد اور جمی رہنے والی عورتیں اور عاجزی و مسکنت اختیار کرنے والے مرد اور اسی صفت کی عورتیں اور صدقہ و خیرات کرنے والے مرد اور عورتیں، اور روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں، اور کثرت سے اللہ کو یاد کرنے والے مرد اور ایسے ہی اس کو یاد کرنے والی عورتیں، اللہ تعالےٰ نے اپنے ان سب بندوں اور بندیوں کے لئے رکھی ہے خاص بخشش اور بڑا اجر۔"

یہ چند آیتیں اس کا اندازہ کرنے کے لئے کافی ہیں کہ قرآن مجید نے اللہ تعالےٰ کی عبادت پر کتنا زور دیا ہے اور عبادت کے ذریعے بندہ کیا کچھ کر سکتا ہے۔ قرآن مجید کی بعض آیتوں میں خصوصیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے عبادت یا کثرت عبادت کا حکم دیا گیا ہے، ان میں سے بھی دو چار آیتیں یہاں پڑھ لیجئے۔ سورۂ حجر میں ارشاد ہے:-

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِیْنَ ۝ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰی یَاْتِیَكَ الْیَقِیْنُ ۝ (الحجر ع-۶)

"آپ اپنے پروردگار کی حمد و ثناء کے ساتھ اس کی تسبیح و تقدیس میں مشغول رہیئے اور اُس کے حضور میں سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جائیے اور موت کی گھڑی تک اپنے رب کی عبادت کرتے رہیئے۔"

اور سورۂ طٰہٰ میں ارشاد فرمایا گیا ہے :-

فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا وَمِنْ اٰنَآءِ الَّیْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّکَ تَرْضٰی ۝ (طٰہٰ ع-۸)

"یہ منکر لوگ جو تکلیف دہ باتیں کرتے رہتے ہیں آپ اُن پر صبر کیجئے اور اپنے پروردگار کی حمد و تسبیح کرتے رہیئے۔ صبح طلوعِ آفتاب سے پہلے اور شام کو غروب آفتاب سے پہلے اور رات کی گھڑیوں میں بھی خدا کی تسبیح کیجئے اور دن کے حصّوں میں بھی، شاید کہ آپ راضی ہوں"۔

چونکہ نماز میں خاص عنصر اللہ کی حمد و تسبیح ہے، یہاں تک کہ قیام، قعود، رکوع، سجود، غرض نماز کا کوئی حصہ بھی حمد و تسبیح سے خالی نہیں، اس لئے قرآن مجید کی بعض آیات میں حمد و تسبیح ہی کے عنوان سے نماز کا حکم دیا گیا ہے۔ اس آیت کا مطلب بھی یہی ہے کہ اے پیغمبر! آپؐ صبح و شام اور دن رات کے مختلف حصّوں میں نماز پڑھنے کا اپنا طریقہ جاری رکھئے اور امید رکھئے کہ آپؐ کی دن رات کی اس عبادت گزاری کے وہ نتائج دُنیا اور آخرت میں ظاہر ہوں گے کہ آپؐ کا جی خوش ہو جائے گا۔

اور سورۂ مزّمّل میں ارشاد فرمایا گیا ہے :-

یٰٓاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا ۝ اَوْ زِدْ عَلَیْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ۝ (المزمّل ع-۱)

"اے کمبل پوش کھڑے ہُوا کرو (ہمارے حضور میں) رات کو (یعنی رات کو نماز میں مشغول رہا کرو) سوائے تھوڑے سے حصّہ کے، یعنی رات کو بس تھوڑے سے حصّہ میں آرام کر لیا کرو) آدھی رات (نماز میں گزارا کرو) یا اس میں سے تھوڑا کم کر دو یا اس پر اضافہ کر لو۔ اور قرآن کو خوب صاف صاف پڑھا کرو"۔

اور سورۂ دہر میں فرمایا گیا ہے :-

وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ بُکْرَةً وَّاَصِیْلًا ۝ وَمِنَ الَّیْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَیْلًا طَوِیْلًا ۝ (الدھر - ع - ۲)

"اور صبح شام اپنے پروردگار کا نام لیا کیجئے اور اس کو یاد کیا کیجئے اور رات میں اُس کے

حضور سجدے کیا کیجئے اور اس کی تسبیح کیا کیجئے رات کے بڑے حصے میں۔"

ان آیتوں میں لفظوں کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو یہی حکم دیا گیا ہے کہ دن میں بھی اور خصوصیت سے صبح و شام اور رات کے اوقات میں آپ نماز اور اللہ کی حمد و تسبیح میں زیادہ مشغول رہا کریں۔

ان آیتوں میں بظاہر خطاب اگرچہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ہی کو ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہی حکم بالواسطہ اور ثانوی درجہ میں آپ کی اُمّت کو بھی ہے۔ آخر میں سورۂ کوثر اس سلسلہ میں اور پڑھ لیجئے۔

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ۝
(الکوثر)

"ہم نے آپ کو عطا کیا کوثر،[1] پس آپ نماز پڑھئے اپنے پروردگار کے لئے اور قربانی کیجئے بلاشبہ آپ کے دشمن ہی بے نام و نشان ہوں گے۔"

اس سُورۃ میں یہ اشارہ کھلا ہُوا ہے کہ اللہ کی عبادت (نماز و قربانی) دُنیا میں بھی سرفرازی دلاتی ہے بشرطیکہ حقیقی نماز اور حقیقی قربانی ہو، نماز و قربانی کی صرف صُورت نہ ہو۔

---

[1] "کوثر" کے اصل معنی "خیرِ کثیر" کے ہیں، اس کے وسیع مفہوم میں دنیا اور آخرت کی وہ ساری نعمتیں داخل ہیں جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو عطا فرمائی ہیں یا آپ کو عطا فرمائی جانے والی ہیں، میدانِ قیامت کا حوضِ کوثر اور جنّت کی نہر کوثر، جن کا ذکر حدیثوں میں آیا ہے وہ بھی اس میں داخل ہیں۔ ۱۲

بندوں کی خدمت اور حسنِ سلوک

قرآن مجید جس طرح خدا کے متعلق صحیح عقیدہ رکھنے اور اُس کی اطاعت و فرمانبرداری اور اس کی عبادت کرنے کی زور و قوت کے ساتھ دعوت و تعلیم دیتا ہے اسی طرح وہ بندوں کے حقوق ادا کرنے اور اعلیٰ قدر مراتب ان کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی بھی سخت تاکید کرتا ہے۔ بلکہ اس میں بہت سے مقامات پر تو ان دونوں مطالبوں کو ایک ہی سلسلۂ بیان میں ایسے انداز سے ذکر کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بندوں کے حقوق اور اُن کے ساتھ حسنِ سلوک کا مطالبہ بھی گویا خدائی توحید اور اس کی عبادت کے مطالبہ کی طرح قرآن مجید کے اوّلین اور بنیادی مطالبات میں سے ہے۔

مثلاً سورۂ نساء میں ارشاد ہے :۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ (النساء ع-٦)

"اور عبادت کرو اللہ کی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور دوسرے قرابت داروں کے ساتھ بھی (اچھا سلوک کرو) اور (اسی طرح) یتیموں مسکینوں کے ساتھ بھی، اور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ بھی جو قرابت دار ہوں اور ان پڑوسیوں کے ساتھ بھی جو اجنبی ہوں (جن سے کوئی رشتہ ناطہ نہ ہو صرف پڑوس کا تعلق ہو) اور اُن کے ساتھ بھی (اچھا سلوک کرو) جن کا کہیں سنگ ساتھ ہو، اور مسافر پردیسیوں کے ساتھ اور ان کے ساتھ جو تمہارے قبضہ میں اور تمہارے زیر دست ہوں۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ ساتھ سب سے پہلے ماں باپ اور پھر عام قرابت داروں اور ہر طرح کے پڑوسیوں، سنگ ساتھ والوں اور یتیموں مسکینوں

اور پردیسیوں اور ماتحتوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور اچھے برتاؤ کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی طرح سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا گیا ہے :-

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰـهُمَا فَلَا تَـقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ (بنی اسرائیل ع-۳)

"اور تیرے رب نے حتمی حکم دیا ہے کہ اس کے سوا تم کسی کی عبادت اور بندگی نہ کرو، اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو، اگر ان میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو اُن کو اُف بھی نہ کہو اور اُن سے خفگی کی بات نہ کرو اور اُن سے ادب و تمیز سے بولو، اور خاکساری و نیازمندی کے ساتھ اُن کی اطاعت کرو اور اُن کے حق میں اللہ سے اس طرح دُعا کرتے رہو کہ اے پروردگار! تو میرے ماں باپ پر رحمت فرما جس طرح اُنہوں نے مجھے بچپن میں شفقت سے پالا، پرورش کیا۔"

اسی سلسلۂ بیان میں ایک آیت کے بعد ارشاد ہے :-

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۔ (بنی اسرائیل ع-۳)

"اور اپنے قرابت داروں کا حق ادا کرو اور مسکینوں اور پردیسیوں، مسافروں کو بھی اُن کا حق دو اور اللہ کا دیا ہُوا مال فضولیات میں مت اڑاؤ۔"

اور سورۂ روم میں ایک جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے :-

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (الروم ع-۴)

"پس ادا کرو قرابت داروں کو اُن کا حق اور (اسی طرح دو) مسکینوں حاجتمندوں کو اور پردیسیوں مسافروں کو (جو اُن کا حق ہے) یہی (طریقہ) بہتر ہے ان بندوں کے لئے جو اللہ تعالے کو چاہتے ہیں (یعنی اس کی رضامندی کے طالب ہیں) اور یہی بندے فلاح پائ

ہونے والے ہیں "

مذکورہ بالا آیتوں میں ہمدردی اور اعانت کے مستحق کمزور طبقوں میں سے یتیموں، مسکینوں غلاموں، ماتحتوں اور مسافروں، پردیسیوں کا ذکر آیا ہے اور اُن کے ساتھ اچھا سلوک کرنے اور اُن کے حقوق ادا کرنے اور اُن کی اعانت و خدمت کرنے کی ہدایت کی گئی ہے بعض دوسری آیتوں میں اسیروں یعنی قیدیوں کی بھی اسی قسم کی خدمت کی ترغیب دی گئی ہے۔

سورۂ دہر میں جنتیوں کے وہ اوصاف اور اعمال بیان کرتے ہُوئے جن کے بدلے میں ان کو جنت اور جنت کی نعمتیں ملیں گی، ارشاد فرمایا گیا ہے :-

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ۝ (الدھر ع-۱)

"اور وہ بندگانِ خدا کھانا کھلاتے ہیں اللہ کی محبت کی بنا پر مسکینوں کو اور یتیموں کو اور قیدیوں کو "

ان کمزور طبقوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کے سلسلے میں قرآن مجید کا ایک حکم یہ بھی ہے کہ جو بچہ باپ کی سرپرستی سے محروم ہو کر یتیم ہو گیا ہو اُس سے شفقت کا برتاؤ کرو اور جو کوئی بے چارہ لاچاری، ناداری سے مجبور ہو کر تم سے سوال کرے اُس کے ساتھ رحم دلی اور نرمی کا معاملہ کرو اس کو کبھی نہ جھڑکو۔ ارشاد ہے :-

فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝ وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝ (الضحیٰ)

"پس جو یتیم ہو اُسے مت ڈانٹو، مت دباؤ اور بے چارے مانگنے والے کو مت جھڑکو۔"

یہاں یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ مذکورۂ بالا آیتوں میں والدین اور دوسرے اعزہ واقارب اور یتامیٰ و مساکین اور مسافرین و سائلین کے ساتھ حسن سلوک اور اُن کی اعانت و خدمت کرنے کی جو تعلیم دی گئی ہے اس میں مسلم اور غیر مسلم کی بھی تفریق نہیں ہے۔ اگر بالفرض کسی مسلمان کے والدین یا اہلِ قرابت غیر مسلم ہوں یا اس کے سامنے کوئی غیر مسلم یتیم یا غیر مسلم مسکین یا غیر مسلم سائل یا غیر مسلم ضرورت مند پردیسی آئے تو قرآن مجید کا حکم ہے اس مسلمان کو ان سب کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنے کا اور اپنی استطاعت کے بقدر ان کی خدمت کرنے کا ہے۔ خاص کر والدین کے بارے میں تو قرآن مجید میں یہاں تک فرمایا

گیا ہے کہ اگر کسی کے ماں باپ بالفرض مشرک ہوں اور وہ اپنی مسلمان اولاد پر زور ڈالیں کہ وہ بھی اسلام اور توحید کو چھوڑ کر کفر و شرک اختیار کرے تو مسلمان اولاد کا فرض ہے کہ اُن کی یہ بات تو نہ مانے (یعنی اُن کے کہنے سے اسلام اور توحید کو تو نہ چھوڑے) لیکن دنیا میں اُنکے ساتھ حسنِ سلوک اور اچھا برتاؤ ہی کرتا رہے۔

سورۂ لقمان میں اولاد پر والدین کا حق بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے :-

وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا ۝ (لقمان ع-۱)

"اور اگر تمہارے ماں باپ تم پر زور ڈالیں کہ تم میرے ساتھ (یعنی اللہ کے ساتھ) کسی ایسی ہستی کو شریک کرو جس کا تمہیں کوئی علم اور پتہ نہیں ہے (بلکہ وہ بالکل بے حقیقت محض فرضی اور وہمی ہے جیسے کہ مشرکوں کے سارے معبودوں کا حال ہے) تو تم ان کی یہ بات تو نہ مانو (لیکن اس کے باوجود) تم دُنیا میں اُن کے ساتھ اچھا معاملہ اور برتاؤ جاری رکھو (اور ان کی خدمت کرتے رہو)"

اہل وعیال

ماں باپ کے بعد انسان کا سب سے بڑا تعلق بیوی بچوں سے ہوتا ہے اور انسانوں کی یہ عام فطرت ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال کو آرام ہی سے رکھنا چاہتے ہیں بلکہ اس بارے میں تو بہت سے لوگ اپنی حد سے بڑھ جاتے ہیں۔ اس لئے قرآن مجید میں اس پر زیادہ زور نہیں دیا گیا ہے کہ اہل وعیال کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے اور ان کا حق ادا کیا جائے۔ البتہ چونکہ بہت سے لوگوں سے اہل وعیال کی دینی اصلاح وتربیت کے بارے میں کوتاہی ہوتی ہے اس لئے قرآن مجید نے اہل وعیال کے اس حق کی طرف خصوصیت سے توجہ دلائی ہے کہ ان کو دیندار بنانے کی اور اللہ کی رضا کے راستے پر چلانے کی اسی طرح فکر اور کوشش کی جائے جس طرح کہ ہر صاحب ایمان کو اپنی جان دوزخ سے بچانے کی فکر کرنی چاہیئے۔ سورۂ تحریم میں ارشاد فرمایا گیا ہے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۞ (التحریم ع-۱)

"اے ایمان والو! اپنے کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں، اس پر (عذاب دینے کے لئے) وہ فرشتے مقرر ہیں جو بڑے سخت دل (بنائے گئے ہیں) اور بڑے مضبوط ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو جو حکم دیدیا ہے وہ (ذرا بھی) اس کی خلاف ورزی نہیں کریں گے، اور جس کام کے لئے وہ مامور کئے گئے ہیں وہ اس کو (پورا پورا) انجام دیں گے"

البتہ بیویوں کے معاملہ میں چونکہ بہت سوں سے کوتاہیاں ہوتی ہیں اس لئے اُن کے ساتھ حُسنِ سلوک اور اُن کے حقوق کی ادائیگی کے بارے میں قرآن مجید نے خاص تاکید فرمائی ہے :-

سورۂ بقرہ ہی میں ارشاد فرمایا گیا ہے :-

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۞ (بقرہ ع-۲۸)

"اور عورتوں کے مردوں پر اسی طرح حقوق ہیں جیسے کہ مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں، دستور کے مطابق"

اور سورۂ نساء میں ارشاد فرمایا گیا ہے :-

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ - (النساء - ع ۳)

"اور اُن کے ساتھ (یعنی اپنی بیویوں کے ساتھ) دستور کے مطابق اچھے طریقہ پر گزر بسر کرو"

اگر اللہ تعالیٰ کے کسی بندے کے بیوی بچے اپنی بدمزاجی یا بے دینی کی وجہ سے اس کے خلاف اور اس کو دکھ دینے والے ہوں اور اس کو ان کی طرف سے خطرہ ہو تو قرآن مجید کی ہدایت ہے کہ وہ اُن کے شر سے تو اپنے کو بچاتا رہے اور اُن کی طرف سے ہوشیار رہے لیکن جہاں تک گنجائش ہو انتقام اور سختی کی کوئی کارروائی نہ کرے بلکہ معاف کرے اور نظر انداز کرتا رہے انشاء اللہ یہ طرزِ عمل ان کی اصلاح کا بھی باعث ہوگا۔ سورۃ تغابن میں ارشاد ہے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ وَإِن تَعْفُوا وَتَصْفَحُوا وَتَغْفِرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۞ (التغابن ع-۲)

"اے ایمان والو! تمہاری بعض بیویاں اور تمہاری بعض اولاد تمہاری دشمن ہیں پس تم اُن کے شر سے بچے رہو اور اگر تم معاف کرو اور درگزر کرو اور بخشو تو (یہ تمہارے لئے بہتر اور خوش انجام ہوگا) بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے"۔

عام انسانوں کے حقوق اور اُن کے ساتھ حُسنِ سلوک

بندوں کے حقوق کے سلسلہ میں ماں باپ، اہل وعیال، عزیزوں، پڑوسیوں اور یتیموں، مسکینوں، اسیروں وغیرہ کمزور طبقوں کے حقوق اور اُن کی خدمت و حُسنِ سلوک کے بارے میں قرآن مجید کی تعلیم و تاکید آپ پڑھ چکے۔ اب دیکھئے کہ عام انسانوں کے حقوق اور اُن کے ساتھ حُسنِ سلوک کے بارے میں قرآن مجید کی تعلیم کیا ہے۔

اس سلسلہ میں اولاً تو قرآن مجید نے جا بجا یہ واضح کر کے کہ سارے انسان ایک ہی مکرم محترم جوڑے (آدم وحوا علیہما السلام) کی اولاد ہیں، پوری انسانی برادری کو اپنی اصل و فطرت کے لحاظ سے قابلِ احترام بنا دیا ہے، پھر دوسری تمام مخلوقات کے مقابلہ میں انسان کو جو خاص علمی و عملی صلاحیتیں اور طاقتیں بخشی گئی ہیں جن کے ذریعے وہ اس پوری کائنات کو استعمال کر رہا ہے، اس کو بھی قرآن مجید میں پوری نسل انسانی کے لئے ایک خداوندی شرف واعزاز بتایا گیا ہے۔ ارشاد ہے :۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ۔ (بنی اسرائیل ع ۷)

"اور ہم نے بنی آدم کو ایک خاص شرف واعزاز بخشا اور اس دُنیا کے بحر و بر پر اس کو قابض اور متصرف بنا دیا"۔

اس فطری اور تکوینی شرف واعزاز کے علاوہ قرآن مجید نے اپنے ماننے والوں کو حکم دیا کہ وہ سب انسانوں سے اچھی بات کریں۔

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا ۝ (بقرہ ع ۲-۱۰)

"اور سب لوگوں سے اچھی بات کہو"۔

اسی طرح علی الاطلاق سب کے ساتھ انصاف اور احسان کا حکم دیا گیا۔ ایمان والوں کو سنایا گیا کہ :۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ ۔ (نحل ع۔ ۱۳)

"اللہ تعالےٰ حکم دیتا ہے انصاف کرنے کا اور احسان کرنے کا (سب کے ساتھ)

دوسری جگہ فرمایا گیا :۔

وَ اَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○ (بقرہ ع۔ ۲۴)

"اور اچھا سلوک کرو (سب کے ساتھ) اللہ سلوک کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔"

حتیٰ کہ اگر کوئی تمہارا دشمن ہو اور تمہارے ساتھ برائی سے پیش آتا ہو تو اس کے حق میں بھی قرآن مجید کا حکم ہے کہ جہاں تک ہو سکے تم اس کے ساتھ اچھا ہی معاملہ کرو اور اس کی بدی کا جواب بھی نیکی ہی سے دو۔ ارشاد فرمایا :۔

لَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ○ (حٰم سجدہ ع۔ ۵)

"اچھا رویہ اور برا رویہ برابر نہیں (بلکہ اچھا رویہ نیکی ہے اور برا رویہ بدی ہے لہٰذا تم کو چاہیئے کہ) برائی کا جواب بھی تم نیکی ہی سے دو۔"

دوسری جگہ فرمایا گیا :۔

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ○ (مومنون ع۔ ۶)

"تم برائی کا جواب بھی اچھے رویے سے دو ہمیں خوب معلوم ہے جو کچھ وہ (تمہارے متعلق) کہتے ہیں۔"

قرآن مجید میں ایک جگہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جو نیک بندے بدی کا جواب بھی نیکی سے دیں اور برائی کرنے والوں کے ساتھ بھی اچھائی کریں وہ دوہرے ثواب اور دوہرے انعام کے مستحق ہیں۔ فرمایا گیا :۔

اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ ○ (قصص ع۔ ۶)

"اللہ کے ان بندوں کو دوہرا اجر و ثواب دیا جائے گا ان کے صبر کرنے کی وجہ سے اور بدی کا جواب نیکی سے دینے کی وجہ سے۔"

عام انسانوں کے ساتھ رواداری اور حسن سلوک کے بارے میں قرآنی تعلیم کی روح کو کچھ اس سے سمجھا جا سکتا ہے کہ جو لوگ اپنی فریب کاریوں اور خیانت کارانہ معاہدوں کے ذریعے خود

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکہ دیا کرتے تھے اُن کے بارے میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا :-

وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰی خَائِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ○ (مائدہ ع - ۲)

"اور آپ پر برابر اُن کی خیانتوں کے راز فاش ہوتے رہیں گے اور سوا چند کے اُن کی دھوکہ بازیاں آئے دن آپ کے علم میں آتی رہیں گی، پھر بھی آپ ان کو معاف کر دیا کریں اور اُن کے قصور سے درگزر کیا کریں۔ دوسروں پر احسان کرنے والے بندے اللہ کو پیارے ہیں"

اور یہ تو قرآن مجید کا عام منشور ہے جس کا ہر مسلمان مخاطب و مکلف ہے کہ بڑے سے بڑے دشمن کے ساتھ بھی پورا انصاف کیا جائے اور کسی کی عداوت اور دشمنی کی وجہ سے اُس کا حق ادا کرنے میں کوئی کوتاہی نہ کی جائے۔ ارشاد ہے اور کس قدر زور اور تاکید کے ساتھ ارشاد ہے :-

وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی

(المائدہ ع - ۲)

"اور کسی قوم کی دشمنی ہرگز تمہیں اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم اس کے ساتھ بے انصافی کر بیٹھو، تم (دشمنوں کے ساتھ بھی) پورا پورا انصاف کرو، یہی قرین تقویٰ ہے"

الغرض قرآن مجید میں جس طرح اللہ کی عبادت اور اپنے ماں باپ اور اعزہ و اقارب کی خدمت اور یتیموں، کمزوروں، مسکینوں، حاجت مندوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کی تعلیم دی گئی، اسی طرح عام انسانوں حتّٰی کہ اپنے دشمنوں اور بدخواہوں کے ساتھ بھی انصاف اور حُسنِ معاملت کی تاکید کی گئی ہے۔

اسلامی برادری کے خاص حقوق

قرآن مجید نے خون اور نسب کے رشتوں کی طرح ایمان اور اسلام کو بھی ایک اہم اور مقدس روحانی رشتہ قرار دیا ہے اور اس رشتہ کی رُو سے ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان کا بھائی بتایا ہے۔ ارشاد ہے :-

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ ۔ (الحجرات ع ۲)

"سارے مسلمان تو آپس میں بھائی بھائی ہیں"۔

پھر اس روحانی اور ایمانی رشتہ کی وجہ سے ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان بھائی کے کچھ خاص حقوق عائد کئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ ان میں باہم شفقت اور ترحم ہو اور آپس میں ان کا معاملہ نرمی اور فروتنی کا ہو، ہر ایک دوسرے کا خیر خواہ، خدمت گزار اور نیاز مند ہو۔ چنانچہ ایک جگہ اہل ایمان کی شان یہ بیان کی گئی ہے کہ :-

رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ۔ (فتح ع ۴)

"وہ آپس میں ترحم اور شفقت کا معاملہ کرنے والے ہیں"۔

اور دوسری جگہ ان کا حال یہ بیان کیا گیا ہے کہ :-

اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ (مائدہ ع ۸)

"برادران ایمانی کے سامنے وہ نیاز مند اور اپنے کو نیچا رکھنے والے ہیں"۔

اور جو چیزیں تعلقات کو خراب کرنے والی اور دلوں میں کدورت پیدا کرنے والی ہو سکتی ہیں قرآن مجید نے مسلمانوں کے لئے سختی سے اُن کی ممانعت فرمائی مثلاً کسی کے ساتھ تمسخر کرنا، اس کا مذاق بنانا، ہنسی اڑانا، اُس کو عیب لگانا، کسی بُرے اور مکروہ نام سے اس کو یاد کرنا، پیٹھ پیچھے اُس کی بُرائی کرنا یا اُس کے عیوب کا تجسس کرنا، یا صرف قیاس و خیال کی بنا پر یا اور اسی طرح بغیر تحقیق کے کسی افواہی شہرت کی بنیاد پر کسی کے بارے میں بدگمانی کرنا اور اُس کے خلاف رائے قائم کر لینا یہ وہ چیزیں ہیں جن میں لوگ زیادہ احتیاط نہیں کرتے لیکن چونکہ ان باتوں سے دلوں میں رنجش اور کدورت پیدا ہوتی ہے اور تعلقات میں خرابی پڑتی ہے' اس لئے قرآن مجید میں صراحت اور تاکید کے ساتھ حکم دیا گیا ہے کہ کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان بھائی کے ساتھ ہرگز ایسا نہ کرے اور اس معاملہ میں پوری احتیاط برتے۔ ارشاد فرمایا گیا :-

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰى أَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّنْ نِّسَاءٍ عَسٰى أَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الْاِسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا

وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ۝ (الحجرات ع - ۲)

"اے ایمان والو! نہ تو مردوں کے لئے جائز ہے کہ وہ دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں کیا عجب ہے کہ (جن لوگوں کا مذاق اُڑایا جاتا ہے اللہ کے نزدیک) وہ ان مذاق اڑانے والوں سے بہتر ہوں، اور اسی طرح نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، کیا عجب ہے کہ ان (مذاق اڑانے والیوں) سے وہی بہتر ہوں، اور تم آپس میں ایک دوسرے کو عیب بھی نہ لگاؤ، اور نہ بُرے القاب سے پکارو، ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام لگنا (ہی) بُرا ہے اور جو لوگ (اس تنبیہ کے بعد بھی ان حرکتوں سے) باز نہ آئیں وہ بڑے ظالم ہیں۔

اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچا کرو، کیونکہ بعضے گمان بالکل گناہ ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے عیوب کا تجسس نہ کرو (اس کی کمزوریوں کی ٹوہ میں نہ لگو) اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے، کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے اور تمہیں اس سے کراہت اور گھن آئے اور اللہ تعالےٰ سے ڈرو، بے شک اللہ تعالےٰ بہت معاف کرنے والا اور بڑا ہی مہربان ہے"

مسلمانوں کے باہمی حقوق کے سلسلہ میں قرآن مجید نے ایک رہنمائی یہ بھی کی ہے کہ ہر مسلمان اپنی اچھی دُعاؤں میں سب مسلمان بھائیوں کو بھی شریک کیا کرے۔ قرآن مجید کی تعلیم فرمائی ہوئی اکثر دُعاؤں میں جمع کے صیغوں کے استعمال کا یہ بھی ایک سبب ہے۔
قرآن مجید کی ایسی بیسیوں دُعاؤں میں سے صرف دو چار دعائیں یہاں بھی پڑھ لیجئے :۔

رَبَّنَا اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝
(البقرۃ ع - ۲۵)

"اے ہمارے پروردگار! دے ہمیں دُنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھلائی اور بچا ہمیں آخرت کے عذاب سے"

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ
اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ (آل عمران ع - ۱)

"اے ہمارے پروردگار! نہ پھیر ہمارے دِلوں کو بعد اس کے کہ تُو نے ہمیں ہدایت دی اور دے ہمیں رحمت اپنے پاس سے، بیشک تُو ہی عطا فرمانے والا ہے۔"

رَبَّنَا اِنَّنَا اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ (اٰل عمران ع-۲)

"اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لے آئے، پس تُو ہمارے گناہ بخش دے اور دوزخ کے عذاب سے ہمیں بچا۔"

رَبَّنَا اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ (المومنون ع-۶)

"اے پروردگار ہمارے! ہم ایمان لے آئے، پس تُو ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما، تُو سب مہربانوں سے بہتر اور بالاتر ہے۔"

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ (الحشر ع-۲)

"اے ہمارے پروردگار! ہماری مغفرت فرما اور ان سب بھائیوں کی بھی مغفرت فرما جو ہم سے آگے گئے ایمان کے ساتھ اور نہ کر ہمارے دلوں میں کدورت ایمان والوں کے ساتھ! اے پروردگار! یقیناً تو بڑا مہربان اور بہت رحم فرمانے والا ہے۔"

اخلاقِ حسنہ

اخلاقِ حسنہ کی دعوت وتعلیم بھی قرآن مجید کا خاص الخاص موضوع ہے اور یہ بات صرف عقیدت مندانہ نہیں، بلکہ خالص علمی اور تحقیقی بات بھی ہے کہ اخلاق کے بارے میں قرآن مجید کی تعلیم اتنی مکمل، اتنی جامع، ایسی معتدل اور انسانی فطرت کے اس قدر مطابق ہے کہ اگر انسان اس پر عامل ہو جائے اور اپنی زندگی کے اخلاقی پہلو کو قرآن مجید کی اخلاقی تعلیم وہدایت کا پابند بنالے تو وہ اس زمین پر انسان کی صورت میں رحمت کا ایک فرشتہ ہوگا۔ اس کا مکمل نمونہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مشہور ارشاد ہے:۔

كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآن -

"آپؐ کے اخلاق وہی تھے جو قرآن مجید کی تعلیم ہے۔"

قرآنی دعوت وتعلیم کا یہ باب اتنا وسیع ہے کہ بلا مبالغہ ایک ضخیم کتاب اسی باب پر لکھی جا سکتی ہے اس لئے یہاں اس کے خاص خاص ہی عنوانات پر مختصر کچھ لکھا جائے گا۔

صبر

قرآن مجید نے جن اخلاق پر بہت زیادہ زور دیا ہے اور مختلف عنوانوں سے اور مختلف پیرایوں میں جن کی اہمیت اور فضیلت بیان فرمائی ہے اُن میں "صبر" کا خاص مقام ہے۔

لیکن ہماری اُردو زبان میں صبر کے معنی بڑے محدود ہو گئے ہیں۔ سمجھا جاتا ہے کہ صبر کا مطلب بس یہ ہے کہ موت اور بیماری اور فقر وتنگدستی جیسی مصیبتوں کو اس طرح سہہ لیا جائے کہ شور وفغاں اور شکوہ وشکایت کا اظہار نہ ہو اور کوئی ظالم اگر

ظلم کرے تو اُس کا انتقام نہ لیا جائے اور نہ نالہ و فریاد کی جائے۔

مگر قرآن کی زبان میں صبر کے معنی اس سے بہت زیادہ وسیع اور عمیق ہیں۔ مختصر الفاظ میں اس کی حقیقت کو کچھ اس طرح ادا کیا جاسکتا ہے کہ :-

"کسی عظیم اور مقدس مقصد کے لئے (مثلاً اللہ تعالےٰ کی رضا اور آخرت کے ثواب کے لئے یا دُنیا میں نیکی پھیلانے اور برائیوں کو مٹانے کے لئے یا دوسروں کی خدمت اور راحت رسانی کے لئے) صدموں، تکلیفوں اور ناگواریوں کو برداشت کرنا اور ناموافق حالات میں بھی حق اور سچائی پر مضبوطی سے جمے رہنا اور نیکی کے راستے پر چلتے رہنا صبر ہے"

صبر کی اس حقیقت کو ذہن میں رکھ کر قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیتیں پڑھئے، سب سے پہلے سورۂ بقرہ کی یہ آیت پڑھئے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝ (بقرہ ع-۱۹)

"اے ایمان والو! (مشکلوں اور تکلیفوں میں) صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو (یہ بات ناقابلِ شک اور بالکل یقینی ہے) کہ اللہ (اور اُس کی پوری مدد) صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"

صبر سے مدد حاصل کرنے کا مطلب سورۂ اعراف کی ان آیتوں سے اور زیادہ واضح ہوجاتا ہے جن میں مذکور ہے کہ جب فرعون اور اس کی حکومت نے یہ فیصلہ کیا کہ بنی اسرائیل کے سارے لڑکے قتل کئے جائیں اور لڑکیاں اور عورتیں باقی رکھی جائیں تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل کو تلقین فرمائی :-

اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا ۖ إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۖ (اعراف ع۱۵)

"اللہ ہی سے مدد طلب کرو اور صبر کو اپنا شعار بناؤ (یعنی مضبوطی سے حق پر جمے رہنے کا فیصلہ کرلو اور کمر کس لو، پھر دیکھو اللہ تعالیٰ کیا کرکے دکھاتا ہے) مُلک کا حقیقی مالک اللہ ہی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے مُلک کا وارث بنادیتا ہے"

اس کے بعد سورۂ آل عمران کی آخری آیت پڑھئے جو گویا اس عظیم سورۃ کے دفترِ ہدایت کا حرفِ آخر ہے۔ ارشاد ہے :۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۞ (آل عمران ع - ۲۰)

"اے ایمان والو! صبر سے کام لو، اور ایک دوسرے کو صبر پر آمادہ کرو اور (راہِ خدا میں جدوجہد کے لئے) مستعد اور کمر بستہ رہو اور اللہ سے ڈرو (یعنی تقویٰ کو اپنا شعار بناؤ) امید ہے کہ تم فلاح پاؤ گے"۔

انسان کی یہ فطری کمزوری ہے کہ حق اور نیکی کے راستے پر چلتے ہوئے جب اس کو مسلسل مصائب اور نقصانات برداشت کرنے پڑتے ہیں اور اپنی قربانیوں کا کوئی پھل وہ نہیں دیکھتا تو اس میں مایوسی آتی ہے اور اُس کی ہمت ٹوٹنے لگتی ہے۔ ایسے موقعوں کے لئے قرآن مجید میں فرمایا گیا :۔

وَاصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۞ (هود ع - ۱۰)

"اور صبر کرو کیونکہ اللہ تعالےٰ کا یہ دستور ہے کہ وہ نیکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا (دیر سویر ان کی نیکوکاری کا صلہ ضرور ملے گا)"۔

اور سورۂ نحل میں صبر کے حکم کے ساتھ یہ بھی واضح فرمادیا گیا ہے کہ صبر کی صفت وہ دولتِ عظمیٰ ہے جو اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق ہی سے نصیب ہو سکتی ہے۔ ارشاد ہے :۔

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ ۔ (نحل ع - ۱۲)

"اور صبر اختیار کرو اور (یاد رکھو کہ) تمہارا صبر کرنا بھی اللہ تعالےٰ ہی کی مدد اور توفیق سے ہوگا"۔

اب رہا یہ سوال کہ اللہ تعالےٰ سے صبر کی توفیق بندہ کیسے حاصل کرے؟ اس کا جواب قرآن مجید ہی سے یہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عزم وارادہ کی جو طاقت بندہ کی فطرت میں ودیعت رکھی ہے وہ ایک طرف تو اس سے کام لے، یعنی مصیبتوں اور تکلیفوں کو برداشت کرنے اور اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی میں ثابت قدم رہنے کا ارادہ کرے اور اس کے لئے اپنی خداداد ہمت کو استعمال کرے اور دوسری طرف اللہ تعالےٰ سے صبر اور ثابت قدمی کی دعا کرے۔

سورۂ بقرہ میں اگلے دور کی ایک جماعت مجاہدین کا ذکر کیا گیا ہے کہ اُن کا سابقہ ایک بڑے طاقتور اور جرّار فوج رکھنے والے دُشمن (جالوت) سے پڑا تو کچھ کمزور دل اور کمزور ایمان رکھنے والے تو جالوت اور اُس کے لشکروں کو دیکھ کر ہی ہمت ہار بیٹھے اور انہوں نے کہا کہ ان سے ٹکر لینے کی ہم میں طاقت نہیں (لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهٖ) لیکن جن کے دِلوں میں ایمان کی طاقت تھی انہوں نے کہا کہ فتح و شکست کا تعلق صرف قلت و کثرت ہی سے نہیں بلکہ تاریخ میں اُس کی مثالیں موجود ہیں کہ :-

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝
(بقرہ ع - ۳۳)

"قلیل تعداد رکھنے والے کتنے ہی گروہ اپنے مقابل کے کثیر التعداد گروہ پر اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی مدد سے غالب ہوتے ہیں اور اللہ تعالےٰ اور اس کی مدد صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

بہرحال قرآن مجید کا بیان ہے کہ اللہ کے ان بندوں نے اپنے دلوں کو مضبوط کیا اور پھر اللہ سے صبر و ثبات اور فتح و نصرت کی دُعا مانگی اور عرض کیا :-

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝
(بقرہ ع - ۳۳)

"اے ہمارے پروردگار! ہمیں صبر سے سرشار کر دے اور ہمارے قدم جما دے اور اس کافر گروہ پر فتح حاصل کرنے میں ہماری مدد فرما۔"

پھر اس معرکہ کا انجام قرآن مجید میں اس دُعا کے بعد ہی متصلاً ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے کہ :-

فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۔ (بقرہ ع - ۳۳)

"پھر یہ ہُوا کہ اللہ کی مدد اور اُس کے حکم سے ایمان رکھنے والے اس قلیل التعداد گروہ نے دُشمن کی کثیر التعداد فوج کو شکست دے دی۔"

اس پوری روداد سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے صبر کی توفیق حاصل کرنے کا راستہ یہ ہے کہ بندہ خود عزم و ہمت سے کام لے اور پُورے اخلاص و الحاح کے ساتھ اللہ تعالےٰ سے

صبر کی توفیق اور اس کا فیضان مانگے، جو بندہ ایسا کرے گا اللہ تعالےٰ اس کو صبر کی دولت اور طاقت عطا فرمائے گا۔

صبر والوں کا انجام اور مقام

اگرچہ مندرجۂ بالا اکثر آیتوں میں بھی صبر کے حکم اور اس کی تلقین کے ساتھ اُس کے اجر اور اُس کی خوش انجامیوں کی طرف اشارات موجود ہیں، تاہم دو تین آیتیں خاص صبر کے اجر و انجام ہی کے متعلق اور بھی پڑھ لیجئے :۔

سورۂ رعد میں ایک جگہ اُن بندوں کے خاص اوصاف و اخلاق کا ذکر کیا گیا ہے جن پر اللہ تعالیٰ کا خاص الخاص انعام ہوگا۔ اس سلسلۂ بیان میں ان بندوں کا ایک خاص حال یہ بھی بیان فرمایا گیا ہے :۔

وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ ؕ (رعد ع ۔ ۲)

"وہ لوگ جنہوں نے اللہ کی رضا طلبی میں (ہر قسم کی ناگواریوں اور تلخیوں پر) صبر کیا"

پھر اُن کا اُخروی انجام بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے :۔

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۚ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ؕ (رعد ۔ ۲)

"اور وہاں (جنت میں) اُن کے گھر کے ہر دروازے سے فرشتے اُن کے پاس اُن کے اکرام کے لئے آئیں گے اور کہیں گے کہ سلام ہو تم پر بہ سبب اس کے کہ تم نے دنیا میں صبر کو اپنا شعار بنایا، کیا ہی اچھا ہے یہ عاقبت کا ٹھکانا"

اور سورۂ آل عمران میں جنتی بندوں کے اوصاف و اخلاق بیان کرتے ہوئے سب سے پہلے اُن کی صفت صبر ہی کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہے :۔

اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ ۔ الآية (آل عمران ع ۔ ۲)

"صبر کرنے والے، سچ بولنے والے، اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنے والے"

اسی طرح سورۂ احزاب میں جہاں مسلمان مردوں اور عورتوں کو اُن کے ایمانی اوصاف و اخلاق کی بنا پر مغفرت و رحمت کی بشارت سنائی گئی ہے وہاں بھی صبر کی صفت کا ذکر خصوصیت کے

ساتھ کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے :۔

وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ ٥ (احزاب ع-٥)

" صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں "۔

اس کے بعد اسی قسم کی ان کی چند اور اخلاقی صفات بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا گیا ہے :۔

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ٥ (احزاب ع-٥)

" اللہ تعالٰے نے اپنے ان بندوں اور بندیوں کے لئے مغفرت (کا فیصلہ فرمایا ہے) اور اجر عظیم تیار کیا ہے "۔

ان ہی چند آیات سے سمجھا جاسکتا ہے کہ قرآنی دعوت و تعلیم میں صبر کا کیا مقام ہے اور صابرین کے لئے دُنیا اور آخرت ہی میں کیسی کیسی خوش انجامیوں کی اللہ تعالٰی کی طرف سے ضمانت ہے۔

سچائی اور راست بازی

قرآن مجید سے جن اخلاق کی بہت زیادہ اہمیت اور فضیلت معلوم ہوتی ہے ان میں سے ایک سچائی اور راست بازی بھی ہے۔ پھر قرآن مجید ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ صداقت اور سچائی کا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ زبان سے غلط اور خلافِ واقعہ بات نہ کہی جائے اور سچ بولا جائے بلکہ اس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اس میں دل کی سچائی اور عمل کی سچائی بھی شامل ہے۔

دل کی سچائی کا مطلب یہ ہے کہ اس میں کسی قسم کا نفاق اور کوئی دغا فریب نہ ہو اور عمل کی سچائی یہ ہے کہ جو عقیدہ اور قول ہو وہی عمل بھی ہو اور ظاہر و باطن میں پوری یکسانیت ہو جن بندوں کا یہ حال ہو وہی قرآن مجید کی اصطلاح میں صادق ہیں اور اگر اس صفت میں کامل ہوں تو صدیق ہیں۔ اور قرآن مجید کی دعوت و تعلیم یہ ہے کہ آدمی کو ایسا ہی ہونا چاہیئے اور ایسوں ہی کے ساتھ رہنا چاہیئے تاکہ " صحبتِ صالح ترا صالح کند " کے فطری اصول پر اُن کی ہم رنگی نصیب ہو۔ سورۂ توبہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے :۔

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (توبہ ع-۱۵)

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور صادقین کے ساتھ ہو جاؤ۔"

صدق اور سچائی کے معنی کی اس وسعت پر سورۂ بقرہ کی اُن آیات سے بھی روشنی پڑتی ہے جن میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے نیک بندے وہ ہیں اور اصلی نیکی انہی کی نیکی ہے جن کے دلوں میں اللہ تعالےٰ اور یوم آخرت اور دوسرے ایمانی حقائق پر ایمان ہو اور اس ایمان کی وجہ سے وہ اپنا کمایا ہوا مال اللہ تعالےٰ کے حاجت مند بندوں، یتیموں، مسکینوں وغیرہ پر صرف کرتے ہوں اور عہد کے پورا کرنے والے اور حق و صداقت کی راہ میں پڑنے والی مصیبتوں اور تکلیفوں کو صبر و ثابت قدمی کے ساتھ برداشت کرنے والے ہوں۔ ان بندوں کے یہ تمام اوصاف بیان فرمانے کے بعد آخر میں فرمایا گیا ہے :-

أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ (بقرۃ ع-۲۲)

"یہی بندے ہیں جو سچے ہیں اور یہی ہیں متقی پرہیزگار۔"

اسی طرح سورۂ حجرات میں فرمایا گیا ہے :-

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ (حجرات ع-۲)

"اصل مومن بندے تو بس وہی ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اُس کے رسول پر پھر کسی طرح کا شک وشبہ نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے جان و مال سے پوری جدوجہد کی بس یہی بندے ہیں سچے۔"

اور اسی وجہ سے کہ صدق اور سچائی کے معنی میں دل کی اور عمل کی سچائی بھی شامل ہے، سورۂ احزاب کی ایک آیت میں صادقین کے مقابلہ میں منافقین کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے :-

لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِيْنَ إِنْ شَآءَ ۔ الاٰیۃ (احزاب ع-۳)

"تاکہ اللہ تعالیٰ سچوں کو اُن کی سچائی کا عوض اور صلہ دے اور سزا دے منافقین کو اگر چاہے۔"

صدق و سچائی کے یہ معنی اور اس کی یہ وسعت اور گہرائی معلوم ہونے کے بعد آپ سے آپ یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ جن بندوں کو ایمان کے ساتھ صدق و سچائی کی یہ صفت پوری طرح نصیب

ہو وہ اللہ تعالیٰ کے کامل ترین بندے ہیں اور نبیوں کے سوا ان سے اونچا مقام کسی کا نہیں اسی لئے قرآن مجید میں جہاں اہلِ ایمان کے اُن چار طبقوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کو اللہ تعالیٰ کا خاص قرب اور مقبولیت و محبوبیت کا خاص مقام حاصل ہے اور جن پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی انعام ہے، وہاں نبیوں کے بعد دوسرے نمبر پر صدیقین ہی کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہے :-

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ (النساء ع-۹)

"اور جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کریں، پس وہ (جنت میں) اللہ کے اُن خاص بندوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی نوازش ہے، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین، اور یہ لوگ بڑے ہی اچھے ساتھی ہیں"

صداقت و صدیقیت کی صفت کی بلند مقامی کا اندازہ اس سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ جیسے جلیل القدر پیغمبر کی تعریف میں فرمایا گیا ہے کہ ان میں صدیقیت کی صفت موجود تھی۔ سورۂ مریم میں ارشاد ہوا ہے :-

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝ (مریم ع-۳)

"اور اس کتاب میں ابراہیمؑ کا حال ذکر کرو، وہ تھے صدیق، نبی!"

اسی طرح اسی سورۂ مریم کے اس سے اگلے رکوع میں حضرت ادریس علیہ السلام کے متعلق بھی بالکل یہی الفاظ فرمائے گئے ہیں اور اسی طرح حضرت مریمؑ کی شان میں بھی بڑے سے بڑا تعریفی کلمہ قرآن مجید میں یہ فرمایا گیا ہے: وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ" (حضرت مسیحؑ کی والدہ مریم "صدیقہ" تھیں۔ نیز قرآن مجید کا بیان ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے قید خانہ کے اس ساتھی نے جو اُن سے بہت متاثر اور اُن کا بڑا معتقد ہو گیا تھا اُن کو صدیق ہی کی صفت سے پکارا اور کہا :-

يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ "اے بڑے صادق و راست باز یوسف!"

پھر اس سے بھی بڑی بات یہ ہے کہ قرآن مجید میں صدق اور سچائی کو اللہ تعالیٰ کی بھی صفت بتایا گیا ہے بلکہ فرمایا گیا ہے کہ وہ سب سے بڑا سچا ہے :-

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ۝ (النساء - ع ۱۸)

"اور اللہ سے زیادہ کون سچا ہو سکتا ہے قول میں؟" (کوئی نہیں)

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ۝ (النساء ع - ۱۱)

"اور کون اللہ سے زیادہ سچا ہو سکتا ہے بات میں" ؟ (کوئی بھی نہیں)

صدق اور سچائی کی صفت کی یہ عظمت اور اہمیت معلوم ہو جانے کے بعد خود ہی سمجھا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس صفت کا کتنا بڑا درجہ ہے اور اس کا کیسا عظیم صلہ ملنے والا ہے۔ تاہم قرآن مجید کی چند آیتیں اس سلسلہ میں بھی پڑھ لیجئے :۔

ابھی صبر کے بیان میں سورۂ آلِ عمران کی وہ آیت ذکر کی جاچکی ہے جس میں جنتی بندوں کے اوصاف و اخلاق بیان کرتے ہوئے سب سے پہلے اُن کی صفتِ صبر اور صدق ہی کا ذکر کیا گیا ہے :۔

اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ - الاٰية ـ (آل عمران ع - ۲)

"صبر کرنے والے، سچے اور راست باز اور اللہ کے فرمانبردار بندے"۔

اور سورۂ احزاب میں صاحبِ ایمان بندوں اور بندیوں کے لئے جن صفات پر اللہ تعالیٰ کی خاص مغفرت اور اجرِ عظیم کی بشارت سنائی گئی ہے، ان میں ایمان و اسلام اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے بعد سب سے پہلے اُن کی صفتِ صداقت اور سچائی ہی کا ذکر کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے :۔

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ - الاٰية (احزاب ع - ۵)

"اسلام و ایمان لانے والے بندے اور بندیاں اور اللہ کی فرمانبرداری کرنے والے بندے اور بندیاں اور صدق و سچائی کی صفت رکھنے والے بندے اور بندیاں"۔

آگے اُن کی چند اور صفات بیان فرمانے کے بعد اُن کو بشارت سنائی گئی ہے کہ :۔

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا - (احزاب ع - ۸)

"اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے مغفرت (کا فیصلہ فرمایا ہے) اور اجرِ عظیم تیار کر کے رکھا ہے"۔

اور سورۂ مائدہ کے آخری رکوع میں قیامت کے دن کے بارے میں ارشاد ہوا ہے :۔

هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ٥ (مائدہ ع-۱۶)

"یہ وہ دن ہے کہ نفع دے گا صادقین کو یعنی سچوں کو اُن کا صدق اور اُن کی راست بازی اُن کے لئے جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اُن کا اللہ اُن سے راضی، اور وہ اپنے اللہ سے خوش، یہ بڑی عظیم الشان کامیابی ہے"

قرآن مجید نے صادقین کو مغفرت و جنت اور اجرِ عظیم اور رضائے الٰہی کی یہ روح پرور بشارتیں سُنا کر دراصل ایک خاص انداز سے صدق و سچائی کی نہایت مؤثر دعوت اور دلکش ترغیب دی ہے۔

وفائے عہد

عہد کا پُورا کرنا بھی دراصل صدق اور سچائی ہی کی ایک خاص شکل ہے بلکہ قرآن مجید میں بعض مقامات پر تو اس کے لئے صدق ہی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ سورۂ احزاب میں ارشاد ہے:۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ٥ (احزاب ع-۳)

"ایمان والوں میں کچھ لوگ وہ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا تھا اُس میں وہ سچے اُترے"

اس آیت میں وفائے عہد کو صدق ہی کے لفظ سے ادا کیا گیا ہے۔ بہرحال یہ صدق ہی کی ایک خاص قسم ہے لیکن قرآن مجید میں چونکہ اس کا مطالبہ وفائے عہد اور وفائے عقد کے مستقل عنوان سے کیا گیا ہے، اس لئے ہم نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ اس سلسلہ کے قرآن مجید کے ارشادات کو مستقل عنوان کے ذیل میں ذکر کریں۔ سورۂ مائدہ کی سب سے پہلی آیت جس سے یہ سورۃ شروع ہوتی ہے، سنئے! ارشاد ہے:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ٥ (مائدہ ع-۱)

"اے ایمان والو! تمہارے جو عہد، معاہدے اور جو معاملے ہوں اُن کو پُورا کرو"

اور سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا گیا ہے:۔

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ۝ (بنی اسرائیل ع-۲)

"عہد کو پورا کرو، یقیناً عہد کے بارے میں (قیامت کے دن) پوچھ گچھ ہو گی۔"

وفائے عہد کی اس صریح دعوت و تعلیم اور اس طرح کے سیدھے اور براہِ راست مطالبے کے علاوہ اس کی ترغیب قرآن مجید میں اس طرح بھی دی گئی ہے کہ عہد کے پورا کرنے والوں کو جا بجا جنت کی اور اخروی فوز و فلاح کی اور اللہ تعالےٰ کی رضا کی بشارت سنائی گئی ہے۔

سورۂ بقرہ کے بائیسویں رکوع کی اُن آیات کا تذکرہ ابھی اوپر صدق کے بیان میں ہو چکا ہے جن میں اللہ تعالےٰ کے نیک اور متقی بندوں کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں، وہاں ایک خاص وصف اُن کا یہ بھی بیان ہُوا ہے :-

وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عَاهَدُوْا ۔ (البقرہ ع-۲۲)

"اور وہ بندے جو پُورا کرنے والے ہیں اپنا عہد جب وہ عہد کریں۔"

اسی طرح سُورۂ مومنون کے شروع میں جہاں فلاح پانے والے اہلِ ایمان کے اوصاف و اخلاق بیان کئے گئے ہیں، وہاں اُن کا ایک خاص وصف یہ بھی بیان کیا گیا ہے :-

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝ (المومنون ع-۱)

"اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس لحاظ رکھتے ہیں۔"

اور سورۂ معارج میں جہاں جنّتی مسلمانوں کے اوصاف کا کسی قدر تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے وہاں بھی اُن کی اس صفت کو بالکل انہی الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے۔ (معارج ع ۱)

قرآن مجید نے وفائے عہد کی عظمت کو ایک دوسرے انداز میں اس طرح بھی ظاہر کیا ہے کہ اس کو حق تعالیٰ کی صفت بتایا ہے۔ ارشاد ہے :-

وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ ۔ (توبہ ع-۱۴)

"اور اللہ سے زیادہ کون اپنے عہد کو پورا کرنے والا ہے؟"

اور دوسری جگہ منفی انداز میں فرمایا :-

وَعْدَ اللّٰهِ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ۔ (روم ع-۱)

"اللہ کا وعدہ ہُوا ہے، اللہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔"

اور ایک اور جگہ تاکید کے صیغہ کے ساتھ فرمایا گیا ہے :۔

وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ۔ (حج ع ۔ ۶)

"اور اللہ تعالیٰ ہرگز وعدہ خلافی نہیں کرے گا"

اور ایک جگہ فرمایا گیا ہے :۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝ (رعد ع ۔ ۴)

"یقین کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا، جو اس کا وعدہ ہے ضرور پورا ہو گا"

ان آیتوں کا مفاد یہی ہے کہ وفائے عہد اللہ تعالےٰ کی صفت ہے۔ وہ اپنے ہر عہد اور ہر وعدہ کا پورا کرنے والا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس میں بندوں کے لئے اس کی کس قدر مؤثر اور دلکش ترغیب ہے کہ وہ بھی عہد کو پورا کیا کریں اور عہد شکنی سے بچیں۔

امانت

امانت بھی دراصل سچائی اور راست بازی ہی کی ایک خاص شکل ہے۔ اُردو محاورہ میں تو اس کا مطلب صرف اتنا ہی سمجھا جاتا ہے کہ کسی نے جو چیز کسی کے پاس رکھ دی ہو اُس میں کوئی خیانت اور کوئی بد دیانتی نہ کی جائے اور اس شخص کے مطالبہ پر یوں ہی وہ جُوں کی توں واپس کر دی جائے۔ اور یہ بھی بلاشُبہ ایک اخلاقی نیکی ہے لیکن عربی زبان اور خاص کر قرآنی محاورہ میں امانت کا مفہوم اس سے بہت زیادہ وسیع ہے اور تمام حقوق و فرائض کا دیانت داری کے ساتھ ادا کرنا اور ہر قابلِ لحاظ بات کا لحاظ رکھنا اس میں داخل ہے۔

امانت کے مفہوم کی اس وسعت کو ذہن میں رکھ کر اس کے متعلق قرآن مجید کی آیات پڑھیئے۔ سورۂ نساء میں ارشاد ہوا ہے :۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۔ (النساء ع ۔ ۸)

"بیشک اللہ تعالےٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ (تمہارے پاس اور تمہارے ذمہ) جن کی امانتیں ہیں ان کو وہ امانتیں ادا کرو"

پس اس آیت کی رُو سے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اگر اُس کے پاس کسی شخص کی کوئی بھی امانت ہو یا کسی کا مالی یا غیر مالی کوئی حق ہو تو اُس کو پُوری دیانت داری کے ساتھ ادا کرے اور اُس کے ادا کرنے میں کوئی کوتاہی اور خیانت نہ کرے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی کسی معاملہ میں اس سے مشورہ لے تو پُوری خیر خواہی کے ساتھ مشورہ دے۔ اسی طرح اگر کسی کا کوئی راز معلوم ہو جائے تو اُس کو بھی امانت ہی سمجھے اور اس کا افشاء نہ کرے۔

الغرض ادائے امانت کے اس قرآنی حکم میں اس طرح کی تمام صورتیں داخل ہیں۔

نیز قرآن مجید میں ادائے امانت کے اس حکم کے علاوہ اس کی ترغیب اس طرح بھی دی گئی ہے کہ امانتیں ٹھیک ٹھیک ادا کرنے والوں کو فلاح یاب اور جنتی بتلایا گیا ہے۔ چنانچہ سورۂ مومنون اور سورۂ معارج کے پہلے رکوع میں فلاح پانے والوں اور جنت میں جانے والوں کے اوصاف ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ :۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝ (المومنون ع ۱، المعارج ع ۱)

"اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس کرتے ہیں"

قرآن مجید میں اس وصف امانت کی عظمت کو اس طرح بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ اس کو اللہ تعالےٰ کے مقدس رسولوں کی اور اس کے مقرب ترین فرشتہ جبرئیل علیہ السّلام کی خاص صفت بتایا گیا ہے۔ سورۂ شعراء میں متعدد پیغمبروں کے تذکرے میں فرمایا گیا ہے کہ اُنہوں نے اپنی اُمتوں سے کہا :۔

اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ (الشعراء ع ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰)

"میں تمہارے لئے اللہ کا امانت دار پیغامبر ہوں (میرا خاص پیغام یہ ہے کہ) اللہ سے ڈرو اور میرے لائے ہوئے احکام کی فرمانبرداری کرو"

اور قرآن مجید کے بارے میں اسی سورۂ شعراء میں ایک جگہ فرمایا گیا ہے :۔

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ (الشعراء ع ۱۱)

"لے کر اترا ہے اس کو روح الامین۔

پس اللہ تعالیٰ کے جن بندوں کی یہ چاہت اور آرزو ہو کہ اللہ تعالیٰ کے نبیوں اور رسولوں اور اُس کے مقرب فرشتوں سے اُن کو کوئی نسبت حاصل ہو اور اُن کے پاکیزہ اوصاف و

اخلاق میں اُن کا کوئی حصّہ ہو تو انہیں چاہیئے کہ وہ امانت کے وصف کو اپنائیں اور جس کا جو حق اُن کے ذمّہ ہو اور جو اُن کی ڈیوٹی ہو اس کو پوری امانت داری اور دیانتداری کے ساتھ ادا کریں۔

عدل و انصاف

قرآن مجید کی دعوت و تعلیم میں جن اخلاقی اور معاشرتی امور پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے اُن میں ایک عدل و انصاف بھی ہے، یہ بھی دراصل سچائی اور راست بازی ہی کی ایک خاص قسم ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص کے ساتھ بلا دو رعایت وہ معاملہ کیا جائے اور اس کے بارے میں وہ خدا لگتی بات کہی جائے جس کا وہ واقعہ میں مستحق ہے۔ اسی عدل و انصاف پر دُنیا کا نظام قائم ہے، جس قوم اور جس سماج میں عدل و انصاف نہ ہو وہ اللہ کی رحمت سے محروم رہے گی اور دُنیا میں بھی اس کا انجام بہت ہی بُرا ہو گا۔

قرآن مجید نے اپنی دعوت و تعلیم میں عدل و انصاف کو جو خاص درجہ اور مقام دیا ہے اُس کا اندازہ سورۂ حدید کی ایک آیت سے لگایا جا سکتا ہے: ارشاد ہے :۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۝ (الحدید ع-۳)

"ہم نے اپنے رسول بھیجے، کُھلے کُھلے احکام لے کر، اور اُتاریں ہم نے ان کے ساتھ (ہدایت کی) کتابیں اور عدل و انصاف کا فرمان، تاکہ لوگ اپنے معاملات میں عدل و انصاف سے کام لیں۔"

اس آیت میں "المیزان" سے مراد عدل و انصاف کے احکام و قوانین ہیں، اس بناء پر آیت کا مفہوم یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کے ساتھ جس طرح مختلف صحیفے اتارے اسی طرح عدل و انصاف کے فرامین اور احکام و قوانین بھی اُتارے تاکہ اُس کے بندے ان صحیفوں کی روشنی میں اس کی بندگی کے راستے پر چلیں اور عدل و انصاف کے فرامین کی رہنمائی میں آپس میں عدل و انصاف سے برتاؤ کریں۔

الغرض اس آیت میں "المیزان" یعنی عدل و انصاف کا ذکر جس طرح "الکتاب" کے

ساتھ کیا گیا ہے۔ اس سے سمجھا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اور قرآن مجید کی دعوت و تعلیم میں عدل و انصاف کی کتنی غیر معمولی اہمیت ہے۔

قرآن میں ایک دوسری جگہ بھی اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ساتھ عدل و انصاف کے ایک فرمان کا ذکر اسی طرح کیا گیا ہے۔ سورہ شوریٰ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے :۔

قُلْ اٰمَنْتُ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَ اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْ ۔ (شوریٰ ع ۲۰)

"اے پیغمبر! آپ (ان یہودیوں اور عیسائیوں سے) کہہ دیجئے کہ میں ایمان لایا ہوں اس مقدس کتاب پر جو اللہ تعالیٰ نے اتاری ہے اور مجھے اس کا فرمان ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں، اللہ ہمارا بھی مالک و رب ہے اور تمہارا بھی"۔

اس آیت میں بھی عدل و انصاف کے فرمان کا ذکر جس طرح ایمان بالکتاب کے ساتھ کیا گیا ہے وہ قرآن مجید کے اشارہ شناسوں کو یہ سمجھنے کے لئے کافی ہے کہ قرآنی دعوت و تعلیم میں عدل و انصاف کی کتنی اہمیت ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ سورۂ نحل میں جہاں ایمان والوں کو بہت سے اہم اخلاقی احکام دیئے دیئے گئے ہیں، وہاں سب سے پہلا حکم انصاف ہی کا دیا گیا ہے۔ وہ رکوع شروع ہی ان الفاظ سے ہوتا ہے :۔

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ الخ (النحل ع ۱۳)

"اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے انصاف کا اور اچھا سلوک کرنے کا"۔

اور سورۂ انعام میں جہاں اللہ تعالیٰ کے اہم اوامر و نواہی کو یکجا بیان کیا گیا ہے، وہاں بھی عدل و انصاف کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے :۔

وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۵ (الانعام ع ۱۹)

"جب (کسی نزاعی معاملہ میں) تمہیں کچھ کہنا یا فیصلہ دینا ہو تو پورا انصاف کرو، اگرچہ (فریق معاملہ) تمہارا کوئی قرابت دار ہو"۔

سورۂ نساء کی ایک آیت میں اور زیادہ وضاحت و تفصیل سے فرمایا گیا ہے کہ ایمان والوں کا فرض ہے کہ وہ بے لاگ انصاف کرنے والے اور خدا کے لئے سچی گواہی دینے والے

بنیں۔ اگرچہ اس سے خود اُن کو یا اُن کے ماں باپ یا اور قرابت داروں کو نقصان پہنچے۔
ارشاد ہے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَن تَعْدِلُوا وَإِن تَلْوُوا ------ أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۝ (النساء ع - ۲۰)

"اے ایمان والو! ہو جاؤ خوب انصاف پر قائم رہنے والے اور انصاف کے حامی اور اللہ کے لئے سچی گواہی دینے والے، اگرچہ (وہ انصاف اور وہ گواہی) تمہارے ہی خلاف پڑے یا تمہارے ماں باپ اور دوسرے اقرباء کے خلاف پڑے، اگر فریق معاملہ دولت مند ہیں یا محتاج (دونوں صورتوں میں) اللہ تعالیٰ تم سے زیادہ اُن کا خیر خواہ ہے، پس تم انصاف کرنے میں اپنے نفس کی خواہش کی پیروی نہ کرو، اگر تم (کسی کی قرابت یا امیری غریبی کے لحاظ سے فیصلے میں یا گواہی میں) لاگ لپیٹ یا ایچ پیچ کی بات کرو گے یا خدا لگتی بات کہنے سے پہلوتہی کرو گے تو یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے پوری طرح خبردار ہے۔"

عدل و انصاف کے حکم کے بارے میں یہ آیت کتنی جامع اور کیسی محکم اور واضح ہے، فرمایا گیا ہے کہ معاملات میں عدل و انصاف کو اور سچی خدا لگتی بات کہنے کو اپنا اصول اور نصب العین بنا لو، اور پوری دیانت داری اور للّٰہیت کے ساتھ اس فرض کو ادا کرو خواہ اس سے خود تم کو یا تمہارے اعزاء و اقرباء کو کتنا ہی نقصان پہنچے، لیکن اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں اور سچائی اور انصاف کے معاملہ میں کسی کی جانب داری نہ کرو، نہ کسی امیر کی امیری کی وجہ سے اُس کی طرف داری کرو، اور نہ کسی غریب کی غربت و ناداری پر ترس کھا کر اس کی بے جا حمایت کرو، انصاف اور سچائی سب سے مقدم ہے، غریبوں کی غربت کو بھی اللہ تعالیٰ تم سے زیادہ دیکھنے والا ہے اور وہی سب کا حقیقی والی اور کارساز ہے۔

آخر میں یہ بھی فرمایا کہ کسی ایک فریق کی یا دونوں فریقوں کی ناراضگی سے بچنے کے لئے بات لگی لپٹی اور ایچ پیچ والی بھی نہ کہی جائے اور فیصلہ اور گواہی سے پہلوتہی بھی نہ کی جائے،

یہ دونوں باتیں بھی عدل وانصاف کے خلاف اور گناہ ہیں۔

آخر میں ایک آیت سورۂ مائدہ کی اور پڑھ لیجئے جس میں عدل وانصاف کے حکم کے ساتھ ساتھ یہ بھی تاکید فرمائی گئی ہے کہ اگر کچھ لوگ تمہارے دشمن اور بدخواہ ہوں تب بھی اُن کے ساتھ تم انصاف ہی کرو۔ ارشاد ہے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۝ (المائدہ ع-۲)

"اے ایمان والو! ہو جاؤ کھڑے ہونے والے اللہ کے لئے، کہنے والے عدل وانصاف کے ساتھ خدا لگتی اور لوگوں کی عداوت و بدخواہی تم کو اس گناہ کے ارتکاب پر آمادہ نہ کردے (یعنی کسی کی دشمنی سے متاثر ہوکر تم ایسے نہ ہو جاؤ) کہ اُن کے ساتھ بے انصافی کرنے لگو (تم ہر حال میں) انصاف ہی کرتے رہو، یہی طرزِ عمل قرینِ تقویٰ ہے۔"

اُوپر کی آیتوں میں یہ تاکید فرمائی گئی تھی کہ اپنے ذاتی نفع نقصان کے خیال سے یا رشتہ اور قرابت کی وجہ سے یا کسی کی امیری کے لحاظ سے یا کسی کی غربت پر ترس کھا کر اُسے نفع پہنچانے کی نیت سے کوئی بے انصافی اور جانبداری نہ کی جائے بلکہ صرف اللہ تعالےٰ کی خوشنودی کے لئے اور سچائی کا حق ادا کرنے کے لئے ہر معاملہ میں عدل وانصاف کیا جائے اور بات سچی اور خدا لگتی کہی جائے۔

اب سورۂ مائدہ کی اس آیت میں یہ فرمایا گیا کہ کسی دشمن کی دشمنی کی وجہ سے بھی اُس کے ساتھ بے انصافی نہ کی جائے بلکہ اس کی دشمنی اور بدخواہی کے باوجود معاملات میں اس کے ساتھ پورا انصاف کیا جائے، اور کسی معاملہ میں اگر وہ برسرِ حق ہو تو اس کی حمایت کی جائے اور اس کے حق میں فیصلہ دیا جائے۔

یہ ہے قرآن مجید کی دعوت و تعلیم عدل وانصاف کے باب میں۔

کاش! اگر مسلمانوں میں یہی ایک بات موجود ہوتی تو اس میں شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ اللہ تعالےٰ اس دُنیا کا انتظام آج بھی اُنہی کے ہاتھوں میں دیتا اور مصیبت زدہ دُنیا انہی کو سربراہی کے لئے منتخب کرتی۔

❊

سماحت وسخاوت

جن اخلاقی نیکیوں پر قرآن مجید میں خاص طور سے زور دیا گیا ہے اُن میں سے ایک سماحت وسخاوت بھی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بندے کو جو دولت و قوت اور جو نعمت اس دُنیا میں دی ہے، وہ اس سے صرف خود ہی فائدہ نہ اُٹھائے بلکہ اللہ تعالیٰ کے دوسرے بندوں پر بھی اس کو خرچ کرے اور اس سے ان کو فائدہ پہنچائے۔ اس کا دائرہ ظاہر ہے کہ بہت وسیع ہے اور بندگانِ خدا کی خدمت و اعانت کی تمام صورتیں اس عنوان کے تحت آجاتی ہیں۔

دوسرے ضرورت مندوں پر اپنی دولت خرچ کرنا، اپنے علم و فن اور اپنی قابلیت سے اُن کی کوئی خدمت کرنا، خود تکلیف اُٹھا کر اُن کے کام کر دینا اور جس مدد کے وہ محتاج ہوں اپنے وسائل سے اُن کی وہ مدد کر دینا، یہ سب شکلیں سماحت وسخاوت ہی کی شاخیں ہیں۔ اور قرآن مجید نے اس کو بنیادی نیکی قرار دے کر مختلف عنوانوں سے اس کی ترغیب دی ہے۔

سورہ بقرہ کے پہلے ہی رکوع میں (جس کو قرآن مجید کا تمہیدی حصہ کہنا صحیح ہے) قرآنی ہدایت سے فائدہ اٹھا کر فلاح یاب ہونے والے گروہ کے جو بنیادی اوصاف ذکر کئے گئے ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ :-

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۔ (البقرہ ع-۱)

"اور ہم نے ان کو جو کچھ دیا ہے وہ اس میں سے (ہماری راہ میں دوسرے بندوں پر بھی) خرچ کرتے ہیں۔"

مفسرین نے لکھا ہے کہ مال و دولت کے علاوہ جو خداداد قوت و طاقت، قابلیت اور محنت وغیرہ اللہ کے بندوں کی نفع رسانی کے لئے خرچ کی جائے وہ سب بھی اس میں داخل ہے، پھر اسی سورۂ بقرہ کے آخری حصہ میں ایک جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے :-

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ (البقرہ ع-۳۴)

"اے ایمان والو! ہم نے جو کچھ تم کو دیا ہے اس میں سے (ہماری راہ میں دوسروں پر بھی) خرچ کرو، قبل اس کے کہ (قیامت کا) وہ دن آجائے جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہوگی نہ کسی یار کی یاری، نہ کسی کی سفارش کام آئے گی۔"

اور تین رکوع کے بعد اسی سورۂ بقرہ میں راہِ خدا میں اپنی دولت و طاقت وغیرہ خرچ کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے اُس کی نافعیت اور اس کے اجر و ثواب کے بارے میں فرمایا گیا ہے :-

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ۚ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ وَجْهِ اللّٰهِ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝ (البقرہ ع ۳۷)

"اور جو اچھی چیز تم (اللہ کے بندوں پر) خرچ کروگے اس کا نفع اور ثواب تم ہی کو پہنچے گا اور تمہارا خرچ کرنا لوجہ اللہ ہی ہونا چاہیئے اور جو اچھی چیز بھی تم راہِ خدا میں صرف کروگے تم کو اس کا پورا پورا صلہ ملے گا اور تمہاری کوئی حق تلفی نہ ہوگی۔"

ایک دو آیتوں کے بعد پھر ارشاد ہوا ہے :-

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (البقرہ ع ۳۸)

"جو بندے خرچ کرتے ہیں (اللہ کی راہ میں دوسروں پر) اپنا سرمایہ رات میں اور دن میں خفیہ اور اعلانیہ، پس اُن کے واسطے اُن کے رب کے ہاں (جنت میں) اُن کا اجر ہے (جو اس کریم رب کے شان کے لائق ہے) اور (ان کا حال یہ ہوگا کہ) نہ انہیں کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔"

راہِ خدا میں اللہ تعالیٰ کے دُوسرے بندوں پر اپنی چیزیں صرف کرنے کی ترغیب کے سلسلہ میں ایک بات قرآن مجید نے یہ بھی کہی ہے کہ اس راہ میں خرچ کرنے والا جتنا خرچ کرے گا اللہ تعالےٰ کی طرف سے اُس کا سینکڑوں گنا اس کو دیا جائے گا، اس لئے اس راہ میں خرچ کرنا گویا ایک انتہائی نفع بخش تجارت اور ایک ایسی کھیتی ہے جس سے ایک ایک دانہ کے عوض سینکڑوں، ہزاروں دانے کاشتکار کو حاصل ہوتے ہیں۔ اسی سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے :-

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ (البقرہ ع - ۳۵)

"جو لوگ راہِ خدا میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں، اُن (کے اس مال) کی مثال اس دانہ کی سی ہے جس سے سات بالیں اُگیں، اُن میں سے ہر بالی میں سَو دانے ہوں اور اللہ جس کے لئے چاہے (اس سے اور زیادہ بھی) بڑھاتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔"

راہِ خدا میں خرچ کرنے کی ترغیب کے لئے ایک نہایت مؤثر انداز قرآن مجید میں یہ بھی استعمال کیا گیا ہے کہ اس مد میں خرچ کرنے کو اللہ تعالیٰ کو قرض دینے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

سورۂ مزمل میں ارشاد ہوا ہے :-

وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ۝ (مزمل ع - ۲)

"اور اللہ کو اچھا قرض دو (یعنی چیز بھی اچھی ہو اور نیت بھی اچھی ہو۔")

اور اس سے بھی زیادہ دلکش انداز میں سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے :-

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ؕ (البقرہ - ع - ۳۲)

"کون وہ بندہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دے، پھر اللہ تعالیٰ (اس کے بدلہ میں) اس کو بہت گنا بڑھا کر دے۔"

اسی طرح سورۂ حدید میں فرمایا گیا ہے :-

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۝ (حدید ع - ۲)

"کون ایسا بندہ ہے جو اللہ تعالےٰ کو قرض حسن دے، پھر اللہ تعالےٰ اس کو اُس کے واسطے بڑھا دے اور اُس کے واسطے کریمانہ اجر ہے۔"

اور سورۂ تغابن میں ارشاد ہوا ہے :-

اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ

حَلِیْمٌ ۝ (تغابن ع-۲)

"اگر تم اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دو گے تو اللہ تعالےٰ اس کو تمہارے لئے خوب بڑھائے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بڑا قدردان اور صاحبِ حلم ہے۔"

اس نیکی کی ترغیب کے لئے یہ "قرض حسن" دینے کی تعبیر، ظاہر ہے کہ محض بندہ نوازی ہے ورنہ اللہ تعالےٰ تو "غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ" ہے۔ اس کی پاک ذات قرضہ لینے دینے اور اس قسم کے ہر معاملہ اور کاروبار سے وراء الوراء ہے۔

اس سلسلہ میں قرآن پاک کی ایک ہدایت اور تعلیم یہ بھی ہے کہ اللہ کی راہ میں اس کے بندوں پر اچھی اور مرغوب و محبوب چیز خرچ کی جائے، ایسا نہ ہو کہ جب کوئی چیز اپنے لئے ناقابلِ استعمال اور ناکارہ اور بے قیمت ہو جائے تو اس کو اٹھا کر اللہ تعالےٰ کی راہ میں دے دیا جائے۔

سورۂ بقرہ کے اواخر میں جہاں راہِ خدا میں خرچ کرنے کی بار بار ترغیب دی گئی ہے وہیں یہ ہدایت بھی فرمائی گئی ہے :-

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ وَمِمَّا اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِنَ الْاَرْضِ وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْہُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِیْہِ اِلَّا اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْہِ ۝ (البقرہ ع-۳۷)

"اے ایمان والو! تم اپنی کمائی میں سے اور زمین سے ہماری نکالی ہوئی پیداوار میں سے اچھی عمدہ چیزیں (ہماری راہ میں) خرچ کرو، اور ایسا نہ ہو کہ بالقصد اور سوچ سمجھ کر ردی اور خراب چیزیں اس میں سے (اس راہ میں) خرچ کرو اور حال یہ ہے کہ (اگر تمہیں کوئی ایسی ردی چیز دے تو) نہیں ہو تم اس کے لینے والے اِلّا یہ کہ تم اس میں چشم پوشی سے کام لو۔"

اور سورۂ آلِ عمران میں ارشاد ہوا ہے :-

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۝ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ ۝ (آلِ عمران ع-۱۰)

"ہر گز تم نیکی کو نہیں پا سکتے جب تک تم (راہِ خدا میں) اس میں سے خرچ نہ کرو جو تم

کو محبوب اور عزیز ہے اور تم جو چیز بھی (اچھی یا بُری) خرچ کرو گے تو یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ کو اس کا خُوب علم ہے۔"

اس سلسلہ میں ایک خاص ہدایت یہ بھی دی گئی ہے کہ اللہ کی راہ میں اس کے بندوں پر جو کچھ خرچ کیا جائے اور اُن کی جو بھی خدمت اور مدد کی جائے اس کی غایت اور اس کا مقصد بس رضائے الٰہی ہونا چاہیئے۔

سورۂ بقرہ کے ۳۷ ویں رکوع کی وہ آیت اُوپر نقل ہو چکی ہے جس میں ارشاد فرمایا گیا ہے:۔

وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ۔

"اور نہیں خرچ کرتے ہو تم (اے اہلِ ایمان) مگر صرف رضائے الٰہی کی طلب میں۔"

مطلب یہ ہے کہ مومنین کی شان یہی ہے کہ اس طرح کے کام وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا طلبی کے داعیہ ہی سے کریں اس کے سوا ان کی کوئی غرض نہ ہو۔

اور سورۂ لیل میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جو پرہیزگار بندہ اپنا مال (اس کے دوسرے بندوں پر) صرف اس کی رضا کے لئے خرچ کرتا ہے اور رضائے الٰہی کے سوا اس سے اس کا کوئی مقصد نہیں ہے تو اُس کو اللہ تعالیٰ کی رضا بھی حاصل ہو جائے گی اور دوزخ کے عذاب سے بھی وہ بالکل محفوظ رہے گا۔ ارشاد ہے:۔

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۝ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ۝ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ۝ اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۝ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ۝ (اللیل)

"اور اس آتشِ دوزخ سے وہ پرہیزگار بندہ دُور رکھا جائے گا جو اپنا مال اللہ تعالیٰ کے لئے اُس کے دوسرے بندوں کو، اس لئے دیتا ہے کہ اس کے عمل کے ذریعہ اس کو پاکیزگی حاصل ہو، اور یہ بات نہیں ہے کہ اس پر کسی کا احسان ہو جس کا بدلہ دیا جائے بلکہ اپنے بزرگ و برتر پروردگار کی رضا طلبی ہی کے لئے دیتا ہو۔ اور بلاشبہ اس کا پروردگار اس سے راضی ہو جائے گا۔"

اس سلسلہ میں ایک اہم ہدایت قرآن مجید میں یہ بھی دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے جس بندہ کو کچھ دیا جائے یا اس کی کچھ خدمت اور مدد کی جائے تو اس پر اس کا احسان ہرگز

نہ جتایا جائے۔ اگر ایسا کیا گیا تو اس سے وہ نیکی بالکل اکارت ہو جائے گی۔

سورہ بقرہ ہی میں ارشاد ہوا ہے :۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ ط (البقرہ ع-۲۶)

"اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور اذیت دے کر رائیگاں نہ کرو۔"

یعنی اگر کسی نے کسی بندۂ خدا کو کچھ دیا اور اس کی کوئی خدمت اور مدد کی اور پھر کبھی اس پر احسان دھرا یا طعنہ کے طور پر تذکرہ کر کے اس بیچارے کا دل دکھایا تو گویا اپنی کی ہوئی نیکی کو بالکل ملیامیٹ کر دیا۔

ایثار

سماحت اور سخاوت ہی کی ایک اعلیٰ شکل یہ ہے کہ آدمی خود ضرورت مند ہوتے ہوئے اپنی چیز دوسروں پر صرف کرے اور دوسروں کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر مقدم رکھے۔ خود بھوکا رہے اور دوسروں کو کھلائے، خود تکلیف اٹھائے اور دوسروں کو آرام پہنچائے۔

قرآن مجید میں انصار مدینہ کی تعریف میں فرمایا گیا ہے :۔

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۔ (الحشر ع-۱)

"اور وہ مقدم رکھتے ہیں (ضرورت مند مہاجرین کو) خود اپنے پر، اگرچہ خود ان کو تکلیف اور تنگی ہو۔"

اور ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کے نیک اور مقبول جنتی بندوں کی تعریف میں ارشاد فرمایا گیا ہے :۔

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ۔ (الدھر۔ ع-۲)

"اور اللہ کے یہ بندے کھانے کی چاہت اور رغبت کے باوجود کھلا دیتے ہیں، وہ کھانا کسی مسکین یا یتیم یا کسی بے چارے قیدی کو۔"

اس وصف پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے اپنے بندوں کی یہ تعریف وتحسین بلاشبہ دوسرے بندوں کو اس کی بڑی موثر دعوت وترغیب ہے کہ وہ اپنے میں یہ خلق پیدا کر کے

اللہ کے مقبول بندے بنیں۔

بُخل

سماحت اور سخاوت کی ضد یعنی اس نیکی کے مقابلے کی بُرائی کا نام بُخل ہے، اس لئے قرآن مجید نے جس طرح سماحت وسخاوت کی ترغیب وتعلیم دی ہے، اسی طرح بُخل کی ممانعت اور اس کی سخت ترین مذمت فرمائی ہے۔ ایک دو آیتیں اس سلسلہ کی بھی یہیں پڑھ لی جائیں۔

سورۂ آل عمران میں ارشاد ہے :۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ط (آل عمران ع-۱۸)

”اور جو لوگ بُخل کرتے ہیں اُس میں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل وکرم سے دیا ہے (یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی دولت وقوت وغیرہ دوسرے بندوں پر خرچ نہیں کرتے وہ) یہ خیال نہ کریں کہ یہ (طرزِ عمل) اُن کے لئے کچھ اچھا اور نفع مند ہے (ہرگز ایسا نہیں ہے) بلکہ یہ اُن کے لئے نہایت بُرا ہے جو دولت ازراہِ بُخل وہ بچا بچا کر رکھ رہے ہیں، یقیناً وہ (قیامت کے دن) اُن کے گلے کا طوق بنے گی“

یہی بات سورۂ توبہ میں اور زیادہ واضح اور مؤثر الفاظ میں اس طرح فرمائی گئی ہے :۔

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ○ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ ط هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ ○ (التوبہ۹ ع-۵)

”اور جو لوگ اپنی دولت، سونا چاندی (وغیرہ) کو بطور ذخیرہ کے جمع کرتے اور جوڑتے رہتے ہیں، اور اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، پس اے

پیغمبرؐ! آپ اُن (پرستارانِ دولت) کو دوزخ کے درد ناک عذاب کی "خوشخبری" سُنا دیجئے (یہ درد ناک عذاب اُنہیں اُس دن ہو گا) جس دن کہ ان کی جمع کردہ دولت کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا۔ پھر اس سے اُن کے ماتھے، اُن کے پہلو اور اُن کی پیٹھیں داغی جائیں گی (اور اُن سے کہا جائے گا) یہ ہے (تمہاری وہ دولت) جس کو تم نے اپنے لئے جوڑا اور ذخیرہ کیا تھا، پس مزہ چکھو تم اپنی اس دولت اندوزی کا۔"

بُخل و کنجوسی کی مذمت اور بد انجامی کے بیان میں اگر قرآن مجید میں صرف یہی ایک آیت ہوتی تو کافی تھی، اس اخلاقی اور روحانی لعنت سے انسانوں کو بچانے کے لئے اس سے زیادہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے قلوب کو ان حقائق کا اذعان و یقین نصیب فرمائے۔

استغناء و قناعت

سماحت و سخاوت کی طرح استغناء و قناعت بھی انسان کے اعلیٰ شریفانہ اخلاق میں سے ہے، بلکہ کہنا چاہیئے کہ یہ دونوں نفس انسانی کی ایک ہی پاکیزہ صفت کے دو رُخ ہیں۔

استغناء و قناعت کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو جو کچھ اپنے جائز ذرائع اور اپنی محنت کے نتیجے میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے ملے وہ اسی کو اپنا حق و حصّہ اور اپنے لئے کافی سمجھے اور دوسروں کی چیز پر للچائی ہوئی نگاہیں نہ ڈالے اور نہ مخلوق میں سے کسی کے سامنے احتیاج و طلب کا ہاتھ پھیلائے۔

قرآن مجید کی ہدایت ہے کہ ہر انسان اللہ تعالےٰ کا بندہ ہے اور اللہ تعالیٰ ہی اس کا رحیم و کریم رب ہے، لہٰذا اس کو چاہیئے کہ اپنی حاجتوں کے لئے اس کے سوا کسی کے سامنے اپنا ہاتھ نہ پھیلائے۔ اللہ تعالیٰ کے خزانے میں سب کچھ ہے اور اُس کی رحمت بندوں کے لئے کافی ہے۔

اس مضمون کی متعدد آیتیں توحید کے بیان میں ذکر کی جا چکی ہیں، ایک آیت

یہاں اور بھی پڑھ لیجئے۔ ارشاد ہے :-

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ۔ (زمر ع-۴)

"کیا اللہ تعالےٰ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ؟ (پھر وہ کیوں کسی دوسرے کے سامنے ہاتھ پھیلائے ؟)

اللہ تعالیٰ نے دُوسروں کو جو کچھ اس دُنیا میں دے رکھا ہے اس کی حرص نہ کرنے اور اس کی طرف طمع کی نگاہ سے نہ دیکھنے کا براہِ راست حکم دیتے ہُوئے ایک جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے :-

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ ۝ (طٰہٰ ع-۸)

"اور ہرگز آنکھ اٹھا کے نہ دیکھو ان سامانوں کی طرف جن سے ہم نے اُن میں کے مختلف لوگوں کو متمتع کر رکھا ہے"

ایک دُوسری جگہ ہدایت فرمائی گئی ہے :-

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ط (النساء ع-۵)

"اور مت تمنا اور ہوس کرو اُس چیز کی جس میں اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر بڑائی اور فوقیت دی ہے"

مطلب یہی ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ نے اس دُنیا میں کسی کو دی اور تمہیں نہیں دی، تو تم اس کی ہوس مت کرو بلکہ اس کی طرف آنکھ اُٹھا کے بھی نہ دیکھو، بس اسی کا نام قناعت ہے۔

توکّل

استغناء اور قناعت کی جڑ بُنیاد توکل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے جس بندے کو توکل یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت و ربوبیت پر اعتماد اور بھروسہ نصیب ہو اور اس کا دل اس پر مطمئن ہو کہ اللہ تعالےٰ میری ہر ضرورت کے لئے کافی ہے اور وہ میرا رحیم و کریم پروردگار اور کارساز ہے۔ اس میں استغناء و قناعت کی صفت کا بدرجۂ کمال ہونا بالکل قدرتی بات ہے۔ علاوہ ازیں توکل بذاتِ خود اور بجائے خود اعلےٰ ترین ایمانی

صفت ہے، جس بندے کو توکل نصیب ہو وہ اللہ تعالےٰ کو اور اُس کی قدرت، اُس کے سارے خزانوں اور لشکروں کو ہر وقت اپنے ساتھ سمجھتا اور دیکھتا ہے، اس لئے قرآن مجید اپنے ماننے والوں کو توکل کی صفت اپنے اندر پیدا کرنے کی خاص طور سے تلقین اور تاکید کرتا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے :-

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ (آل عمران ع-۱۷)

"اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا اور اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد سے ہاتھ اُٹھا لے تو اس کے بعد کون تمہاری مدد کر سکتا ہے، اور ایمان والوں کو اللہ ہی پر توکل اور بھروسہ کرنا چاہیئے۔"

ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے :-

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ (تغابن ع-۱)

"اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں (صرف وہی مالک و معبود ہے) اور ایمان والوں کو بس اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیئے۔"

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے :-

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ ○ (الفرقان ع-۵)

"اور تم بھروسہ کرو اُس زندہ جاوید ہستی پر جس کو فناء اور موت نہیں (اور اس کے سوا سب فانی ہیں)۔"

ایک جگہ ارشاد ہوا ہے :-

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ
(طلاق - ع-۱)

"اور جو بندہ توکل کرے اللہ تعالےٰ پر، تو اللہ تعالےٰ اس کے لئے بالکل کافی ہے، بلاشبہ اللہ تعالےٰ اپنا کام پورا کرنے والا ہے۔"

تواضع

قرآن مجید نے جن اخلاق پر خاص طور سے زور دیا ہے اُن میں سے ایک تواضع بھی ہے۔ تواضع تکبر کی ضد ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی دوسروں سے اپنے کو کمتر سمجھے، اس کی روش اللہ تعالیٰ کے عاجز بندوں کی سی ہو اور دُوسروں کے ساتھ معاملت و برتاؤ نیچا بن کے کرے۔

تواضع کا ظہور رفتار میں بھی ہوتا ہے، گفتار میں بھی اور کردار میں بھی، حتیٰ کہ نشست و برخاست میں بھی۔

سورۂ فرقان میں جہاں اللہ پاک کے خاص مقبول بندوں کے اوصاف و اطوار بیان فرمائے گئے ہیں، وہاں ایک صفت اُن کی یہ بھی بیان فرمائی گئی ہے کہ وہ فروتنی کی چال چلتے ہیں۔ ارشاد ہے :-

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا الخ (الفرقان ع ۶)

"اور ربِ رحمٰن کے (خاص) بندے تو وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر نیچے بن کر۔"

اور سورۂ بنی اسرائیل میں جہاں اخلاص توحید اور اعمال و اخلاق وغیرہ کے متعلق قریباً دو رکوع میں واضح ہدایات دی گئی ہیں، وہاں آخری ہدایت یہ دی گئی ہے :-

وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ٥ (بنی اسرائیل ع ۴)

"اور زمین پر اکڑتے اور اینٹھتے نہ چلو، نہ تو تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو، نہ پہاڑوں کی لمبائی کو پہنچ سکتے ہو۔"

اور سورۂ لقمان میں حضرت لقمان کی زبان سے تواضع کے بارے میں یہ جامع نصیحت نقل فرمائی گئی ہے۔

انہوں نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا :-

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ٥ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ٥ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ط

إِنَّ أَنكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ ۝ (لقمان ع-۲)

"اور اپنے گال نہ پھلا لوگوں کے لئے (یعنی اُن کے ساتھ غرور کے ساتھ پیش نہ آ) اور زمین پر اتراتا ہُوا اور اکڑ کے نہ چل، اللہ تعالیٰ کسی متکبّر اور مغرور کو پسند نہیں کرتا اور اپنی رفتار میں اعتدال پیدا کر اور اپنی آواز نیچی رکھ (یعنی متکبّروں کی طرح گرج کر نہ بول کر) آوازوں میں سب سے بُری گدھوں کی آواز ہے۔"

بلاشُبہ ان آیتوں میں تواضع کا نہایت ہی جامع اور بڑا ہی مؤثر درس ہے "فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ؟" قرآن مجید میں تواضع کی تاکید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذات خاص کو مخاطب بنا کر بھی کی گئی ہے تاکہ سمجھ لیا جائے کہ دُنیا میں کسی کو خواہ کتنی ہی بڑائی اور عظمت حاصل ہو، اُس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ تواضع اور فروتنی سے پیش آئے اور اُن کے سامنے اپنی بڑائی کا مظاہرہ نہ کرے۔ دُنیا میں فضیلت و عظمت کا سب سے بلند مقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو حاصل ہے تاہم قرآن مجید میں آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذات پاک کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے :-

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ (حجر ع - ٦)

"اور اپنے بازو نیچے کرو، ایمان والے بندوں کے لئے (یعنی اُن کے ساتھ تواضع کا برتاؤ کرو")

دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے :-

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ (الشعراء - ع-۱)

"اور جُھکا دو اپنے بازو اُن اہلِ ایمان کے لئے جنھوں نے آپؐ کی پیروی اختیار کی ہے۔"

ان دونوں آیتوں سے یہ بھی معلوم ہُوا کہ تواضع اور فروتنی اُن ہی بندوں کا حق ہے جو صاحبِ ایمان ہوں۔ ان کے علاوہ جو لوگ ایمان سے محروم اور کفر و شرک کی گندگیوں میں مُبتلا ہیں، اگرچہ وہ ہمارے خلاف برسرِ پیکار اور درپئے آزار نہیں ہیں تو اُن کے ساتھ رواداری اور حُسنِ اخلاق اور حسبِ موقع احسان و ترحم کا معاملہ تو کیا

جائے گا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن کفر و شرک کی وجہ سے وہ تواضع کے مستحق نہیں ہیں، اُن کے ساتھ تواضع سے پیش آنا غیرتِ ایمانی کے خلاف ہے اس لئے قرآن مجید میں تواضع کا حکم صرف اہلِ ایمان کے لئے دیا گیا ہے۔

تکبّر اور غرور

جیسا کہ اُوپر عرض کیا گیا تواضع کی ضد تکبر اور غرور ہے، اس لئے تواضع اللہ تعالےٰ کو جس قدر محبوب ہے، غرور اور تکبر اسی قدر مبغوض ہے۔ قرآن مجید میں جا بجا تکبّر اور متکبّرین کی مبغوضیت کا اظہار فرمایا گیا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہُوا ہے :۔

لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَ مَا یُعْلِنُوْنَ ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِیْنَ ○

(النحل ع-۳)

"ضروری بات ہے کہ اللہ تعالےٰ ان سب کے ظاہر و باطن کو جانتا ہے یقینی ہے کہ وہ تکبّر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

دوسری جگہ ارشاد ہے :۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا ○ (النساء ع-٦)

"یقیناً اللہ تعالےٰ ایسے آدمی کو پسند نہیں کرتا ہے جو متکبر و مغرور اور اپنی بڑائی ظاہر کرنے والا ہو۔"

ایک اور جگہ فرمایا گیا ہے کہ جنت اُن ہی بندوں کا گھر بنے گی جو دُنیا میں بلند و بالا ہونے کے خواہش مند نہ ہوں اور ان کا مزاج تکبر پسند نہ ہو۔ ارشاد ہے :۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ؕ (قصص ع-٦)

"رہنے کا وہ آخری گھر (یعنی جنت) ہم اُس کو کردیں گے، اُن بندوں کے لئے جو نہیں چاہتے دُنیا میں اُونچا بننا اور فساد کرنا۔"

اس آیت کے اشارہ سے معلوم ہُوا اور تجربہ بھی بتلاتا ہے کہ دُنیا کے سارے فساد، بڑائی اور بالاتری کی خواہش ہی سے پیدا ہوتے ہیں، اس لئے تکبر ہی سارے فساد

کی جڑ بنیاد ہے۔

تکبر کی ایک بڑی نحوست یہ بھی ہے کہ وہ حق و ہدایت کے قبول کرنے سے بھی مانع ہو جاتا ہے، قرآن مجید میں کتنے ہی پیغمبروں کے تذکرہ میں بتایا گیا ہے کہ ان کی قوموں کے متکبرین نے صرف غرور و تکبر ہی کی وجہ سے ان پر ایمان لانے اور ان کا اتباع کرنے سے انکار کیا۔

سورۂ نحل میں فرعون اور اُس کی قوم کے بارے میں تو صراحت سے یہاں تک فرمایا گیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اُن کے پاس اللہ تعالےٰ کی جو نشانیاں لے کر آئے اُنہیں دیکھ کر اُن کے دلوں کو اگرچہ اس کا پورا یقین ہو گیا کہ یہ سب اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہیں، اور اُن کے لانے والے موسیٰؑ اللہ تعالےٰ کے نبی ہیں۔ لیکن اپنی متکبرانہ ذہنیت کی وجہ سے اُنہوں نے زبان سے پھر بھی انکار کیا اور کفر ہی پر قائم رہے اور بالآخر عذابِ الٰہی کا شکار ہوئے :۔

وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ط فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ٥ (النحل ع-۱)

"اور اُنہوں نے اللہ تعالےٰ کی اُن نشانیوں کا اِنکار کیا، حالانکہ اُن کے دلوں نے ان کا یقین کر لیا تھا (اس دلی یقین کے بعد بھی انہوں نے انکار) صرف ظلم اور غرور و تکبر کی بناء پر کیا، پھر دیکھو کیسا انجام ہوا ان مفسدین کا"

اور سورۂ والصّٰفّٰت میں جہنمیوں کے ایک طبقہ کا حال بیان کرتے ہوئے ان کی بدبختی کا خاص سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ :۔

اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ٥ وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ٥ (وَالصّٰفّٰت ع-۲)

"ان لوگوں کا وطیرہ یہ تھا کہ جب ان کو توحید کا پیغام دیا جاتا اور صرف ایک اللہ کی پرستش کو کہا جاتا تو وہ ازراہِ تکبر ناک بھوں چڑھاتے تھے اور کہتے تھے کہ کیا ہم ایک دیوانے شاعر کے کہنے سے اپنے دیوتاؤں کو چھوڑنے والے ہیں"

اور شیطان کی مردودیت کا بنیادی سبب بھی قرآن مجید نے اس غرور و تکبر ہی کو بتایا ہے :۔

قرآن پاک کا بیان ہے کہ جب اللہ تعالٰی نے اس کو آدمؑ کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا تو اُس نے اس حکم کی تعمیل نہیں کی، اللہ تعالٰی نے اس سے پوچھا کہ :۔

مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؟

"کس چیز نے تجھے سجدہ کرنے سے روکا؟ جبکہ میں نے تجھے حکم دیا تھا"۔

اُس نے کہا :۔

اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۔ (الاعراف ع-۲)

"میں اس سے بہتر ہوں اور وہ مجھ سے گھٹیا ہے"۔ (پھر میں اس کو کیوں سجدہ کروں)

بہرحال شیطان کو اُس کے غرور اور تکبر ہی نے اس سرکشی اور بغاوت پر آمادہ کیا۔

اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ٥ (بقرہ ع-۳)

"اُس نے حکم ماننے سے انکار کیا اور تکبر کا رویہ اختیار کیا اور ہو گیا کافروں میں سے ٥

تکبر عزازیل را خوار کرد! بزندانِ لعنت گرفتار کرد

حلم اور درگزر

حلم اور درگزر کا مطلب یہ ہے کہ کسی کی ایذا رسانی اور اشتعال انگیزی کو فراخ حوصلگی اور عالی ظرفی سے برداشت کر لیا جائے اور انتقام لینے اور سزا دینے کی پوری قدرت رکھنے کے باوجود اس غلط کار اور قصور وار شخص سے کوئی تعرض نہ کیا جائے اور اُس کی جہالت اور ناسمجھی کو لائق نظر اندازی سمجھ کر اُس کو معاف کر دیا جائے، بلاشبہ اخلاق میں اُس کا بڑا بلند مقام ہے۔ اور قرآن مجید نے اس کی بڑی ترغیب دی ہے :۔

سورۂ آل عمران میں ایک جگہ اللہ تعالٰی کی مغفرت اور جنت اور اُس کی خاص محبت کے حق دار بندوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے :۔

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ

عَنِ النَّاسِ ط وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ○ (آل عمران ع-۱۴)

"وہ بندے جو راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں خوشحالی میں بھی اور تنگی میں بھی اور جو پی جانے والے ہیں، غصّہ کو اور معاف کردینے والے ہیں لوگوں کے قصور، اور اللہ تعالیٰ ایسے نیکوکار بندوں سے محبت کرتا ہے۔"

اور سورۂ شوریٰ میں ہر ظلم و زیادتی کا مناسب بدلہ لینے کا قانونی جواز بیان فرمانے کے بعد برداشت کرلینے اور معاف کردینے کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے :-

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۔ (شوریٰ ع-۴)

"اور جو بندے برداشت کریں اور معاف کردیں تو یہ بڑی عزیمت اور بلندہمتی کی بات ہے۔"

اور اسی سورۃ کے اسی رکوع میں چند آیتیں پہلے، آخرت میں اللہ تعالیٰ کے خاص انعامات سے سرفراز ہونے والے اہلِ ایمان کے اوصاف بیان کرتے ہوئے اُن کا ایک خاص وصف یہ بھی بیان کیا گیا ہے :-

وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ یَغْفِرُوْنَ ○ (شوریٰ ع-۴)

"اور جب (کسی شرارت اور بدتمیزی پر) ان کو غصہ آتا ہے، تو وہ (انتقام نہیں لیتے بلکہ) معاف کردیتے ہیں۔"

اور سورۂ نور میں اپنے قصورواروں کو معاف کردینے کی ترغیب کس قدر مؤثرانداز اور کیسے دلنشین پیرایہ میں دی گئی ہے۔

ارشاد ہے :-

وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا ط اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ (النور ع-۶)

"اور ایمان والوں کو چاہیئے کہ (جس سے اُن کے حق میں کوئی زیادتی اور قصور ہوجائے اس کو) وہ معاف اور نظر انداز کردیا کریں۔ کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تعالےٰ تمہیں معاف کردے، اور اللہ تعالےٰ بخشنے والا اور

بہت مہربان ہے"۔

مطلب یہ ہوا کہ جو بندہ یہ چاہے اور اس کی تمنا اور آرزو رکھے کہ اللہ تعالیٰ اُس کے ساتھ مہربانی اور بخشش کا معاملہ کریں اُسے چاہیئے کہ وہ اپنے قصورواروں کے ساتھ مہربانی کا معاملہ کرے اور اُن کو معاف کر دیا کرے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ بخشش اور رحمت کا معاملہ فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ کی یہ بخشش و رحمت اُس کی عالی شان کے مطابق ہو گی۔

پھر ترغیب کا ایک دوسرا پہلو اس آیت میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ جس طرزِ عمل کا ہم کو حکم دے رہا ہے۔ وہ فرماتا ہے کہ خود میرا بھی وہی طرزِ عمل ہے، میں اپنے گناہگار بندوں کو بخشنے والا اور اُن پر رحم کرنے والا ہوں، تم بھی اپنے قصوروار بھائیوں کے قصور معاف کر دیا کرو۔ اور اس طرح میرا صفاتی قرب حاصل کر کے میرے رنگ میں رنگ جاؤ۔

قرآن پر اور قرآن نازل فرمانے والے ربِ رحیم پر ایمان رکھنے والا کون بندہ ہوگا جو اس پیامِ رحمت سے متاثر نہ ہو۔

قریب قریب یہی مضمون سورۂ تغابن میں ان الفاظ میں ارشاد فرمایا گیا ہے :۔

وَإِنْ تَعْفُوا وَتَصْفَحُوا وَتَغْفِرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

(تغابن ع - ۲)

" اور اگر تم درگزر کیا کرو اور نظر انداز کر دیا کرو اور معافی دے دیا کرو، تو اللہ تعالیٰ بھی بہت بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے"۔

یہاں تک جو آیتیں درج ہوئیں وہ خطابِ عام کی قبیل سے تھیں، اب ایک آیت سورۂ اعراف کے آخری رکوع کی پڑھیئے جس میں خاص طور سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے :۔

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ ۝ (اعراف ع - ۲۴)

" (لوگوں کی بیہودہ باتوں اور جاہلانہ حرکتوں سے) آپ درگزر کرنے اور معاف کر دینے کا شیوہ اختیار کیجئے اور نیک کاموں کے لئے کہتے رہیئے اور ان

جاہلوں، ناسمجھوں (کی جاہلانہ باتوں) کا کچھ خیال نہ کیجئے اور کوئی اثر نہ لیجئے۔"

اور سورۂ قصص میں اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و انعام کے مستحق اہلِ ایمان کے اوصاف و اخلاق کا بیان کرتے ہوئے ان کی ایک خاص صفت یہ بیان فرمائی گئی ہے:-

وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَا اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِى الْجٰهِلِيْنَ ۝ (قصص ع-٦)

"اور جب وہ سنتے ہیں (جاہلوں اوباشوں سے) کوئی بے ہودہ بات تو اس کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ بھائی! ہمیں اپنے کئے کا بدلہ ملے گا اور تم کو تمہارے کئے کا بس ہمارا سلام لو، ہم جاہلوں سے الجھنا نہیں چاہتے۔"

اسی طرح سورۂ فرقان میں بھی اللہ تعالیٰ کے خاص مقبول بندوں کی یہ صفت بیان کی گئی ہے:-

وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝ (فرقان ع-٦)

"اور جب جاہل لوگ اُن سے جہالت کی باتیں کرتے ہیں تو وہ (ان سے اُلجھتے نہیں بلکہ) کہتے ہیں بس بھائی! ہمارا سلام۔"

اگر قرآن مجید کی اس تعلیم و تلقین پر عمل کیا جائے تو دُنیا کے کتنے جھگڑے فساد ختم ہو جائیں اور باغِ عالم میں امن و سکون اور اُلفت و محبت کی کیسی بہار آ جائے۔

ہاں ایک بات یہاں قابلِ لحاظ ہے اور وہ یہ کہ حلم و درگزر کی اس قرآنی تعلیم کا تعلق ذاتی اور نجی معاملات و حقوق سے ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص میری ذات کو دُکھ پہنچاتا ہے اور میرا ہی قصوروار ہے، تو میرے لئے بہتر یہی ہے کہ میں اس کو معاف کر دوں۔ قرآن مجید کی تعلیم و ترغیب میرے لئے یہی ہے۔ لیکن اگر کوئی فرد یا گروہ دُنیا میں فساد برپا کرتا یا گمراہی پھیلاتا ہے یا اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدوں کو توڑتا ہے اور اس طرح فضا کو خراب کرتا ہے تو وہ ہرگز اس حلم اور درگزر کا مستحق نہیں ہے اور اس کے ساتھ نرمی اور درگزر کا برتاؤ کرنے میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی اور اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے قانون کی حق تلفی ہو گی اسلئے اسکے شر و فساد کے انسداد کیلئے

مناسب کارروائی کرنی ضروری ہو گی۔ قرآنِ عزیز میں جہاں جہاں مختلف قسم کے مجرموں اور بدکاروں کے حق میں سختی اور شدت کے برتنے کا حکم دیا گیا ہے وہ ایسے ہی مواقع کے لئے ہے، اس فرق کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہیئے۔

جرأت وشجاعت

قرآن کریم جس طرح تواضع وخاکساری اور درگزر و بُردباری کی تعلیم دیتا ہے، اسی طرح وہ اپنے موقع پر بہادری اور جانبازی اور جُرأت و اظہارِ قوت کی بھی تلقین کرتا ہے مثلاً اگر حق و باطل کا معرکہ ہو تو قرآن مجید اپنے ماننے والوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ فولادی انسانوں کی طرح پُوری بہادری اور ثابت قدمی کے ساتھ جنگ کریں۔

ایک موقع پر ارشاد ہے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا ۝ (انفال ع-٦)

"اے ایمان والو! جب تمہارا مقابلہ (دشمن کی) کسی فوج سے ہو تو تم ثابت قدم رہو۔"

ایک دُوسرے موقع پر ارشاد فرمایا گیا:-

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُم بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ ۝ (صف ع-١)

"اللہ تعالےٰ اپنے اُن بندوں سے محبت کرتا ہے جو اُس کی راہ میں صف بستہ ہو کر اور ایسے جم کر جنگ کرتے ہیں کہ گویا وہ سیسہ پلائی دیوار ہیں۔"

ایک اور موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرامؓ کی اس ایمانی قوت اور شجاعت کا ذکر خاص پیار اور تحسین کے انداز میں کیا گیا ہے کہ جب ان کو مرعوب اور دہشت زدہ کرنے کے لئے یہ خبریں پہنچائی گئیں کہ تمہارے دشمنوں نے تمہیں ختم کرنے کے لئے بڑی تیاریاں کی ہیں، اور بہت سامانِ جنگ جمع کیا ہے تو وہ بالکل مرعوب نہیں ہوئے بلکہ اس سے ان کی ایمانی قوت میں اور ترقی ہُوئی اور انھوں نے کہا کہ ہمیں ہمارا اللہ کافی ہے، ہم سب دیکھ لیں گے۔

سورۂ آل عمران میں ارشاد ہے :-

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِیْلُ ۝ (آل عمران ع-۱۸)

"ہمارے وہ صاحبِ ایمان بندے جن سے لوگوں نے کہا کہ (تمہارے مٹانے کیلئے) سارے لوگ جمع ہوئے ہیں اور انہوں نے بڑا سامان جمع کیا ہے، تم کو ان سے ڈرنا چاہیئے، تو اس بات نے اُن کی ایمانی کیفیت میں اور اضافہ کیا اور انہوں نے کہا ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے"

اسی طرح غزوۂ احزاب میں دشمنوں کی ٹڈی دل فوجوں کو دیکھنے کے بعد اہلِ ایمان نے جس ایمانی جرأت و ہمت اور شجاعت کا ثبوت دیا تھا، اس کا ذکر بھی قرآن پاک میں بڑی تحسین کے انداز میں کیا گیا ہے :-

ارشاد ہوا ہے :-

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِیْمَانًا وَّتَسْلِیْمًا ۝ (الاحزاب ع-۳)

"اور جب دیکھا ایمان والوں نے دشمن کی فوجوں کو، تو اُن کی زبان سے نکلا، یہ تو وہی ہے جس کی ہم کو اللہ و رسول نے پہلے سے خبر دے دی تھی، اور بلاشک سچ فرمایا تھا اللہ و رسولؐ نے اور اس سے ان کے ایمان و یقین میں اور اُن کی اطاعت کی صفت میں اور ترقی ہوئی"

اس سلسلہ میں ایک بات یہ بھی سمجھنے کی ہے کہ موت کا خوف یا کسی تکلیف یا نقصان کا اندیشہ ہی وہ چیز ہے جو جرأت و شجاعت کے راستہ میں رکاوٹ بنتی ہے اور آدمی کو بزدل بنا دیتی ہے۔

قرآن مجید نے بزدلی کی اس جڑ ہی کو کاٹ دیا، جابجا فرمایا گیا ہے کہ موت کا وقت مقرر ہے، اگر وہ وقت آگیا ہے تو کوئی بچا نہیں سکتا اور اگر وہ وقت ابھی نہیں آیا ہے تو کوئی مار نہیں سکتا۔

اسی طرح جابجا فرمایا گیا ہے کہ کسی تکلیف یا نقصان کا پہنچنا نہ پہنچنا اللہ تعالےٰ

کی مشیت اور ارادہ پر موقوف ہے، جب تک اس کا ارادہ اور حکم نہ ہو ہمیں کوئی گزند اور نقصان کسی طرف سے نہیں پہنچ سکتا اور جب اس کا حکم ہو تو کوئی ہمیں تکلیف اور نقصان سے بچا نہیں سکتا۔ دو تین آیتیں اس سلسلہ میں بھی پڑھ لیجئے سورۂ آلِ عمران میں ارشاد فرمایا گیا ہے :-

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كِتَابًا مُؤَجَّلًا ۝ (آل عمران ع-۱۵)

"اور کسی کو موت نہیں آسکتی بغیر حکمِ خدا کے، لکھا جا چکا ہے معین وقت (موت کا)"

ایک دوسرے موقع پر ارشاد ہے :-

إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ۝ (یونس ع-۵)

"جب آوے گا وقت اُن کی موت کا تو نہ ایک گھڑی پیچھے رہ سکیں گے اور نہ آگے جا سکیں گے (ٹھیک مقرر وقت پر اُٹھا لئے جائیں گے)"

اسی طرح ایک جگہ فرمایا گیا ہے :-

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۝ (تغابن ع-۲)

"کوئی مصیبت نہیں آسکتی بدوں حکم خدا کے"

اور سورۂ توبہ میں ارشاد ہے :-

قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝ (توبہ ع-۷)

"اے رسولؐ! آپؐ فرما دیجئے کہ ہمیں ہرگز کوئی مصیبت نہیں پہنچ سکتی سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے مقدر کر دیا ہے، وہ ہمارا مالک ہے اور ایمان والوں کو سب کام اسی اللہ کے سپرد کر دینے چاہئیں"

غور کیا جائے جس دل میں یہ تعلیم اُتر جائے پھر اس میں بزدلی کے لئے کہاں گنجائش رہ سکتی ہے؟ اور جرأت و شجاعت کی راہ میں اس کے لئے کیا رکاوٹ ہو سکتی ہے؟

وقار و خودداری

جرأت و شجاعت سے قریبی مناسبت رکھنے والی ایک اخلاقی صفت یہ بھی ہے جسے ہم اپنی زبان میں وقار اور خودداری کہتے ہیں۔ قرآن مجید اپنے ماننے والوں کو اس کی بھی ہدایت کرتا ہے کہ وہ باوقار اور خوددار ہو کر رہیں، ایسا رویہ نہ اختیار کریں کہ لوگوں کی نظروں میں ذلیل و خوار ہوں، حتیٰ کہ اگر کسی وقت ناداری اور حالات کی ناسازگاری سے لوبت فقر و فاقہ کی بھی آجائے تو بھی اپنے اس حال کو جہاں تک ہو سکے دوسروں پر ظاہر نہ ہونے دیں۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں سورۃ بقرہ میں ایک جگہ فرمایا گیا ہے :۔

يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمَاهُمْ (بقرہ ع ۳۷)

"ناواقف آدمی اُن کی بے سوالی کی وجہ سے اُن کو آسودہ حال سمجھے گا، تم پہچان سکتے ہو ان کو ان کے چہرہ کی خاص کیفیت سے"

اور سورۂ فرقان میں جہاں اللہ تعالیٰ کے خاص مقبول بندوں کے امتیازی اخلاق و اوصاف کا ذکر کیا گیا ہے، وہاں ان کا ایک وصف یہ بھی بیان فرمایا گیا ہے :۔

وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا۔ (فرقان۔ ع ۶)

"اور جب ان کا گزر ہوتا ہے لوگوں کی بے ہودہ باتوں پر تو وہ باوقار شریفوں کی طرح گزر جاتے ہیں"

الغرض اپنے ماننے والوں کو قرآن مجید کی ہدایت ہے کہ ان کا رویہ ایسا ہی خودداری اور وقار کا ہونا چاہیئے۔

حیا اور عفّت

شرم و حیاء اور عفت و پاکدامنی بھی ان اخلاق میں سے ہے جن پر قرآن مجید نے خاص طور سے زور دیا ہے، اور اس کی ضد بے حیائی اور اخلاقی آلودگی سے (جس کے لئے جامع لفظ قرآن مجید میں "فاحشہ" اور "فحشاء" کا استعمال کیا گیا ہے) بچنے کی سخت

تاکید فرمائی ہے، بلکہ منہیات و محرمات کے بیان میں کئی جگہ پہلے نمبر پر اسی کا ذکر کیا گیا ہے مثلاً سورۂ نحل کی اس آیت میں جو مختصر ہونے کے باوجود قرآن مجید کا ایک جامع ہدایت نامہ ہے (اور اسی وجہ سے جمعہ وغیرہ کے خطبوں کے آخر میں عام طور سے اس کو پڑھا جاتا ہے) ارشاد فرمایا گیا ہے کہ :۔

"اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عدل و انصاف اور احسان وغیرہ مکارمِ اخلاق کا حکم دیتا ہے۔"

اور :۔

وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ (النحل ع ۱۳)

"منع فرماتا ہے بے حیائی سے اور عام برائی سے اور ظلم و زیادتی کرنے سے، اللہ تعالیٰ تم کو یہ نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو۔"

اسی طرح سورۂ اعراف میں جہاں بنیادی محرمات کا ذکر فرمایا گیا ہے وہاں بھی سب سے پہلے نمبر پر "فواحش" ہی کا نام لیا گیا ہے۔ ارشاد ہے :۔

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (اعراف ع ۴)

"اے رسولؐ! آپ لوگوں کو فرمائیے کہ میرے رب نے حرام کر دیا ہے سب بے حیائی کی باتوں کو، جو اُن میں سے اعلانیہ ہوں اور جو چھپی ہوں (یعنی بے حیائی کی یہ باتیں اعلانیہ کرنا بھی حرام ہیں اور پردہ میں بھی) اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے گناہ کو اور ناحق ظلم و زیادتی کو، اور اس بات کو کہ تم شریک کرو اس کے ساتھ کسی بھی ہستی کو جس کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نہیں اُتاری اور یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے متعلق وہ بات کہو جس کا تمہیں (کسی صحیح ذریعہ سے) علم نہ ہو۔"

ان دونوں آیتوں میں، اور ان کے علاوہ بھی جن آیتوں میں بے حیائی کی باتوں (فحشاء یا فاحشہ یا فواحش) کی ممانعت فرمائی گئی ہے، تو یہ ممانعت دراصل نہی کی شکل میں حیاء اور عفت کا امر و حکم ہے۔

اس کے علاوہ قرآن مجید نے ان باتوں سے بھی منع فرمایا ہے جو بذاتِ خود اگرچہ بے حیائی کی باتیں نہیں ہیں لیکن اُن سے بے حیائی اور اخلاقی آلودگی کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو سکتا ہے۔ اسی بناء پر حکم دیا گیا ہے کہ نامحرم مردوں اور عورتوں کا جب سامنا ہو جائے تو دونوں نگاہیں نیچی کر لیا کریں۔ ایک دوسرے کی طرف نہ دیکھیں۔ سورۂ نور میں ارشاد فرمایا گیا ہے :۔

قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ٥ وَقُلْ لِلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ ٥ (نور ع۔۴)

"اے رسولؐ! آپ ایمان والوں کو حکم دیجئے کہ (جب نامحرم عورتوں کا سامنا ہو تو) وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ اُن کے لئے زیادہ پاکیزگی کی بات ہے اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اور کریں گے اللہ تعالےٰ اس سے پُوری طرح باخبر ہے۔ اور (اسی طرح) ایمان والی ہماری بندیوں کو آپ حکم سنائیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور شرمگاہوں کی حفاظت کریں"۔

خود آیت کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ آنکھوں پر یہ پابندی حیا اور عفت وعصمت کی حفاظت ہی کے لئے لگائی گئی ہے بلکہ پردہ سے متعلق سارے احکام کی اصل نوعیت یہی ہے کہ وہ حیاء اور عفت وعصمت کی حفاظت کے لئے دیئے گئے ہیں۔ سورۂ احزاب میں جہاں یہ حکم دیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گھر والیوں سے جب کوئی چیز مانگنی ہو تو پردے کی اوٹ سے مانگا کرو (وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ[1]) تو وہیں اس کی حکمت اور وجہ یہ بیان فرمادی گئی ہے :۔

ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ۔ (احزاب ع۔۷)

"یہ طرزِ عمل تمہارے اور اُن کے دلوں کو زیادہ پاک رکھنے والا ہے"۔

نیز اسی سورۂ احزاب میں جن ایمانی اخلاق واوصاف رکھنے والے مرد اور عورتوں کو

---

[1] یہ آیت اگرچہ اپنے سیاق کے لحاظ سے ازواجِ مطہراتؓ سے متعلق ہے لیکن حکم عام ہے ۔ ۱۲

مغفرت اور اجرِ عظیم کی بشارت سُنائی گئی ہے۔ اُن میں سے ایک وصف یہ پاکدامنی بھی ذکر فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہے۔

وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (احزاب ع-۵)

"اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد اور اسی طرح کثرت سے اس کا ذکر کرنے والی عورتیں اللہ تعالےٰ نے ان سب کے لئے مغفرت کا فیصلہ فرما رکھا ہے اور اجرِ عظیم کا سامان تیار کیا ہے۔"

اسی طرح سورۂ مومنون اور سورۂ معارج میں اللہ کے رحمت اور جنت کے مستحق مومنین کے جن امتیازی اوصاف کا ذکر کیا گیا ہے ان میں ان کی عفت اور پاکدامنی بھی ہے، دونوں جگہ الفاظ بالکل یکساں ہیں۔ ارشاد ہے :۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ (مومنون ع-۱ - معارج ع-۱)

"اور وہ بندے جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں (یعنی وہ جنت کے وارث ہوں گے اور جنت میں اُن کا بڑا اعزاز و اکرام ہوگا۔")

بہرحال قرآن مجید کی تعلیم کے مطابق حیا و عفت بھی ان خاص ایمانی اوصاف میں سے ہیں جن سے انسانوں کی نجات و فلاح کا مسئلہ وابستہ ہے۔

طہارت و پاکیزگی

اخلاق و آداب ہی کے سلسلہ کی قرآن مجید کی ایک تعلیم یہ بھی ہے کہ ہر قسم کی نجاست اور گندگی سے اپنے کو پاک صاف رکھا جائے۔ سورۂ مدثر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب بنا کر ارشاد فرمایا گیا ہے :۔

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ۔ (مدثر ع-۱)

"اور اپنے کپڑے (بھی) پاک صاف رکھو اور ہر طرح کی گندگی اور میل کچیل سے دُور رہو۔"

اور سورۂ توبہ میں اصحابِ نبیؐ کے ایک خاص طبقے کی صفائی پسندی اور اس کے خاص اہتمام کا ذکر فرما کر ارشاد فرمایا گیا ہے :-

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۔ (توبہ ع - ۱۳)

"اور اللہ تعالےٰ ان لوگوں کو محبوب رکھتا ہے جو خوب پاک صاف رہتے ہیں اور اس کا اہتمام کرتے ہیں"

اور سورۂ بقرہ میں ایک جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے :-

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ۝ (البقرۃ ع - ۲۸)

"اللہ تعالےٰ محبت رکھتا ہے توبہ کرنے والے اور پاک صاف رہنے والے بندوں سے"

گویا طہارت و پاکیزگی ان اوصاف میں سے ہے جن کی وجہ سے بندہ اللہ تعالےٰ کی محبوبیت کا مستحق ہو جاتا ہے ۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنَا مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ۔

معاملات میں پاکبازی اور اکلِ حلال

قرآن مجید نے انسانی زندگی کے تزکیہ اور اس کی سیرت کی تعمیر کے سلسلہ میں جو ہدایات اپنے ماننے والوں کو دی ہیں، ان میں سے ایک اہم ہدایت یہ بھی ہے کہ وہ اپنے لین دین کے معاملات میں پورے پاکباز ہوں اور اپنی روزی صرف جائز اور پاک ذریعوں سے حاصل کریں کسی ناجائز طریقے سے ایک پیسہ بھی نہ کمائیں۔

سورۂ بقرہ میں ماہِ رمضان کے روزوں کی فرضیت اور ان کے متعلق چند خاص احکام بیان فرمانے کے بعد متصلاً ارشاد فرمایا گیا ہے:-

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ○ (بقرہ ع-۲۳)

"اور تم ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق اور ناروا طریقوں سے نہ کھاؤ (یعنی حرام و ناجائز روزی سے تم ہمیشہ ہی روزہ رکھو"

اور قریب قریب انہی الفاظ میں سورۂ نساء میں ارشاد فرمایا گیا ہے:-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ - (النساء ع-۵)

"اے ایمان والو! تم ایک دوسرے کے مال آپس میں ناجائز طریقوں سے ہضم نہ کرو، ہاں اس میں حرج نہیں کہ باہمی رضامندی سے تمہارے درمیان جائز تجارتی لین دین ہو"

ان دونوں آیتوں میں ناجائز کمائی کی ممانعت کے لئے ایسا وسیع اور عام عنوان اختیار کیا گیا ہے جس میں کمائی کے سارے ہی ناجائز طریقے آجاتے ہیں۔ اس طرح ان آیتوں سے سُود، رشوت، جوا، سٹہ، لاٹری، دھوکہ، فریب کی تجارت اور ان کے علاوہ بھی کمائی کے سارے ناجائز طریقے خواہ وہ پرانے ہوں یا نو ایجاد، ان آیتوں کی رُو سے ممنوع اور حرام ہو گئے۔

پھر سُود اور جُوئے وغیرہ کی حرمت قرآن مجید میں جابجا مستقلاً بھی بیان فرمائی گئی ہے مثلاً سورۂ بقرہ کے اڑتیسویں رکوع میں سُود خوروں کی مذمت اور اُن کے بُرے انجام کے ذکر کے ساتھ "حَرَّمَ الرِّبٰو" کے صاف صریح الفاظ میں سُود کی حرمت کا اعلان فرمایا گیا پھر "یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰو" کے الفاظ سے سُود کی نحوست اور اللہ تعالےٰ کی نگاہ میں اُس کی مبغوضیت وملعونیت کو اور زیادہ واضح کیا گیا ہے۔ پھر جو لوگ یہ سب کچھ سننے کے بعد بھی سُودی کاروبار نہ چھوڑیں ان کو مخاطب کر کے سُنایا گیا :۔

فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ۔ "یعنی تمہیں اب خبردار رہنا چاہیئے کہ تم سے اللہ ورسول کی جنگ ہے، تم اب اللہ ورسول کے دُشمن ہو اور اللہ ورسولؐ تمہارے دُشمن ہیں" (نعوذ باللہ ثمّ نعوذ باللہ ثمّ نعوذ باللہ)

کمائی اور کھانے پینے ہی کے سلسلے میں شراب اور جُوا وغیرہ جو چند ناپاکیاں عربوں کی زندگی کا گویا جزو بنی ہوئی تھیں، اُن کے بارے میں سُورۂ مائدہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے :۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ (مائدہ۔ ع۔۱۲)

"اے ایمان والو! یہ شراب اور جوئے بازی اور یہ استھان (یعنی معبودانِ باطل کے آستانے اور اُن کے چڑھاوے) اور یہ پانسے (یعنی پانسوں کے ذریعہ قرعہ اندازی جو جُوئے ہی کی ایک خاص شکل ہے) یہ سب گندے ناپاک شیطانی کام ہیں اُن سے بچو تو تمہاری فلاح کی اُمید ہوسکتی ہے"

ناپ تول میں کمی بیشی جو بہت پرانی اور بہت عام بددیانتی ہے اس کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے :۔

وَاَوْفُوا الْکَیْلَ اِذَا کِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ ○

(بنی اسرائیل ع ۔۴)

"اور جب تمہیں کوئی چیز کسی کو ناپ کر دینی ہو تو پیمانہ پُورا بھر کر دو اور (جب کسی کو تول کر کچھ دینا ہو، تو) ٹھیک ترازو سے تولو (باٹ ترازو میں کوئی

پھیر اور بل نہ ہو۔")

اور سورۂ رحمٰن میں ارشاد فرمایا :۔

وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ ٥ (الرحمٰن ع ۱)

" اور حق وانصاف کے مطابق ٹھیک تولو اور وزن میں کمی نہ کرو (ڈنڈی نہ مارو)۔"

قرآن مجید نے ان واضح اور صریح احکام کے علاوہ ناپ تول میں بددیانتی کرنے والوں کو قیامت کے عذاب سے ایسے انداز میں ڈرایا ہے کہ جس دل میں خدا کے خوف اور ڈر کی کچھ بھی گنجائش ہو وہ لرز کے رہ جائے اور پھر کبھی بھول کے بھی اس سے یہ بددیانتی سرزد نہ ہو۔

ارشاد فرمایا گیا ہے :۔

وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَا اکْتَالُوْا عَلَی النَّاسِ یَسْتَوْفُوْنَ ٥ وَاِذَا کَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ یُخْسِرُوْنَ ٥ اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِکَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ٥ لِیَوْمٍ عَظِیْمٍ ٥ یَّوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ٥ (تطفیف)

" بڑی خرابی اور بہت برا انجام ہے ناپ تول میں بددیانتی کرنے والوں کے لئے (جن کا طرزِ عمل یہ ہے کہ) جب لوگوں سے وہ اپنے لئے ناپ کر لیتے ہیں تو بھر پور لیتے ہیں اور جب دوسروں کے لئے وہ کوئی چیز ناپتے یا تولتے ہیں تو کم دیتے ہیں کیا انہیں اس کا خیال نہیں ہے کہ وہ (مرنے کے بعد حساب اور جزا کے) یومِ عظیم کے لئے پھر زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے، جس دن کہ سارے انسان جلال و جبروت والے رب العٰلمین کے حضور میں کھڑے ہوں گے۔"

جو شخص سچے دل سے قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کی کتاب مانے وہ ان آیتوں کے سننے کے بعد ناپ تول میں بددیانتی کس طرح کر سکتا ہے، اگر ایمان کا دعوے کرنے والوں میں بھی ایسے لوگ کہیں نظر آتے ہیں تو سمجھنا چاہیئے کہ ان کے دل حقیقت ایمان سے محروم ہیں۔

حرام خوری کی ایک نہایت ہی لعنتی شکل یہ ہے کہ کوئی شخص مذہبی و روحانی پیشوائی کا لبادہ پہن کر یعنی عالمِ دین یا درویش بن کر چیلوں اور ہتھکنڈوں سے اللہ

کے سادہ دل بندوں سے نذرانے، چڑھاوے وصول کرے۔ ایسے لوگوں کا عام طریقہ یہ ہوتا ہے کہ تحصیل وصول کے اس سلسلہ کو ہمیشہ باقی رکھنے اور اپنی آنے والی نسلوں کے لئے بھی محفوظ کرنے کے لئے وہ اس کی پوری کوشش کرتے ہیں کہ اُن کے یہ ام افتادہ عوام دین کی صحیح تعلیم سے کبھی آشنا نہ ہونے پائیں اور اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں اور دین حق کے سچے خادموں اور داعیوں سے ہمیشہ دُور دُور اور الگ تھلگ رہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایسے لوگ زیادہ تر یہودیوں میں تھے۔ لیکن ہمارے اس زمانے میں بدقسمتی سے خود مسلمانوں میں ایسے پیشہ ور مولویوں اور پیروں کا ایک پورا طبقہ موجود ہے جس کا یہی کردار اور کاروبار ہے۔

بہرحال ایسے لوگ خواہ وہ یہودیوں، عیسائیوں میں ہوں یا مسلمانوں میں، قرآن مجید میں اُن کے بارے میں فرمایا گیا ہے :۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۔ (توبہ ع-۵)

"اے ایمان والو! بہت سے "عالم مولوی" اور "پیر فقیر" بندگانِ خدا کا مال ناجائز حیلوں اور ترکیبوں سے کھاتے ہیں (اور بجائے اس کے کہ ان بے چاروں کو کوئی دینی فائدہ پہنچاتے اور اللہ تعالیٰ کا راستہ بتاتے، اُلٹے ان کو) اللہ کے راستہ سے روکتے ہیں"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہود کے مذہبی پیشواؤں کا ایک طبقہ تھا جو پہلی آسمانی کتابوں (توراۃ وغیرہ) کے ان مضامین سے خوب واقف تھا جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت اور آپؐ کے لائے ہوئے دین و شریعت کی تصدیق ہوتی تھی، لیکن وہ اپنے عوام کے سامنے اس حقیقت کو ظاہر نہیں کرتا تھا، بلکہ تحریف و تاویل کے پردے ڈال کر اس کو چھپانا چاہتا تھا تاکہ یہ بے چارے عوام اسی طرح ان کے جال میں پھنسے رہیں اور نذرانوں، چڑھاووں کے سلسلہ میں کوئی فرق نہ پڑے۔ قرآن مجید میں سورۂ بقرہ میں ان لوگوں کو سخت وعید سنائی گئی ہے فرمایا گیا ہے :۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ الْکِتٰبِ وَیَشْتَرُوْنَ بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا
اُولٰٓئِکَ مَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِہِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا یُکَلِّمُہُمُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ
وَلَا یُزَکِّیْہِمْ وَلَہُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ط (البقرہ ع-۲۱)

"اللہ تعالےٰ نے جو کتابیں نازل کیں، جو لوگ اُن کے مضامین کو لوگوں سے چھپاتے ہیں اور اس حق پوشی کے ذریعے تھوڑے سے پیسے (نذرانے چڑھاوے) حاصل کرتے ہیں وہ اپنے پیٹ صرف آگ سے بھر رہے ہیں (وہ لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے یہاں خدا رسیدہ اور اللہ والے بنے ہوئے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ ان بہروپیوں سے سخت ناراض اور بیزار ہے) قیامت کے دن اللہ تعالےٰ اُن سے بات بھی نہیں کرے گا اور اُن کو (بخش کر) گناہوں سے پاک بھی نہیں کرے گا اور اُن کے لئے وہاں صرف دردناک عذاب ہے۔"

قرآن مجید نے ایک طرف تو کمائی کے ناجائز طریقوں اور حرام غذاؤں کو ممنوع قرار دیا اور ان پر سخت وعیدیں سنائیں اور دوسری طرف اس کی بھی ترغیب دی کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں اور جن کمائیوں کو حلال و طیب قرار دیا ہے (جن کا دائرہ بہت وسیع ہے) ان کو اللہ تعالےٰ کی نعمت سمجھ کر اس کے حکم کے مطابق آزادی سے استعمال کیا جائے اور اس کا شکر ادا کیا جائے، اپنے کو خواہ مخواہ تنگی میں نہ ڈالا جائے۔ سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا گیا :-

یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ وَاشْکُرُوْا لِلّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ
اِیَّاہُ تَعْبُدُوْنَ ٥ (البقرہ ع-۲۱)

"اے ایمان والو! ہم نے جو پاک طیب چیزیں تمہیں بخشی ہیں، ان کو بے تکلف کھاؤ اور اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کرو، اگر تم صرف اسی کی بندگی کرنے والے ہو (تو تمہارا طرزِ عمل یہی ہونا چاہیئے)۔"

اور سورۂ نحل میں فرمایا گیا :-

فَکُلُوْا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ حَلٰلًا طَیِّبًا وَّاشْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ
اِیَّاہُ تَعْبُدُوْنَ ٥ (نحل ع-۱۵)

"اللہ تعالیٰ نے جو حلال و طیب چیزیں تم کو عطا فرمائی ہیں، اُن کو بے تکلف کھاؤ اور اللہ تعالےٰ کی نعمت کا شکر ادا کرو، اور اگر تم صرف اسی کی عبادت کرتے ہو تو تمہیں ایسا ہی کرنا چاہیئے۔"

اور سورۂ مائدہ میں ارشاد فرمایا گیا :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ۝ (مائدہ ع - ۱۲)

"اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے جو پاکیزہ چیزیں تمہارے لئے حلال کی ہیں ان کو اپنے لئے حرام مت کرو اور اللہ تعالےٰ کی مقرر کی ہوئی حدود سے تجاوز نہ کرو ایسا کرنے والے اللہ تعالےٰ کو سخت ناپسند ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو حلال طیب چیزیں تمہیں عطا فرمائی ہیں ان کو بے تکلف کھاؤ پیو اور جس اللہ پر تمہارا ایمان ہے اس سے ڈرو (اور اس کے حدود و احکام کے پابند رہو)۔"

حق اور نیکی کو پھیلانے اور عام کرنے کی جدوجہد اور اس راہ میں جانبازی

عقائد اور اعمال، اخلاق اور معاملات وغیرہ زندگی کے مختلف شعبوں میں قرآن مجید نے جو ہدایات دی ہیں۔ (جو کسی قدر تفصیل سے گذشتہ اوراق میں ذکر کی جا چکی ہیں) کوئی عقل سلیم والا اس میں شک نہیں کر سکتا کہ یہ سب حق اور نیکی کی ہدایات ہیں، قرآن مجید ان ہدایات پر عمل کرنے کے مطالبے کے ساتھ اپنے ماننے والوں سے اس کا بھی مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس حق اور نیکی کو دوسروں میں پھیلانے اور عام کرنے کی بھی جدوجہد کریں۔ یعنی اس کی پوری کوشش کریں کہ اللہ تعالیٰ کے زیادہ سے زیادہ بندے حق اور نیکی کے اس راستے کو اختیار کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت اور آخرت میں جنت کے حق دار بنیں۔

حالات کے مطابق اس کوشش کی شکلیں اور اس کے درجے مختلف ہوتے ہیں، دعوت الی الخیر، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، جہاد فی سبیل اللہ، ان مختلف شکلوں کے عنوانات ہیں۔ یہ ناچیز اس موضوع پر تفصیلی کلام اپنی کتاب "دین و شریعت" میں کر چکا ہے، یہاں صرف یہی بتانا مقصود ہے کہ قرآن مجید کا مطالبہ اور اس کی دعوت و ہدایت اس بارے میں کیا ہے؟ اس لئے یہاں صرف اس سلسلے کی چند آیات درج کی جاتی ہیں۔

سورۂ آل عمران میں ارشاد ہے :-

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (آل عمران ع - ۱۱)

"اور ضروری ہے کہ تم میں ایک ایسی اُمّت ہو جو لوگوں کو بھلائی کی طرف دعوت دے نیکی کے لئے لوگوں سے کہے اور بُرائی سے روکے اور یہ کام کرنے والے ہی فلاح یاب ہوں گے۔"

اس آیت کے لفظ "مِنْکُمْ" سے لوگوں کو یہ شبہ ہو جاتا ہے کہ اس کام کا مطالبہ اس آیت میں قرآن کی ماننے والی پوری اُمّت سے نہیں کیا گیا ہے بلکہ یہ اس کے کسی خاص طبقہ کی ذمہ داری ہے۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو اس آیت ہی کے آخری جملہ "وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" سے اس غلط فہمی کی تردید ہو جاتی ہے، کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فلاح وسعادت کے حق دار صرف وہی لوگ ہوں گے جو اس کام کو انجام دیں اور جس عمل پر فلاح وسعادت کا حصول موقوف ہو۔ ظاہر ہے کہ اس کا مطالبہ صرف کسی خاص طبقہ سے نہیں کیا جا سکتا، بلکہ اس کی دعوت پوری اُمّت کو دی جانی ضروری ہے علاوہ ازیں اس آیت سے ۴، ۵ ہی آیتوں کے بعد قرآن نے اس مطالبہ کو پھر ان الفاظ میں دوہرایا ہے :-

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۔ (آل عمران ع - ۱۲)

"اے پیروانِ محمّد! تم تمام اُمّتوں میں بہترین اُمّت ہو جو لوگوں (کی اصلاح وہدایت) کے لئے ظہور میں لائی گئی ہے، تمہارا کام یہ ہے کہ تم نیکی کا حکم دیتے ہو بُرائی سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔"

اس آیت میں اس اُمّت کے وجود وظہور کی غرض وغایت ہی یہ بتائی گئی ہے کہ اس کو ایمان باللہ کے ساتھ امر بالمعروف نہی عن المنکر اور لوگوں کی اصلاح وہدایت کی خدمت انجام دینا ہے۔

الغرض اس آیت سے بھی یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ اُمّت کا کوئی خاص طبقہ اس کام کا ذمہ دار نہیں ہے، بلکہ پوری امت سے اس کا مطالبہ ہے۔

ہاں اس کام کی خاص نوعیت ایسی ہے کہ اکثر حالات میں اُمت کے ہر فرد کا اس میں لگنا ضروری نہیں ہوتا، بلکہ اس کی اہلیت وصلاحیت رکھنے والے افراد اگر بقدر کفایت اس کام میں لگے رہیں اور دوسروں کا تعاون انہیں حاصل رہے تو بھی کام پورا ہوتا رہتا ہے اور اس عاجز کا خیال ہے کہ غالباً اسی طرف اشارہ کرنے کے لئے پہلی آیت میں لفظ "مِنْکُمْ" لایا گیا ہے۔ واللہ اعلم

اور سورۂ حٰم سجدہ میں فرمایا گیا:۔

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ○ (حٰم سجدہ ع ۔ ۵)

"اور کون زیادہ اچھا ہو سکتا ہے اس شخص سے بات میں جس نے بلایا اللہ تعالےٰ کی طرف اور خود بھی نیک کرداری اختیار کی اور کہا کہ میں اللہ تعالےٰ کے فرمانبرداروں میں سے ہوں۔"

یعنی سب سے اچھی بات اس بندہ کی ہے جو ایمان وعمل صالح کا ذاتی سرمایہ رکھنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دوسرے بندوں کو بھی اس کی طرف بلاتا ہو اور ان کی اصلاح کی کوشش کرتا اور اس راہ میں جان کھپاتا ہو۔

اور سورۃ العصر میں فرمایا گیا:۔

وَالْعَصْرِ ○ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِىْ خُسْرٍ ○ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ○ (العصر)

"زمانہ کی گردش کی قسم! سارے انسان خسارہ میں ہیں، خسارہ سے بچنے والے اور فلاح پانے والے صرف وہ بندگانِ خدا ہیں جو ایمان لائیں، نیک اعمال کریں، اور راہِ حق پر چلنے کی اور نفس کو بُری خواہشوں سے تھامے رکھنے کی ایک دوسرے کو وصیت ونصیحت بھی کریں۔"

اس صُورت میں خسارہ سے بچنے اور فلاح پانے کے لئے ایمان اور عمل صالح کے ساتھ "تواصی بالحق" اور "تواصی بالصبر" کی بھی شرط لگائی ہے۔ اس "تواصی بالحق" کا مطلب ظاہر ہے کہ یہی ہے کہ عقائد میں، ایمان میں، اخلاق میں، معاملات میں (خواہ وہ معاملات

اور معبودانِ باطل کی غلامی سے نجات دلا کر ان کو اللہ تعالیٰ کی بندگی میں لانے کے لئے اور اُن کی زندگی کو پاکیزہ اور نورانی بنا کر ان کو اللہ تعالےٰ کی رحمت اور جنت کا مستحق بنانے کے لئے جو کوشش اور قربانی تم کر سکتے ہو اس میں دریغ نہ کرو۔ قرآن مجید میں اس کام کو اتنی عظمت دی گئی ہے کہ اس کو خود اللہ تعالےٰ کی نصرت اور اس کے کرنے والوں کو انصار اللہ یعنی "اللہ کے مددگار" کہا گیا ہے اور اُن کے لئے دُنیا اور آخرت کی بڑی سے بڑی سرفرازیوں اور سربلندیوں کے وعدے کئے گئے ہیں۔ سورۂ صف کی یہ چند آیتیں پڑھئے :۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنجِيكُم مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ وَأُخْرَىٰ تُحِبُّونَهَا ۖ نَصْرٌ مِّنَ اللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنصَارَ اللَّهِ كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّينَ مَنْ أَنصَارِي إِلَى اللَّهِ ۖ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنصَارُ اللَّهِ ۔ (صف ع-۲)

"اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایک ایسا کاروبار بتادوں جو دردناک عذاب سے تمہیں نجات دلا دے ؟ (سنو وہ یہ ہے) ایمان لاؤ اللہ اور اُس کے رسول پر (اور اس ایمان کے تقاضوں کو پُورا کر کے اپنے حقیقی مومن ہونے کا ثبوت دو) اور اپنے جان و مال سے اللہ تعالےٰ کے راستہ میں اور اس کے دین کے لئے جدّوجُہد کرو اس میں تمہارے لئے سراسر بہتری ہے اگر تم کو حقیقت کا علم ہو۔

(تم نے اگر ایسا کیا) تو اللہ تعالےٰ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تم کو بہشت کے ان باغات میں پہنچادے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور سدا بہار جنتوں کے نہایت ہی نفیس محلوں میں تمہیں بسائے گا یہی عظیم الشان کامیابی ہے (اور آخرت کی اس جنت اور کامیابی کے علاوہ اور اس سے پہلے) ایک دوسری نعمت بھی تم کو عطا کرے گا جس کی تمہیں چاہت ہے (اور وہ ہے) دشمنوں کے مقابلہ میں

انفرادی ہوں یا اجتماعی، شخصی ہوں یا قومی یا بین الاقوامی، اپنوں کے ساتھ ہوں یا غیروں کے ساتھ) غرض زندگی کے ہر معاملہ اور ہر شعبہ میں حق پر چلنے کے لئے لوگوں کو دعوت دی جائے۔

اسی طرح تواصی بالصبر کا مطلب یہ ہے کہ غلط راہوں پر چلنے اور غلط کام کرنے کی جو خواہشیں مختلف محرکات کی وجہ سے نفس میں پیدا ہوتی ہیں، اُن سے باز رہنے اور نفس کو قابو میں رکھ کر حق و ہدایت کا پابند رکھنے کی بھی دوسروں کو دعوت دی جائے اور وصیت و نصیحت کی جائے۔

بہرحال اس سورۃ میں بتایا گیا ہے کہ ایمان اور عمل صالح کی طرح یہ کام بھی ہمارے اُن بنیادی فرائض میں سے ہے جن کو ادا کئے بغیر ہم فلاح و سعادت سے ہمکنار نہیں ہو سکتے۔

اس کام کا ایک جامع اور وسیع تر عنوان جیسا کہ عرض کیا گیا جہاد فی سبیل اللہ بھی ہے، جس کا اصل مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں پوری محنت اور کوشش کرنا، یعنی اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اللہ کے راستہ پر لگانے اور اس کی رضا و رحمت کا مستحق بنانے کے لئے جس وقت جس محنت و کوشش اور جس قربانی کی ضرورت ہو اور جو اپنے امکان میں ہو وہ کر گزرنا۔

جہاد کے اصل معنی یہی ہیں، ہاں اس کی شکلیں جیسا کہ عرض کیا جا چکا حالات کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہیں۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ کے بارہ تیرہ سالوں میں جس طرح یہ کام کرتے رہے وہ جہاد کی ایک شکل تھی، پھر مدینہ طیبہ کے ابتدائی دور میں آپؐ نے اور آپ کی رہنمائی میں آپ کے اصحاب کرامؓ نے جو دعوتی اور تبلیغی کوششیں فرمائیں اور جو محنتیں اور مشقتیں اس سلسلہ میں اُٹھائیں وہ بھی جہاد کی ایک شکل تھی اور اس کے بعد بدر و اُحد اور دوسرے غزوات میں جنگ و قتال کے جو معرکے ہوئے وہ بھی جہاد ہی کی ایک شکل تھی۔

پس قرآن مجید میں جہاں جہاں اہلِ ایمان سے جہاد فی سبیل اللہ کا مطالبہ کیا گیا ہے، اس کا مطلب یہی ہے کہ اللہ کے بندوں کو اللہ والا بنانے کے لئے اور شیطان و نفس

اللہ تعالیٰ کی مدد اور قریبی فتح اور اے پیغمبر! آپ ایمان والے بندوں کو اس کی خوشخبری سنا دیجئے۔ اے ایمان والو! ہو جاؤ اللہ کے مددگار جیسا کہ عیسیٰ بن مریمؑ نے حواریوں سے کہا تھا کہ کون ہیں میری مدد کرنے والے اللہ کے راستہ میں؟ تو حواریوں نے کہا کہ ہم ہیں اللہ کے انصار اور اس کے راستہ میں آپ کے مددگار۔"

اور سورۂ مائدہ میں فرمایا گیا ہے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ (مائدہ ع ۔ ۶)

"اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس کے (قرب ورضا) کا راستہ تلاش کرو (یعنی ایسے عمل کرو جن سے اس کی رضا اور قرب حاصل ہو، اس سلسلہ کا خاص الخاص عمل یہ ہے کہ) اس کے دین کی راہ میں (یعنی اس کے بندوں کو اس کی راہ پر لگانے کے لئے) بھرپور کوشش کرو تاکہ تم فلاح پا سکو۔"

اور سورۂ حج کے خاتمہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے:۔

وَجَاهِدُوا فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۚ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۚ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۚ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَٰذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ۔ (الحج ع ۔ ۸)

"اور جدوجہد کرو اللہ کی راہ میں (یعنی اس کے بندوں کو اس کے راستہ پر لگانے کے لئے پوری محنت اور کوشش کرو) جیسی محنت اور کوشش کا اس کا حق ہے (اے امتِ محمدؐ اب) اللہ نے تم کو اس خدمت کے لئے چنا ہے، طریقہ ہے تمہارے باپ ابراہیمؑ کا، اس نے تمہارا (کیسا اچھا) نام مسلم رکھا ہے، اس (کتاب قرآن مجید) میں، اور اس سے پہلے (والی کتابوں میں) تو ایسا ہو کہ رسولؐ تو تمہیں بتانے والا ہو اور تم باقی دنیا کے بتانے والے بنو۔"

اور سورۂ حجرات میں اس جہاد فی سبیل اللہ یعنی دین کے لئے محنت و قربانی کو لازمۂ ایمان بتایا گیا ہے اور صاف فرمایا گیا ہے کہ سچے مومن بس وہی ہیں جن کو اللہ و رسولؐ پر اور ان کی باتوں پر یقین ہو۔ دل میں کسی شک و شبہ کا گزر نہ ہو اور

وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جدوجہد اور قربانی بھی کرتے ہوں۔

ارشاد ہوا ہے :-

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝

(الحجرات ع - ۲)

"اصلی مومن تو بس وہی بندے ہیں جو یقین لائے اللہ تعالیٰ پر اور اُس کے رسولؐ پر، پھر وہ کسی شک و شبہ میں گرفتار نہیں ہوئے اور انہوں نے خوب کوشش کی اور قربانی دی اپنے جان و مال کی اللہ کے راستہ میں، بس وہی بندے (ایمان کے دعوے میں) صادق اور سچے ہیں"۔

آخر میں سورۃ توبہ کی ایک آیت اور پڑھ لی جائے جس میں بتایا گیا ہے کہ اہلِ ایمان کی شان یہ ہونی چاہیئے کہ دُنیا کی ہر محبوب اور پسندیدہ چیز حتّٰی کہ اپنے ماں باپ اور بیوی بچوں سے بھی زیادہ اللہ اور رسولؐ کی محبت اور اللہ کی راہ میں جدوجہد اور جانبازی محبوب ہو۔ اگر کسی کا یہ حال نہ ہو تو وہ اللہ کی رحمت و عنایت کا نہیں بلکہ سزا کا مستحق ہے۔ العیاذ باللہ۔

سُورۂ توبہ میں فرمایا گیا :-

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ (توبۃ ع - ۳)

"اے پیغمبرؐ! مسلمانوں سے کہئے کہ اگر تمہارے ماں باپ اور تمہاری اولاد اور تمہارے بھائی بند اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ قبیلہ اور تمہاری کمائی ہوئی دولت اور تمہاری وہ تجارت جس کے ٹھپ ہو جانے کا تمہیں خطرہ ہے اور تمہارے رہنے کے مکانات جو تمہیں عزیز ہیں (تو اگر یہ چیزیں) زیادہ پیاری ہیں، تم کو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسولؐ سے، اور اس کی راہ میں محنت و جانبازی سے

تو منتظر رہو، یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ اپنا فیصلہ کر دے (اور تم کو اس کی سزا مل جائے) اور اللہ تعالیٰ کا دستور یہ ہے کہ وہ نافرمانوں کو ہدایت کی نعمت عطا نہیں فرماتا۔"

اس آیت سے معلوم ہُوا کہ مومن کی اصل شان یہ ہے کہ راہ خدا میں جان بازی اور دین کے لئے جدوجُہد اس کو دُنیا کی ساری چیزوں سے زیادہ محبوب و مرغوب ہو۔

گویا صرف یہ عمل ہی نہیں بلکہ اس عمل سے عشق ہونا چاہیئے۔ اور بے شک عشق ہی کی طاقت سے اس راستہ کی مشکلات کو عبور کیا جاسکتا ہے ؎

در رہ منزلِ لیلیٰ کہ خطرہاست بسے
شرطِ اوّل قدم آنست کہ مجنوں باشی

قرآنی خطبات ومواعظ

یوں تو سارا قرآن ہی نصیحت وموعظت ہے اور مختلف عنوانات کے تحت جو کئی سو آیتیں ہم نے یہاں تک اس کتاب میں درج کی ہیں، وہ سب ہی کسی نہ کسی نصیحت وموعظت کی حامل ہیں لیکن قرآن پاک میں بہت سے مقامات ایسے بھی ہیں جن کی حیثیت مستقل خطبات ومواعظ کی ہے اور گذشتہ عنوانوں میں سے کسی کے تحت ہم نے اُن کو درج بھی نہیں کیا ہے۔ اب اس عنوان کے تحت ہم ان ہی کو درج کرنا چاہتے ہیں۔

اگرچہ قرآن مجید میں ایسے مقامات پچاسوں کیا بلکہ سینکڑوں ہیں لیکن یہاں ہم صرف دس مقامات کی چند چند آیتیں قرآنِ مجید کی ترتیب ہی کے لحاظ سے درج کرنے پر اکتفا کریں گے۔ یہی ہماری اس کتاب کا آخری عنوان اور گویا "خاتمۃ الکتاب" ہے۔

وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

آزمائشوں کے دور میں صبر اور نماز سے مدد حاصل کی جائے

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتٌ ۭ بَلْ أَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۭ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْا إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۝ أُولٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ

رَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ○ (بقرہ ع ۔ ۱۹)

"اے ایمان والو! (مشکلات و مصائب کے مقابلہ کے لئے) صبر اور نماز سے مدد لو، اللہ تعالیٰ (کی نصرت) صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے (اور نماز کے ذریعہ بندہ اپنے رب سے خاص رابطہ پیدا کرتا اور اُس کے حضور میں پہنچ جاتا ہے) اور (اے اہلِ ایمان تم میں سے) جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید کر دیئے جائیں اُن کے بارے میں نہ (تو ایسا خیال کرو اور نہ زبان سے) کہو کہ وہ مُردے ہیں (وہ مرے نہیں ہیں) بلکہ ایک خاص حیات کے ساتھ وہ زندہ ہیں لیکن تم اُن کی اس خاص زندگی کا شعور نہیں رکھتے ہو۔

اور ہم ضرور تمہیں آزمائشوں کی بھٹی میں ڈالیں گے اور خوف و خطر اور فاقہ کشی اور جان و مال کے نقصانات اور پیداوار کی کمی میں تم کو ہم مبتلا کریں گے (کیونکہ حق پر چلنے والوں اور حق کی دعوت دینے والوں کے لئے ان منزلوں سے گزرنا ضروری ہے) اور اے پیغمبر! فلاح و کامرانی کی بشارت دیجئے ان صابر بندوں کو جن کا حال یہ ہے کہ جب اُن پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ (دل و زبان سے) کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں اور (یہاں کی یہ چند روزہ زندگی ختم کر کے) ہمیں اسی کی طرف پلٹ کے جانا ہے۔ یہ وہ بندے ہیں جن پر اُن کے پروردگار کی خاص عنایتیں اور رحمتیں ہیں اور یہی ہدایت یاب ہیں"۔

مصیبتوں اور آزمائشوں کے وقت کے لئے ان آیتوں میں اہلِ ایمان کی تسلی اور رہنمائی کا کتنا کافی سامان ہے۔

صبر کی صفت اپنے اندر پیدا کرنا اور نماز کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے رابطہ قائم کرنا اور اس حقیقت کا استحضار اور مراقبہ کہ ہم اور ہمارا سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے اور ہم کو پلٹ کر اسی کے حضور میں جانا ہے، یہ تینوں طاقت کے وہ خزانے ہیں جن کے اپنے پاس ہوتے ہوئے کوئی صاحبِ ایمان اپنے کو کبھی کمزور نہیں محسوس کر سکتا۔

بندوں کو اُن کے مالک کا بلاوا جنت اور رحمت کی طرف

سورۂ آل عمران میں ارشاد فرمایا گیا ہے :-

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۟ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝ (آل عمران ع - ۱۴)

"اور فرمانبرداری کرو اللہ تعالےٰ کی اور اس کے رسولؐ کی تاکہ تم رحمت کے مستحق ہو جاؤ (اللہ و رسولؐ کے فرمانبردار بندے ہی رحمت کے مستحق ہوتے ہیں) اور تیزی سے بڑھو اپنے پروردگار کی بخشش کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کی وسعت تمام آسمان و زمین کی وسعت کے برابر ہے جو اہلِ تقویٰ کے لئے تیار اور آراستہ کی گئی ہے (جن کا طریقہ یہ ہے کہ وہ (نیکی کی راہوں میں) خرچ کرتے ہیں، فراغت و خوشحالی میں بھی اور تکلیف و تنگدستی کی حالت میں بھی، اور وہ پی جانے والے ہیں غصہ کو اور معاف کر دینے والے ہیں لوگوں کے قصور، اور اللہ تعالےٰ محبت کرتا ہے ایسے نیکوکاروں سے اور (وہ بندے بھی مغفرت و جنت کے مستحق ہیں) جن کا حال یہ ہے کہ جب کوئی بُری اور بے حیائی کی حرکت اُن سے سرزد ہو جاتی ہے یا کوئی گناہ کر کے وہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو فوراً اللہ تعالیٰ ان کو یاد آجاتا ہے پھر وہ اپنے اس مالک سے اپنے گناہوں کی معافی اور بخشش چاہتے ہیں۔

اور اللہ تعالےٰ کے سوا کون ہے جو گناہوں کو بخش سکے- اور وہ دیدہ و دانستہ

اپنے ان اعمالِ بد پر اصرار نہیں کرتے، یہ سب بندے وہ ہیں کہ اُن کی جزا، اور ان کا صلہ بخشش ہے اُن کے پروردگار کی طرف سے اور بہشتی باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ ہمیشہ اُن میں رہیں گے اور یہ اچھا بدلہ ہے ان عمل کرنے والوں کے لئے ''

گویا ہمارے مالک اور پروردگار کا اعلان ہے کہ میری رحمت اور جنّت کا دروازہ ان گناہگار بندوں کے لئے بھی کھلا ہوا ہے جنہیں اپنے گناہ پر اصرار نہ ہو اور وہ گناہ کے بعد توبہ کر کے اور بخشش کے طالب بن کر میری طرف رجوع کریں۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ التَّوْبَةَ وَنَسْئَلُكَ الْجَنَّةَ۔

دینِ حق کے بنیادی احکام اور نصائح

سُورۂ انعام میں ارشاد ہے:۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ (الانعام ع-۱۸)

'' اے پیغمبر! اُن سے کہئے! آؤ میں تمہیں سناؤں کہ تمہارے پروردگار نے کیا کیا تم پر حرام کیا ہے؟ (اور اس نے کیا کیا خاص پابندیاں تم پر لگائی ہیں۔ سب سے پہلا اور سب سے اہم حکم اُس کا یہ ہے کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو (ہر قسم کے شرک سے بچو) اور (اس کے بعد دوسرا حکم اس کا یہ ہے کہ) ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اور افلاس کی وجہ سے اپنے پیدا ہونے والے بچوں کو ہلاک نہ کر ڈالو، ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی دیں گے۔ اور بے شرمی

و بے حیائی کی باتوں کے پاس نہ جاؤ خواہ وہ خفیہ ہوں یا اعلانیہ۔ اور کسی ایسی جان کو قتل نہ کرو جس کا قتل اللہ تعالےٰ نے حرام ٹھہرایا ہے، مگر یہ کہ کسی حق کی بنا پر کسی کو قتل کیا جائے (جیسے مثلاً قصاص میں قاتل کو قتل کیا جاتا ہے) یہ وہ باتیں ہیں جن کا تمہیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، شاید کہ تم سمجھ بوجھ کا رویہ اختیار کرو، اور (اس کا حکم ہے کہ) یتیموں کے مال کے قریب نہ جاؤ (اور اُن کے مال کو ہاتھ بھی نہ لگاؤ) اِلّا ذیہ کہ اُن کے فائدے کے لئے اُن کے مال میں کوئی تصرف کرنا ضروری ہو تو) اچھے طریقے سے کر سکتے ہو (وہ بھی) اس وقت تک کہ یتیم اپنے سنِ رشد کو پہنچ جائے۔

اور انصاف و دیانت کے ساتھ ناپ تول پوری کیا کرو، ہم آدمی پر اتنی ہی ذمّہ داری ڈالتے ہیں جتنی اس کے امکان میں ہو، اور جب بات کہو تو انصاف کی اور خدا لگتی کہو، اگرچہ فریقِ معاملہ تمہارا کوئی عزیز و قریب ہی ہو۔ اور اللہ تعالےٰ (کے احکام کی پوری پوری فرماں برداری کر کے اُس) کے عہد کو پورا کرو۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کا اللہ تعالےٰ نے تمہیں خاص طور سے حکم دیا ہے، اُمید ہے کہ تم نصیحت پکڑو گے۔"

اللہ تعالےٰ کی بات ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کا انجام

سورۂ رعد کی یہ آیتیں پڑھئے اور فیصلہ کیجئے کہ آپ کو کس راستہ پر چلنا ہے، اور مذکورۂ ذیل دو فریقوں میں سے کس فریق کے ساتھ اپنے کو شامل کرنا ہے :-

لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ۚ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ
مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ
الْحِسَابِ ۙ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَا
اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝
الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۙ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ

بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ۝ وَالَّذِيْنَ
صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا
وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۝
جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ
وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ
فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝ وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ
وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ
لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ۝ (الرعد ع ۲ - ۳)

"جن بندوں نے اپنے پروردگار کی بات مانی اور دعوتِ ایمانی اور پیغامِ ربانی کو قبول کیا اُن کے لئے بڑی خوش انجامی ہے اور جنھوں نے قبول نہیں کیا (ان کے لئے بڑا بُرا انجام ہے' ان کا حال وہاں یہ ہوگا کہ) اگر بالفرض اُن کے پاس وہ سب کچھ ہو جو ساری دُنیا میں ہے، اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور بھی ہو تو وہ اپنی خلاصی کے لئے بطور فدیہ کے اس سب کو دے ڈالیں گے، اُن کے واسطے بڑا سخت حساب ہے' اور دوزخ ان کا (آخری اور دائمی) ٹھکانہ ہے' اور وہ بڑی بُری قرار گاہ ہے' (اے پیغمبر!) جس (خوش نصیب بندہ) کو اس حقیقت کا علم ویقین نصیب ہے کہ جو کچھ تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے وہ حق ہے' کیا وہ اُس (بدبخت شخص) کی طرح اور (انجام میں) اس جیسا ہو سکتا ہے جو اس حقیقت سے اندھا ہے (ظاہر ہے کہ ان دونوں کا انجام ایک نہیں ہو سکتا) نصیحت تو بس صحیح عقل وبصیرت رکھنے والے ہی قبول کرتے ہیں، جو بندے اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرتے ہیں' اور عہد شکنی نہیں کرتے اور جو اُن روابط اور تعلقات کو جوڑتے ہیں جن کے جوڑنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے' اور اپنے مالک سے ڈرتے ہیں، اور حساب وانجام کی بُرائی کا اندیشہ رکھتے ہیں اور جو بندے اپنے مالک کی رضا جوئی میں اپنے نفسوں کو قابو میں رکھتے ہیں اور نماز اہتمام سے ادا کرتے ہیں اور ہم نے جو کچھ اُن کو دیا ہے وہ (نیکی کی راہوں میں) اُس میں

سے پوشیدہ اور اعلانیہ خرچ کرتے ہیں، اور (جن کا طریقہ یہ ہے کہ) بُرائی کا جواب بھی وہ نیکی سے دیتے ہیں، بس یہ وہ بندے ہیں جن کے لئے دارِ آخرت کی خوش انجامی ہے (یعنی) سدا بہار جنّتیں ہیں، جن میں داخل کئے جائیں گے اور اُن کے (ساتھ ان کے) وہ ماں باپ اور وہ بیوی بچے بھی جن میں کچھ صلاح اور نیکی ہوگی، اور ملٰئکۃ ہر دروازے سے اُن کے پاس پہنچیں گے (اور اُن کو اس طرح سلامی دیں گے) "سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَی الدَّارِ" (یعنی سلام آپ لوگوں پر بہ سبب اس کے کہ آپ لوگ مضبوطی سے جمے رہے (حق اور نیکی کے راستے پر) پس بہت اچھا ہے آپ لوگوں کا اخروی انجام اور اس کے برعکس جن لوگوں کی یہ سیرت ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کے عہد کو پکا کرنے کے بعد توڑتے ہیں، اور جن روابط و علائق کے جوڑنے کا حکم دیا گیا ہے، اُن کو توڑتے ہیں اور اللہ پاک کی زمین میں فساد اور گمراہی پھیلاتے ہیں، اُن کے لئے اللہ کی لعنت ہے اور دارِ آخرت کا بُرا انجام ہے"۔

سرکش مجرموں کو سخت انتباہ اور قیامت میں اُن کا انجام

سورۂ ابراہیم کا یہ پورا آخری رکوع پڑھئے! کیسا لرزہ خیز انتباہ ہے؟ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا۔

ارشاد ہے :-

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰہَ غَافِلًا عَمَّا یَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۵ۛ اِنَّمَا یُؤَخِّرُھُمْ لِیَوْمٍ تَشْخَصُ فِیْہِ الْاَبْصَارُ ۵ مُھْطِعِیْنَ مُقْنِعِیْ رُءُوْسِھِمْ لَا یَرْتَدُّ اِلَیْھِمْ طَرْفُھُمْ ج وَاَفْئِدَتُھُمْ ھَوَاءٌ ۵ وَاَنْذِرِ النَّاسَ یَوْمَ یَاْتِیْھِمُ الْعَذَابُ فَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَکَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمْ تَکُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَکُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۵ وَّسَکَنْتُمْ فِیْ مَسٰکِنِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ وَتَبَیَّنَ لَکُمْ کَیْفَ فَعَلْنَا بِھِمْ

وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ۝ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ؕ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ۝ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ ذُوانْتِقَامٍ ۝ یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ وَتَرَى الْمُجْرِمِیْنَ یَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ ۝ سَرَابِیْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ۝ لِیَجْزِیَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ۝ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِیُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِیَعْلَمُوْۤا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِیَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ (ابراھیم رکوع آخر)

"اور ہرگز ایسا مت خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کی بدکرداریوں سے بے خبر ہے (ایسا نہیں ہے اُسے سب خبر ہے کہ اُن کے سارے کرتوت اس کی نظر میں ہیں وہاں) اُن کے جزا سزا کے معاملہ کو اُس نے اس "یوم عظیم" کے لئے مؤخر اور ملتوی کیا ہے، جس دن (کی ہولناکیوں کو دیکھ کر) ان مجرموں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی (وہ اونٹ کی طرح) سر آسمان کی طرف اُٹھائے (ہانپتے کانپتے) دوڑے چلے جا رہے ہوں گے (ان کی دہشت و گھبراہٹ اور بدحواسی کا یہ عالم ہوگا کہ اُوپر ہی کی جانب اُٹھی رہیں گی ان کی) نگاہیں، خود اُن کی طرف لوٹ کے نہ آئیں گی، (یعنی آنکھیں اپنے کو دیکھنا ہی بھول جائیں گی) اور اُن کے دل بالکل خالی ہوں گے (صبر و قرار اور فکر و فہم کی صلاحیت سے) اور اے پیغمبر! لوگوں کو اس دن کی آمد سے خبردار کر دو جس دن کہ اللہ تعالےٰ کا عذاب بالکل اُن کے سامنے آجائے گا، تو جنہوں نے (کفر و شرک کر کے) اپنے کو تباہ و برباد کیا ہے، وہ کہیں گے:

ہمارے مالک و مولا! ہمیں تھوڑی سی مدت کے لئے اور مہلت دیدے (اور اپنی حالت کے درست کرنے کا ذرا موقع دے دے) ہم تیرے پیام اور تیری دعوت کو قبول کریں گے (یعنی ایمان لائیں گے) اور رسولوں کی پیروی کریں گے (انہیں جواب ملے گا، آج جب عذاب تمہارے سامنے آگیا ہے تو یہ باتیں

کرتے ہو) کیا تم ہی نہ تھے کہ (قیامت اور آخرت کی جزا سزا کا انکار کرتے ہوئے) تم نے اس سے قبل قسمیں کھا کھا کر کہا تھا کہ تمہیں کبھی کسی طرح کا زوال نہ ہوگا (اور کبھی تم کسی عذاب میں مبتلا نہیں کئے جاؤ گے) حالانکہ تم اگلے زمانے کے ان لوگوں کی بستیوں ہی میں بسے تھے، جنہوں نے (پہلے شرک وکفر کر کے تمہاری ہی طرح) اپنے نفسوں کو تباہ وبرباد کیا تھا، اور تم پر اچھی طرح واضح ہو گیا تھا کہ ہم نے اُن کے ساتھ کیا کیا (اور اُن کا کیسا انجام ہوا) اور (اس کے علاوہ) ہم نے تمہارے لئے (اپنے پیغمبروں کے ذریعے تاریخی) مثالیں بیان کی تھیں (لیکن تم نے ان میں سے کسی بات سے بھی کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا اور انکار و بغاوت ہی پر قائم رہے) اور (حق کا راستہ روکنے کے لئے) انہوں نے بڑی بڑی چالیں چلیں اور اُن کی ساری چالیں اللہ تعالیٰ کے سامنے ہیں، اور یقیناً اُن کی چالیں ایسی تھیں کہ اُن سے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل جائیں۔ (لیکن ارادۂ الٰہی کے مقابلے میں ان کی کوئی چال بھی کامیاب نہیں ہو سکی)۔

پس ایسا خیال نہ کرو کہ اللہ تعالیٰ جو وعدہ اپنے رسولوں سے کر چکا ہے (مثلاً یہ کہ سرکش مجرموں کو وہ ضرور سزا دے گا) وہ اس کے خلاف کرنے والا ہو جائے گا، ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا اور باغیوں کو مجرموں کو سزا دینے سے کوئی اس کو نہیں روک سکتا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ زبردست اور سب پر غالب ہے (مجرموں کو اُن کے اعمالِ بد کی) سزا دینے والا ہے (یہ سب کچھ اُس دن ظہور میں آئے گا) جس دن یہ زمین بدل کر ایک دوسری ہی زمین ہو جائے گی اور آسمان بھی بدل جائے گا اور سارے آدمی اللہ واحد قہار کے سامنے پیش ہوں گے اور تم دیکھو گے اُس دن (اللہ تعالیٰ کے باغیوں) مجرموں کو زنجیروں میں جکڑے ہوئے، اُن کے کرتے قطران تیل کے ہوں گے (جو گندھک کی طرح آگ کو لیتا ہے اور بہت تیزی سے جلتا ہے) اور آگ کی لپٹیں اُن کے چہرے کا نقاب ہوں گی۔ یہ سب اس لئے ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے کئے کے مطابق بدلہ دے، اللہ تعالیٰ بڑی جلدی حساب لینے والا ہے۔ یہ خداوندی

پیغام و اعلان ہے سب لوگوں کے لئے اور مقصد یہ ہے کہ وہ اس کے ذریعے آگاہ ہوں اور انہیں معلوم ہو کہ (ان کا اور سب کا) معبود برحق بس ایک ہی معبود ہے اور جو لوگ عقل و خرد سے محروم نہیں ہیں، وہ نصیحت پکڑیں۔"

دین کی بنیادی ہدایتیں اور خداوندی احکام

سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا گیا ہے :-

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۝ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۝ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ۝ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۝ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا ۢ بَصِيْرًا ۝ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۝ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ص وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ج اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ۝ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۝ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ

السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۝ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ۝ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ۝ ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ۭ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل ع ۲-۳)

"اور تمہارے مالک کا حکم ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت اور بندگی نہ کرو، اور (اس توحید خالص کے حکم کے بعد دوسرا حکم اس کا یہ ہے کہ) اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر ان میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہارے ہوتے ہوئے بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں (اور ان کا بوجھ تمہیں اٹھانا پڑے) تو بھی اُن کی شان میں کوئی نامناسب اور ان کو آزردہ کرنے والا کلمہ نہ کہو، بلکہ اُن سے ادب و احترام والی بات ہی کہو، اور دردمندی سے اُن کے سامنے انکسار کے ساتھ نیچے بنے رہو اور اُن کے واسطے اللہ تعالیٰ سے دُعا بھی کرتے رہو کہ :-

ہ اے پروردگار! میرے ان ماں باپ پر رحمت فرما (ان کو دُنیا اور آخرت میں راحت اور عافیت دے) جیسا کہ انھوں نے مجھے بچپنے کی حالت میں پالا (اور میری راحت و عافیت کی فکر کی) تمہارا رب تمہارے دلوں کی بات کو خوب جانتا ہے۔ پس اگر تم ہو گے لائق اور سعادتمند (اور دل سے ماں باپ کی خدمت اور اُن کے ادب و احترام کا ارادہ رکھنے والے)

لیکن اس کے باوجود تم سے اُن کے ادب اور حسن سلوک کے بارے میں کوئی قصور ہو گیا اور تم نے اس کے بعد توبہ تلافی کی تو تمہارا وہ پروردگار توبہ کرنے والوں کو بخش دینے والا ہے۔

اور (ماں باپ کے علاوہ بھی) اپنے سب قرابت داروں کا حق ادا کرو اور (قرابت کے دائرہ سے باہر بھی) عام حاجت مندوں اور (مدد کے مستحق) مسافروں کو بھی دیتے رہو، اور (اللہ تعالیٰ کے دیئے مال کو) بیجا نہ اُڑاؤ (بیجا اُڑانے والے لوگ شیطانوں کے بھائی بند ہیں، اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا

ہے (لہٰذا تم ایسے نہ بنو) اور اگر (کبھی ایسی صورت ہو کہ تمہارا ہاتھ خالی ہو اور اُن کی خدمت سے مجبوری ہو اور اس کی وجہ سے) تمہیں اُن سے روگردانی کرنی پڑے اور اللہ تعالیٰ کے کرم اور اُس کی رحمت کی تمہیں امید اور جستجو ہو تو (معذرت کے طور پر) ان سے نرم اور خوشگوار بات کہہ دو، ایسی بات اُس وقت بھی نہ کہو جس سے اُن کا دل دُکھے۔

اور نہ تو ایسا کرو کہ اپنا ہاتھ (بالکل) اپنی گردن سے باندھ لو (کہ کسی کو کچھ دینے کے لئے ہاتھ بڑھ ہی نہ سکے، جو بخیلوں، کنجوسوں کا طریقہ ہے) اور نہ ایسا کرو کہ (فضول اُڑانے والے ناعاقبت اندیشوں کی طرح) اپنا ہاتھ بالکل کھول ہی دو، اور پھر اس کا نتیجہ یہ ہو کہ تم بیٹھ جاؤ بالکل درماندہ ہو کر، جس کو ہر طرف سے ملامت کی جائے (بہرحال افراط و تفریط سے بچو اور اعتدال و میانہ روی کو اپنا اصول و دستور بناؤ۔)

تمہارا پروردگار جس کے لئے چاہتا ہے روزی میں وسعت دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگی کرتا ہے، وہ اپنے سب بندوں کی پوری پوری خبر رکھنے والا اور سب کو پوری طرح دیکھنے والا ہے (رزق کی کنجیاں تمہارے یا کسی دوسری مخلوق کے ہاتھ میں نہیں ہیں بلکہ اُس کے ہاتھ میں ہیں، وہی سب کی روزی کا کفیل ہے) اور تم پیدا ہونے والے اپنے بچوں کو افلاس و ناداری کے خطرے سے ہلاک نہ کر ڈالو، ہم ان کو بھی روزی دیں گے اور تم کو بھی (اگر تم سمجھتے ہو کہ روزی کا مسئلہ تمہارے ہاتھ میں ہے تو تمہارا یہ خیال نہایت جاہلانہ اور بالکل کافرانہ ہے، بہرحال افلاس اور تنگی کے خطرے سے) اپنے بچوں کو ہلاک کر ڈالنا بہت ہی بڑا گناہ ہے۔

اور دیکھو زنا کے قریب بھی نہ جاؤ، وہ بڑی بے حیائی کی اور گندی بات ہے اور بُری راہ ہے۔

اور مت قتل کرو کسی ایسی جان کو (جس کا مارنا) اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے مگر حق کی بناء پر (مثلاً قصاص میں یا کسی اور ایسے سنگین جرم کی پاداش میں جس

کی سزا اللہ تعالٰے کی طرف سے قتل ہی مقرر ہے) اور جو کوئی ناحق مار ڈالا جائے تو ہم نے اُس کے وارث کو (قصاص میں قاتل کی جان لینے کا) حق دیا ہے، پس اس کو قتل کے بارے میں حدِ شرعی سے تجاوز نہیں کرنا چاہیئے، بے شک وہ ہمدردی اور مدد کا مستحق ہے (لیکن اس کو اس کی اجازت ہرگز نہیں ہے کہ وہ جوشِ انتقام میں قصاص کی مقرر حد سے آگے بڑھے۔

اور یتیموں کے مال کے پاس بھی نہ جاؤ (اور اُن کے مال کو ہاتھ بھی نہ لگاؤ) اِلّا یہ کہ (اُن کے فائدے کے لئے اُن کے مال میں کوئی تصرّف کرنا ضروری ہو جائے تو) اچھے طریقے سے (کر سکتے ہو، اور وہ بھی صرف) اس وقت تک کہ یتیم اپنے سن رشد کو پہنچ جائے۔

اور اپنے عہد پورے کرو، عہد کی ضرور باز پرس ہو گی۔

اور جب کسی کو تم کوئی چیز ناپ کر دو تو پورا ناپو، اور (جب کوئی چیز تول کر کسی کو دینی ہو تو) ٹھیک ترازو سے تولو (لین دین میں دھوکے دھڑی کی کوئی بات نہ ہو) یہی تمہارے لئے بہتر ہے اور اس کا انجام زیادہ اچھا ہے۔

اور جس بات کا تمہیں تحقیقی علم نہ ہو اس پر نہ چلو (یعنی توہمات اور بے تحقیق باتوں کی پیروی نہ کرو اور اُن کو بنیادِ کار نہ بناؤ۔ اللہ تعالیٰ نے علم و تحقیق کے جو ذریعے سب انسانوں کو دیئے ہیں کہ یعنی) کان اور آنکھیں اور دل یقیناً (قیامت کے دن) ان سب کی بابت پوچھا جائے گا (کہ تم نے حق شناسی کی راہ میں ان سے کتنا کام لیا) اور زمین پر (متکبّروں کی طرح) اتراتا اور اکڑتے نہ چلو (اپنی حقیقت کو نہ بھولو، نہ تو تم اپنے زورِ قدم سے) زمین کو چیر پھاڑ سکتے ہو، اور نہ لمبائی میں پہاڑوں کو پہنچ سکتے ہو۔ یہ سارے بُرے کام تمہارے مالک کو ناپسند ہیں۔

اے پیغمبرؐ! یہ باتیں اس دفترِ حکمت میں سے ہیں جو تمہارے رب نے تمہاری طرف وحی کیا ہے۔

اور (اے انسانو! آخر میں پھر مکرر تاکید کی جاتی ہے کہ) اللہ تعالٰے کے

ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بناؤ (شرک وہ گناہِ عظیم ہے کہ اگر اس سے تم آلودہ ہوئے تو بس جہنم میں جھونک دیئے جاؤ گے اور پھر تم پر (ہر طرف سے) لعنت وملامت اور دھتکار ہو گی"۔

سبحان اللہ! قرآن مجید کا یہ "خطبہ" احکام و ہدایات کو کس قدر جامع ہے، اور پھر طرزِ بیان کتنا سادہ اور اسی کے ساتھ کس قدر مؤثر ہے! بلاشبہ اگر ذوقِ سلیم نصیب ہو تو اس کی ہر آیت پڑھ کر دل گواہی دے گا کہ بے شک یہ مالک الملک اور احکم الحاکمین ہی کا ہدایت نامہ ہے۔

اُمّتِ مسلمہ کے خاص فرائض اور اُس کا نصب العین

سورۃ الحج کے آخر میں ارشاد فرمایا گیا ہے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۚ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۚ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۚ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ ۝ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَٰذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ ۚ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ ۚ هُوَ مَوْلَاكُمْ ۖ فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ۝ (الحج ع ۱۰)

"اے وہ لوگو! جنہوں نے دعوتِ ایمانی کو قبول کر لیا (اب تمہارے فرائض اور تمہارے کرنے کے خاص کام یہ ہیں کہ اپنے پروردگار کے لئے) رکوع وسجود کرو، اور (ہر طرح سے) اپنے رب کی عبادت وبندگی کرو، اور (اس کی مخلوق کے ساتھ) بھلائی کرو، تاکہ تم فلاح یاب اور بامراد ہو جاؤ۔ اور اللہ کی راہ میں خوب کوشش کرو اور جان لڑا دو، جیسا کہ اُس کی راہ میں کوشش اور جان بازی کا حق ہے، اُس نے (اپنی خاص بندگی اور اپنی راہ کی جدوجہد کے لئے) تمہارا انتخاب کیا ہے اور دین میں تمہارے لئے اُس نے کوئی تنگی نہیں رکھی ہے (بلکہ بڑی وسعت اور کشادگی والا یہ دین ہے جو محمد رسول اللہ کے ذریعہ تم کو عطا کیا گیا ہے) وہی طریقہ

تمہارے باپ ابراہیم کا، اُس نے تمہارا نام رکھا "مسلمین"، پہلے بھی، اور اِس (آخری کتاب قرآن) میں بھی، تاکہ رسول بتلانے والا ہو تم کو، اور تم بتانے والے ہو (دنیا کے) اور سب لوگوں کو، پس اے اہلِ ایمان! (ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے) تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو، اور اللہ تعالےٰ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو (اور اس کی کارسازی اور مددگاری پر بھروسہ کر کے جدوجہد کے میدان میں کود پڑو) وہ تمہارا والی اور کارساز ہے اور کیسا اچھا مددگار ہے"۔

سبحان اللہ! چھوٹی چھوٹی ان دو تین آیتوں میں اُمتِ مسلمہ کے نصب العین، اس کے مقصدِ وجود، اس کے منصب اور اُس کے فرائض کو کیسی جامعیت کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے کہ صرف یہ آیتیں بھی اُمت کی اصولی رہنمائی کے لئے بالکل کافی ہیں۔

اللہ تعالےٰ ہم مسلمانوں کو توفیق دے کہ قرآن مجید کے اس طرح کے ارشادات کی روشنی میں اپنے مقصد و نصب العین اور اپنے منصبی فرائض کو سمجھیں اور اپنی زندگی کو ان ہدایات کے مطابق بنا کر اللہ تعالےٰ کی رضا و رحمت کے مستحق ہوں، یہی ہے انسانوں کی حقیقی معراج۔

اپنے گناہ گار بندوں کا اللہ تعالےٰ کا بلاوا، اور نہ ماننے والوں کا انجام

سورۂ زمر میں ارشاد فرمایا گیا ہے :-

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰي مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ

لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ۝ أَوْ تَقُولَ حِينَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ أَنَّ لِي كَرَّةً فَأَكُونَ
مِنَ الْمُحْسِنِينَ ۝ بَلَىٰ قَدْ جَاءَتْكَ آيَاتِي فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ
وَكُنْتَ مِنَ الْكَافِرِينَ ۝ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ تَرَى الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَى اللَّهِ وُجُوهُهُمْ
مُسْوَدَّةٌ ۚ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِلْمُتَكَبِّرِينَ ۝ وَيُنَجِّي اللَّهُ الَّذِينَ
اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ اللَّهُ خَالِقُ
كُلِّ شَيْءٍ ۖ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ۝ لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ
وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝ قُلْ أَفَغَيْرَ اللَّهِ
تَأْمُرُونِّي أَعْبُدُ أَيُّهَا الْجَاهِلُونَ ۝ وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ
مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝
بَلِ اللَّهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۝ وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ ۖ
وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمَاوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ ۚ
سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي
السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ ۖ ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَىٰ فَإِذَا
هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ ۝ وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتَابُ
وَجِيءَ بِالنَّبِيِّينَ وَالشُّهَدَاءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ
وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَا عَمِلَتْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُونَ ۝

(زمر - ع - ۶ - ۷)

"اے پیغمبر! (آپ میری طرف سے میرے بندوں سے) کہئے کہ اے میرے وہ بندو جنہوں نے (کفر و شرک کرکے) اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے، خدا کی رحمت سے تم (بھی) ناامید مت ہو (اور یہ خیال مت کرو کہ تمہاری بخشش نہیں ہو سکتی، اگر تم شرک و کفر اور بغاوت کی زندگی سے نکل آؤ اور توبہ کر لو تو بخشش کا دروازہ تمہارے لئے بھی کھلا ہوا ہے) اللہ تعالےٰ سارے گناہ بخش دیتا ہے، وہ بڑا بخشنے والا اور بہت مہربان ہے (پس اگر اللہ تعالےٰ کی بخشش چاہتے ہو تو، توبہ کر لو) رجوع ہو جاؤ اپنے رب کی طرف، اور اس کی فرماں برداری اختیار کر لو، قبل

اس سے کہ (کفر و شرک کی پاداش میں) تم پر عذاب آجائے اور پھر کسی طرف سے تم کو کوئی مدد نہ مل سکے۔

اور (بغاوت و معصیت کی زندگی چھوڑ کر) پیروی اختیار کر لو اس بہترین شریعت کی جو تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی طرف سے اُتاری گئی ہے قبل اس کے کہ اچانک تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آ پڑے اور تمہیں اس کا خیال بھی نہ ہو۔

اور دیکھو ایسا نہ ہو کہ (کل قیامت میں تم میں سے) کوئی شخص (حسرت سے) کہے کہ ہائے افسوس! میری اس کوتاہی پر جو میں نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں کی اور میں تو ہنسی مذاق ہی کرتا رہا۔ یا کوئی یوں کہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت دیتا تو میں بھی متقیوں میں سے ہوتا، یا کوئی شخص (اس دن) عذابِ الٰہی دیکھ کر کہنے لگے، کاش! دُنیا میں پھر مجھے ایک دفعہ جانا مل جاتا تو میں بڑے نیک بندوں میں سے ہو جاتا۔

(اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہا جائے گا) ہاں بے شک میری آیتیں تیرے پاس پہنچی تھیں تو تُو نے اُن کی تکذیب کی اور استکبار و غرور کا رویہ اختیار کیا اور تُو کافروں میں ہی رہا۔

اور تم دیکھو گے قیامت کے دن ان لوگوں کے چہرے بالکل سیاہ (ہوں گے) جنہوں نے جھوٹ بولا اللہ تعالیٰ پر (مثلاً جنہوں نے اپنے مشرکانہ عقائد و اعمال یا دوسری جاہلانہ رسوم و خرافات کے بارے میں کہا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے ہی ایسا کرنے کا حکم دیا ہے، تو ایسے سب مفتریوں کے چہرے قیامت کے دن بالکل کالے ہوں گے اور اُن پہ لعنت برستی ہو گی) کیا ان متکبرین کا ٹھکانہ جہنم نہیں ہے۔

اور جن بندوں نے (کفر و معصیت کی زندگی چھوڑ کے) تقویٰ کو اپنا شعار بنایا، اللہ تعالیٰ اُن کو پوری کامیابی کے ساتھ (جہنم سے) نجات دے گا اُن کو ذرا بھی تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ وہ رنج و غم میں مبتلا ہوں گے، اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے اور ہر چیز اُسی کے سپرد ہے، زمین و آسمان کی کنجیاں اسی کے

اختیار میں ہیں، اور جو لوگ اللہ تعالےٰ کی باتوں کو نہیں مانتے وہ بڑے خسارے میں رہیں گے۔

اے پیغمبر! آپؐ (ان مشرکوں سے) کہئے، اے جاہلو! حقیقت ناشناسو! کیا تم مجھ سے فرمائش کرتے ہو کہ میں اللہ تعالےٰ کے سوا کسی اور کی بھی عبادت کروں، اور واقعہ یہ ہے کہ آپؐ کی طرف بھی اور آپؐ سے پہلے جو پیغمبر بھیجے گئے ان سب کی طرف بھی وحی کے ذریعے یہ پیغام ہدایت بھیجا جا چکا ہے کہ اے انسان! اگر تُو نے شرک کیا تو تیرا سب کیا کرایا غارت ہو جائے گا اور تُو بڑے خسارہ والوں میں سے ہو جائے گا (پس ہرگز شرک کے پاس نہ جاؤ) بلکہ صرف اللہ تعالےٰ ہی کی عبادت کرو اور اُس کے شکر گزار بندوں میں سے ہو جاؤ۔

اور (افسوس!) انہوں نے خدا کی ویسی عظمت نہ کی جیسی عظمت اُس کی کرنی چاہیئے تھی، حالانکہ (اس کی وہ شان ہے کہ) ساری زمین (مشرق سے مغرب تک) قیامت کے دن اُس کی مٹھی میں ہوگی اور تمام آسمان لپٹے لپٹائے اس کے خاص دستِ قدرت میں ہوں گے۔ وہ پاک ہے اور برتر ہے اُن کے شرک سے۔

اور جب قیامت کا صور پھونکا جائے گا تو زمین و آسمان کی ساری مخلوق کے ہوش اُڑ جائیں گے (ہاں) مگر جس کو اللہ تعالےٰ چاہے گا (ہوش میں رکھنا تو وہ ہوش کی حالت میں رہے گا) پھر (جب) دوسری دفعہ (مُردوں کے جِلانے کے لئے) صور پھونکا جائے گا تو دفعتہً سب کے سب (جی کے) اُٹھ کھڑے ہوں گے (اور آنکھو پھاڑ پھاڑ کے حیرت سے ہر طرف) دیکھتے ہوں گے اور زمین اپنے رب کے نُور سے جگمگا جائے گی اور (سب کا) نامۂ اعمال (سامنے) رکھ دیا جائے گا اور پیغمبر اور گواہ (دربارِ الٰہی میں) حاضر کئے جائیں گے اور سب کے مابین ٹھیک ٹھیک فیصلہ کیا جائے گا اور اُن پر ظلم بالکل نہ ہوگا۔

اور جس نے جو کچھ کیا ہوگا اُس کو اس کا بھر پور بدلہ دیا جائے گا، اور وہ احکم الحاکمین بندوں کے سارے اعمال و افعال کو خوب جانتا ہے ؎

اللہ تعالےٰ کی بات ماننے والوں اور اُس کی راہ پر چلنے والوں کو بشارت

سورۂ حٰمٓ سجدہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے :۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ○ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ○ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ○ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ○ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ○ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ (حٰمٓ سجدۃ ع ۔ ۴ ۔ ۵)

"جن بندوں نے دل سے اقرار کر لیا کہ ہمارا رب بس اللہ ہے (اور ہم اسی کی بندگی والی زندگی گزاریں گے) پھر وہ اس پر پوری طرح قائم رہے' نازل ہوں گے اُن پر فرشتے (یہ پیام لے کر) کہ نہ کوئی اندیشہ کرو اور نہ رنج کرو (بلکہ مطمئن) اور خوش رہو اس جنت کے ملنے پر جس کا تم سے (پیغمبروں کی معرفت) وعدہ کیا جاتا تھا ہم تمہارے رفیق اور سرپرست ہیں دنیوی زندگی میں اور آخرت میں' اور اس آخرت میں تمہارے لئے وہ سب کچھ ہے جس کو تمہارے جی چاہیں گے اور وہاں تمہارے واسطے وہ سب کچھ مہیا ہے جو تم مانگو گے، خداوند غفور رحیم کی طرف سے یہ تمہاری مہمانی ہوگی۔

اور اُس بندہ سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو اللہ کے بندوں کو اللہ تعالےٰ کی طرف بلائے اور خود بھی نیکو کار اور خوش کردار ہو اور اعلان کرتا ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندوں میں شامل ہوں۔ اور نیکی اور بدی برابر نہیں

ہو سکتی (بلکہ ہر ایک کا اثر اور انجام جدا ہے، اس لئے آپ کو اور آپ کے متبعین کو ہدایت اور نصیحت کی جاتی ہے کہ دشمنوں کی دشمنی اور شرارت کا) آپ جواب دیجئے اپنے اچھے برتاؤ سے پس (اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ) تمہارے اور جس شخص کے درمیان دشمنی ہو گی (تمہارے اچھے برتاؤ سے متاثر ہو کر) وہ ایسا ہو جائے گا گویا کہ تمہارا دلی دوست ہے، اور یہ بات ان ہی بندوں کو نصیب ہو سکتی ہے جن میں صبر کی صفت ہے اور اس کی توفیق بس ان ہی کو مل سکتی ہے جو بڑے نصیب والے ہیں اور اگر (ایسے وقت میں) شیطان کی طرف سے تمہیں کوئی وسوسہ آنے لگے (مثلاً دل میں اشتعال اور انتقام کا جذبہ پیدا ہونے لگے) تو اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو، وہ خوب سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے (اس کی طرف سے تمہاری مدد اور دستگیری ہو گی اور شیطان کے وار سے تم محفوظ رہو گے۔)"

اپنے کو جہنم کی آگ سے بچاؤ اور سچی توبہ کر کے آخرت کی سرخروئی اور جنت حاصل کرو

سورۂ تحریم میں ارشاد فرمایا ہے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ۖ إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُكَفِّرَ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ ۖ نُورُهُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۖ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ (سورة التحريم ع-۲)

"اے ایمان والو! خود اپنے کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اس پر (خدا کی طرف سے وہ) فرشتے متعین ہیں جو بڑے سخت مزاج اور طاقتور ہیں، جو حکم اللہ تعالیٰ ان کو دیتا ہے وہ اس کی بالکل نافرمانی نہیں کرتے

اور وہی کرتے ہیں جو اُن کو حکم ملتا ہے۔ (قیامت کے اس دن میں کافروں، منکروں سے کہا جائے گا کہ) اے کافرو! منکرو! آج تم کوئی عذر معذرت پیش نہ کرو، آج تم کو تمہارے اعمال ہی کا بدلہ دیا جائے گا (لہٰذا جس کو اس انجام وعذاب سے بچنا ہو اُس کو چاہیئے کہ اس دُنیا ہی میں کفر سے باز آجائے اور ایمان والی زندگی اختیار کرے)۔

اے اہلِ ایمان! تم اللہ تعالیٰ کے آگے توبہ کرو، پوری مخلصانہ توبہ! امید رکھو کہ (سچی پُرخلوص توبہ کے بعد) تمہارا پروردگار (تم پر خاص لطف وکرم فرمائے گا) تمہارے گناہ مٹا دے گا (یعنی معاف فرما دے گا) اور تم کو ان جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں (اور یہ اُس دن ہو گا) جس دن کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور اُن کے ساتھ والے اہلِ ایمان کو پوری پوری سرخروئی عطا کرے گا اور بالکل رسوا نہ کرے گا (وہاں اُن کی شان یہ ہو گی کہ) ان کا نُور اُن کے آگے اور اُن کے داہنے دوڑتا ہو گا، اور ان کی زبانوں پر یہ (الہامی) دُعا ہو گی :-

رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ٥ -

---

اس آخری عنوان "قرآنی خطبات ومواعظ" کے تحت ہم نے دس مقامات کی جو آیات درج کی ہیں اُن کی حیثیت بس "مشتے نمونہ از خروارے" کی ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن پاک میں پچاسوں مقامات ایسے ہیں کہ جن میں ان انسانوں کے لئے جن کے دل پتھر کے نہیں ہیں، موعظت ونصیحت کا پُورا پُورا سامان ہے، خاص کر قرآن مجید کا آخری چوتھائی حصہ (یعنی سورۂ سبا سے لے کر آخر تک) تو مواعظ وخطبات ہی سے بھرا ہُوا ہے اور اس میں ذرا بھی شُبہ نہیں ہے کہ اگر آدمی کی فطرت سلیم ہو اور اس کو عربی زبان کا کچھ بھی ذوق ہو، تو قرآن پاک کے خاص کر اس آخری تذکیری حصہ کے ہر ورق اور ہر صفحے کی تلاوت کے وقت اس کو اس تاثیر اور اس کیفیت کا تجربہ ہو گا جس کو قرآن مجید نے خود ہی ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے :-

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ط

"جن بندوں میں کچھ خوفِ خدا ہے، اس قرآن مجید (کے پڑھنے یا سننے) سے اُن کے جسموں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، پھر اُن کے جسم اور ان کے قلوب (یعنی سارا ظاہر و باطن) نرم پڑ کر اللہ تعالیٰ کی نصیحت اور اس کے پیغام کا تابع ہو جاتا ہے۔"

جی چاہتا تھا کہ اس آخری عنوان کے تحت قرآن مجید کا کافی حصہ نقل کیا جائے۔ لیکن اب کتاب کی ضخامت بہت کافی بڑھ چکی ہے اور یقین ہے کہ ایسے ایسے دس بیس مقامات اور نقل کرنے کے بعد بھی یہ خواہش باقی ہی رہے گی۔ اس لئے بس اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

آخری گذارش یہ ہے کہ ناظرینِ کرام اس پوری کتاب کو قرآن مجید کی دعوت و تعلیم اور موعظت و نصیحت کا بس "ایک نمونہ" اور "مختصر تعارف" ہی سمجھیں، میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر بہ قسم عرض کرتا ہوں (وکفیٰ بہ شہیدًا) کہ میرا صرف عقیدتمندانہ نہیں بالکل حقیقت پسندانہ احساس و اعتراف یہ ہے کہ اڑھائی سو صفحات کی اس کتاب میں قرآن مجید کی دعوت و تعلیم کے بارے میں جو کچھ میں نے لکھا ہے اس کو اصل قرآن پاک سے قطرہ اور دریا کی بھی نسبت نہیں ہے۔ بس چاہیئے کہ اس قسم کی کوششوں کے ذریعہ قرآن پاک کی دعوت و تعلیم سے مناسبت پیدا کر کے آدمی اصل قرآن ہی سے وابستگی پیدا کرے۔ بلاشبہ قرآن پاک سے وابستگی اللہ تعالیٰ سے وابستگی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہم سب کے سینے کھول دے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا۔

مشتاق احمد خوشنویس

وَقَالَ رَبُّكُمُ
ادْعُونِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ

فضائلِ دُعا

قرآن کریم و احادیث کی روشنی میں دُعا کی فضیلت اور اہمیت، دُعا کے آداب، قبولیت کے مواقع، قبولیت دُعا کی شرائط، استغفار کے فضائل توبہ کی حقیقت و ضرورت، ہر مقام اور ہر موقعہ کی مسنون دُعائیں۔

بمعہ رسالہ

الحزب المقبول

سات منزلوں پر منقسم جامع دُعاؤں کا مجموعہ جن میں ہر خیر کا سوال ہے اور ہر شر سے پناہ مانگی گئی ہے

تالیف

حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہری دامت برکاتہم

ناشر

ادارہ اسلامیات

۱۹۰- انارکلی- لاہور

۷۲۴۳۹۹۱
۳۵۳۲۵۵

اِرشاداتِ مُجددِ الفِ ثانی

اِنتخابِ مکتوباتِ امامِ ربّانی شیخ احمد سرہندی قدس اللہ سرّہٗ

اِنتخاب و عُنوانات:

جناب مولانا محمود اشرف عُثمانی دامت برکاتہم

اِدارۂ اِسلامیات

انارکلی، لاہور ۲، پاکستان

فون ۷۳۲۲۷۸۵، ۷۲۴۳۹۹۱، ۷۳۵۳۲۵۵